جہانِ حمد و نعت

4

ریاستِ جموں و کشمیر میں حمدیہ و نعتیہ

شعر و ادب کا اوّلین کتابی سلسلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

بسم اللہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ○

نعت اکادمی جموں وکشمیر (سری نگر) کے زیر اہتمام شائع ہونے والا

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلّہ

Jahan-e-Hamd-o-Naat

4

جہانِ حمد و نعت

{ ریاستِ جموں وکشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعروادب کا اوّلین کتابی سلسلہ }

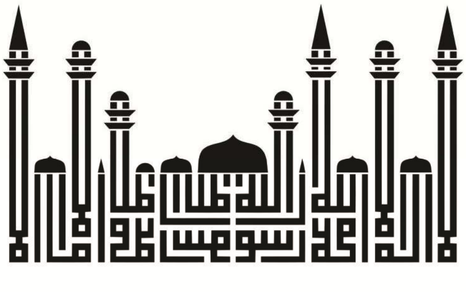

مُدیر ڈاکٹر جوہر قدوسی

نعت اکادمی جموں وکشمیر صدر دفتر : مدینہ چوک، سرینگر-190001 (کشمیر)

Pages : 01 to 04 = Title Cover (4 Pages)

حمدیہ و نعتیہ ادب کے فروغ و اشاعت کے لیے وقف ادبی و تحقیقی مجلّہ

جہانِ حمد و نعت

ریاستِ جموں و کشمیر میں حمدیہ و نعتیہ شعر و ادب کا اوّلین کتابی سلسلہ

Vol. : 04 ● Issue No : 04 | Price : Rs. 200.00 | Pages : 324

مُدیر : ڈاکٹر جوہر قدّوسی

● جلد : 4 ● شمارہ : 4 ● [سال 2022ء] (بتاخیر اشاعت : محرم الحرام ۱۴۴۵ھ/جولائی 2023ء)

● جنرل منیجر : اے۔جی۔قدّوسی ● منتظم : آصف مسعود

● تزئین کار : پرویز احمد میر ● سرورق : ای۔قدّوسی

ناشر : نعت اکادمی (جموں و کشمیر)

1st Floor, Khan Complex, Madeena Chowk,
Gaw Kadal, SRINAGAR-190001 - Kashmir (J&K)
Cell : 9906662404, 9419403126 Email : hamdonaatjk@gmail.com
Printed and Published by: J. Quddusi ● Printed at: *Al-Hayat Printographers* Sgr.

حمدیہ و نعتیہ ادب کی ترویج و ترقی اور فروغ و اشاعت کے لیے کوشاں ایک متحدہ آواز

نعت اکادمی جموں و کشمیر

Na'at Academy J&K

رابطہ دفتر: خان کمپلیکس، مدینہ چوک، گاو کدل، سرینگر- 190001-(کشمیر)

○ فون نمبرات : 9419404409, 9906662404

○ ای-میل : naatacademyjk@gmail.com

مؤسس-سرپرست : پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی ؒ

مجلس ادارت

****

● مسعود ساموں (I.A.S) (ر) [نگران] ● انجینئر شفاعت محمود [سرپرست]

ڈاکٹر جوہر قدوسی [مُدیر]

ڈاکٹر شکیل شفائی [مُدیر مسئول]

علی محمد عاجز [رفیق مدیر]

مجلس مشاورت (مقامی)

****

پروفیسر ڈاکٹر احمد قدوس جاوید، سابق صدر شعبہ اُردو، کشمیر یونیورسٹی (حال جموں)

سلطان الحق شہیدی، ممتاز نعت گو شاعر، ست بونی لعل بازار، سرینگر (کشمیر)

مسعود ساموں (IAS)، ڈویژنل کمشنر کشمیر (ر)، حال: باندی پورہ (صدر 'نعت اکادمی' کشمیر)

ڈاکٹر حیات عامر حسینی، پروفیسر (ر)، شعبہ فلاسفی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی، ڈین سوشل سائنسز (ر)، سنٹرل یونیورسٹی کشمیر

ڈاکٹر محمد اسداللہ وانی، پروفیسر (ر) شعبہ اُردو، جموں یونیورسٹی، جموں

مشتاق فریدی [صاحب 'اوّلین کلیاتِ نعت']، ڈوڈہ، جموں و کشمیر

میر امتیاز آفریں، سینئر لیکچرار انگلش، محکمۂ تعلیم حکومت جموں و کشمیر

مجلس مشاورت (عالمی)

****

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری (یو-پی)

ڈاکٹر تابش مہدی (نئی دہلی)

ڈاکٹر سیّد محمد یونس (ملائشیا)

ڈاکٹر سراج احمد قادری (خلیل آباد، یو-پی)

تنویر پھول (نیویارک، امریکہ)

علیم صبا نویدی (چینئی، تامل ناڈو)

فیروز احمد سیفی (نیویارک، امریکہ)

ابوالحسن خاور (نعت ورثہ-نعت کائنات، لاہور)

سجاد بخاری (سعودی عرب)

سرفراز بزمی (سوائی، مادھوپور، راجستھان)

شمارہ ھٰذا

جناب طاہر سلطانی (کراچی)

جناب ڈاکٹر حیات عامر حسینی (کشمیر/علی گڑھ)

جناب سلطان الحق شہیدی (سرینگر)

محترمہ رُخسانہ جبین (سرینگر)

جناب مشتاق فریدی (ڈوڈہ)

اور

جناب جسٹس (ر) بشیر احمد کرمانی (سرینگر)

کی حمد و نعت شناسی کے نام

لمعاتِ ثنا

حرفِ آغاز (اداریہ)	ڈاکٹر شکیل شفائی	13
حمدِ ربِّ کائنات	الطاف حسین حالی مرحوم	17
مناجات بہ بارگاہِ قاضی الحاجات	سید سلیمان ندوی مرحوم	18
آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو!	احسان دانش مرحوم	19
بابِ تفکّرات ————		21

اِکتشافِ فکر ، اِقتضائے فن

[حمد ونعت گوئی کے فن اور آداب واسالیب پر مضامین]

قرآن میں حمد باری تعالیٰ کے نقوش	علی محمد عاجزؔ	23
حمدیہ شاعری کے رموز ونکات	علیم صبا نویدی	35
حمد، شکر اور مناجات کے معنوی ابعاد	ڈاکٹر عبداللہ رحمانی	42
نعت گوئی کے آداب اور حدودِ شرعیہ	منظور احسن عباسی	53
نعت نگاری کے تقاضے: اہم شخصیات کی نظر میں	ڈاکٹر نثار احمد نثار	65
بارگاہِ رسالتؐ میں نذرانہ نعت کے آداب	پروفیسر مسعود اختر ہزاروی	76
نعتِ نبویؐ میں توحید ورسالت کا فرق	ڈاکٹر شعیب نگرامی	79
حمد ومناجات پر مواد کی کمیابی	ابو البیان	84
بابِ تدبّرات ————		85

عکسِ تحقیق ، نقشِ تنقید

[حمدیہ ونعتیہ شاعری پر تحقیقی وتنقیدی مضامین]

اُردو میں حمد نگاری اور اِس کا ارتقائی سفر	طاہر حُسین طاہرؔ سلطانی	87

حمد یہ ونعتیہ ادب کے فروغ میں طاہرؔ سلطانی کا حصّہ	سہیل احمد صدیقی	95
حمادؔ انجم ایڈووکیٹ: غزل کی ہیئت میں حمد ونعت کا منفرد شاعر	ڈاکٹر شمس کمال انجم	103
تلوک چند محروم کی حمد یہ شاعری	ڈاکٹر محمد کلیم محی الدین	113
داغؔ دہلوی کے کلام میں حمد ونعت	ڈاکٹر داؤد رہبر	116
قصیدۂ بُردہ وقصیدہ برأت کا ایجازی مطالعہ	ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد	130
عطر گُلاب از گلستانِ حمد ونعت	مفتی محمد اسحٰق نازکی قاسمی	146
علامہ سید عابد علی وجدیؔ کی نعت گوئی	ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط	162
محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ قصیدہ گوئی کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر اویس احمد	171
علامہ احمد رضا خان فاضلؔ بریلوی کا نعتیہ کلام	مدیر : 'جہان حمد ونعت'	188
رشید وارثی: ناعتِ شیریں بیاں	ڈاکٹر شبیر احمد قادری	204
باب تفہیمات		215

اِنتقادِ سخن ، احتسابِ اسلوب

[حمد یہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

حمد یہ کلام کا شاہکار خالد جوہری کا ''دست قدرت''	محمد برہان الحق	217
''اشاریہ'' ماہنامہ اَرمُغانِ حمد، کراچی	اختر سعیدی	219
حمد ونعت اور دینی شاعری کے تین مجموعے	حیدر قریشی	220
ڈاکٹر شمس کمال انجم کے قلم سے فن اور نعت کا حسین امتزاج	ڈاکٹر ریاض توحیدی کشمیری	223
خورشید ناظر کے 3 غیر منقوط حمد یہ ونعتیہ مجموعے	ڈاکٹر عبداللہ رحمانی	230
چندر بھان خیالؔ کی منظوم سیرت ''لولاک''	علیم صبا نویدی	232
کتابیں جو موصول ہوئیں	عبداللہ رحمانی	243

باب **تصوّرات**——— 247

اقوالِ زرّیں،افکارِ روشن

[حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکرو دانش کے منتخب اقوال]

نعت کا فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات — ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی 248

باب **تخیّلات**——— 253

حمدوثنائے ساقئ ازل،مدح و ثنائے ساقئ کوثرؐ

[شعرائے کرام کا منظوم حمد یہ و نعتیہ کلام]

مناجات:ڈاکٹر تابش مہدی 255

حمد یہ کلام : تنویر پھولؔ (امریکہ)/ ڈاکٹر نوید عاجز/شفیقؔ رائے پوری/ پروفیسر حافظ محبوب احمد/محمد صفدر سیاف/محمد ابراہیم خان شوق آکوٹی/ سید اسلم صدا آمری 259

نعتیہ کلام : نعیم صدیقی مرحوم/تنویر پھولؔ (امریکہ)/ پروفیسر جگن ناتھ آزاد (آنجہانی)/سرفراز بزمی / رخسانہ جبین/ مرتضیٰ اشعر/ ابوالحسن خاور/شفیقؔ رائے پوری/ سلمان رسول/ مشتاقؔ فریدی/ مشتاق مہدی/ اشرف عادل/ ڈاکٹر شکیل شفائی/ عمرانؔ الحق چوہان/ظفر اقبال ظفرؔ/ سلطان الحق شہیدیؔ/ ڈاکٹر محمد اقبال ناز/ پیر حسن انظر/ ساغر ہاشمی/ مدثر ثمن/منیر احمد خاور/ ڈاکٹر ریاض احمد قادری/ ابوضحیٰ طارق/سیّد شبیبؔ رضوی 281

باب **تاثرات**——— 309

نامہ ہائے شوق،رقعاتِ ذوق،نقطہ ہائے نظر

[صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

پروفیسر ڈاکٹر شمس کمال انجم، ایس - حسن انظر، پروفیسر حافظ محبوب احمد، پروفیسر ڈاکٹر بدرالدین بٹ، ڈاکٹر یحییٰ نشیط ،تنویر پھول 311 تا 320

باب متفرقات———— 321

[حمدیہ ونعتیہ ادب کی اہم شخصیات کا تذکرہ * اُردو حمدیہ
ونعتیہ ادب کے فروغ کے حوالے سے عالمی سطح کی سرگرمیاں]

محقق وشاعر: پروفیسر مرغوبؔ بانہالی — آسی غلام نبی وانی فتح گڈھی — 321

تیسری عالمی حمد ونعت کانفرنس ومشاعرہ — ڈاکٹر نثار احمد — 324

***

(اداریہ)

حرفِ آغاز

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد رسول اللہ خاتم النبیین و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

الحمد للہ ثم الحمد للہ (چند غیر اختیاری وجوہ سے حددرجہ تاخیر کے ساتھ) مجلہ ’’جہانِ حمد ونعت‘‘ کا چوتھا شمارہ (بالآخر) نذرِ قارئین ہو رہا ہے۔ اُمید ہے کہ سابقہ شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی اہلِ علم و دانش سے پذیرائی وحوصلہ افزائی کے حصول میں کامیاب ہوگا۔ ہر چند مدیر نے اسے مواد و مشمولات اور ترتیب وتہذیب کے لحاظ سے معیاری بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، بایں ہمہ یہ ایک انسانی کاوش ہے۔ اہلِ علم حضرات سے التماس ہے کہ جہاں کہیں کسی خامی، کوتاہی یا غلطی کو پائیں، نشاندہی فرمائیں۔ اِن شاءاللہ بقدرِ استطاعت تصحیح کرنے سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

———— ○ ————

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حمد ونعت کی روایت، اپنی قدیم جڑوں میں پیوست ہونے کے باوجود، اِدھر چند سالوں میں پورے برصغیر اور بالخصوص ہماری ریاست میں ایک نئی آب وتاب، ولولے، حوصلے، فنّی وفکری توانائیوں کے ساتھ جڑ پکڑ رہی ہے۔ گو ابھی اس سمت میں مزید مراحل کو طے کرنا باقی ہے تاہم اب تک کی کوششیں بھی لائقِ تحسین ہیں۔ اس میں یقیناً حمدیہ ونعتیہ روایت کے امین اُن تمام علماء، ادباء، شعراء، مصنفین اور رسائل ومجلّات کا بڑا تابناک اور لائق صد افتخار واعزاز کردار شامل ہے، جو صلہ وستائش سے بے نیاز ہو کر ادبی افق پر اپنے علم وفکر کی ضوفشانی کر رہے ہیں۔ اس کارواں میں اک دُور اُفتادگوشے میں، نسبتاً مختصر دائرے میں ایک ’’قدوسی الفکر‘‘ مجلہ ’’جہانِ حمد ونعت‘‘ بھی ادب وعلم کی اس پاکیزہ لَے میں اپنا سُر ملا رہا ہے۔

———— ○ ————

حمد اُردو شاعری کی ایک اہم مذہبی صنف ہے۔ ہر صنف کی طرح یقیناً اس میں بھی شعری صنعتوں کا التزام کیا جاتا ہے۔ اس کی کوئی خاص ہیئت نہیں، بلکہ یہ اُردو اصنافِ شعر میں رائج

ہیئتوں میں کسی ایک ہیئت میں کہی جاسکتی ہے۔ عام شاعری کی طرح ہی اس میں بھی معنی آفرینی، تخیّل کی بلندی، الفاظ وتراکیب کی نُدرت، صنائع و بدائع کا استعمال، شعری تحسینات کی رعایت مستحسن ہی نہیں، ایک درجے میں مطلوب بھی ہے۔

بایں ہمہ حمد ذہنی سوزشوں، عقلی موشگافیوں اور شعری تکلفات وتصنعات کا زائدہ نہیں ہوتی، بلکہ یہ اُن پاکیزہ احساسات وجذبات اور کیفیات وواردات کا لازمی، ناگزیر اور ناقابلِ تغافل شعری اظہار ہے جو اللہ تعالٰی کے احسانات، قدرت، صفات، تجلیات کے ادراک وشعور اور حضور واستحضار کے نتیجے میں ظاہری قالب اختیار کرلیتے ہیں۔ جن لوگوں کا مبلغ علم ظاہری دنیا کی چمک دمک ہو، جو لوگ پسِ دیوار دیکھنے کی صلاحیت وبصیرت نہیں رکھتے، حمد اُن کے سرچشمۂ وجدان سے پھوٹ نہیں سکتی۔

جب انسان اپنے وجود پر غور کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کس محیر العقول جسدی پیکر اور نفسیاتی نظام کا وہ مالک ہے، جب وہ مظاہر کائنات کی رنگارنگی اور بوقلمونی کا مشاہدہ کرتا ہے، جب وہ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی کی آفریدگی ملاحظہ کرتا ہے، جب وہ زبانوں اور رنگوں کے اختلاف وتنوع سے روشناس ہوتا ہے، جب وہ دن کی تکان اور رات کی استراحت میں خالق کی نشانیاں دیکھ لیتا ہے، جب وہ امید دلانے والی برف وبارش سے مُردہ زمین کی روئیدگی کا نظارہ کرتا ہے، جب وہ بلاستون کے آسمان میں نور افشانی کرنے والے خورشید کا ہمسفر ہوتا ہے، جب وہ رات کی تنہائیوں میں کرنوں کی سوغات بخشنے والے چاند سے ہمکلام ہوتا ہے تو اُس کی نگاہیں ''وله الحمد فی السمٰوات والارض و عشیًّا و حین تظهرون کی حقیقتوں کو نکھرتا ہوا دیکھتا ہے، وہ ''ذالک الله ربکم خالق کُلِّ شیٍٔ'' کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ وہ ''فتبارک الله رب العالمین'' کی صدائیں سنتا ہے تو اُس کے بدن کے ریشے ریشے سے ''حمد'' پھوٹتی ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے : ؎

میں نے پایا ہے اُسے اشکِ سحر گاہی میں
جس دُرّ نایاب سے خالی ہے صدف کی آغوش

علیم شہزاد نے بڑی خوب صورت بات لکھی ہے :

''قرآن کی سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت سے حمد کی زمانی ومکانی وسعتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے''۔

(دبستانِ نعت، شمارہ ۲، جنوری دسمبر ۲۰۱۷ء ص ۹۱)

ایسے انسان کی جبینِ نیاز سجدہ پیشہ کیوں نہ ہو۔ یادِ الٰہی سے تر اُس کی زبان سے اشعارِ معرفت

آمیز کی ندیاں جاری کیوں نہ ہوں، اس کا حبِّ الٰہی سے معمور کیوں نہ ہو، اس کا دل خشیتِ الٰہی سے لبریز کیوں نہ ہو، وہ دعائے سحر گاہی ونالہ نیم شبی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے مسلسل گریہ وزاری، نیز آنسوؤں کی پاکیزہ ونورانی جھڑی سے نہائی ہوئی آنکھوں پر حمد کیوں نہ کہے۔

جی ہاں یہی کیفیات تو حمد کی اصل ہیں۔ جب حمد کی تنقید وتعریف کرنی مقصود ہو تو یہ ملحوظ رکھا جانا چاہیے کہ جو حمد درد سے معمور دل کی آواز نہ ہو، محض الفاظ کی سحر کاری ہو تو ایسی حمد سے آخر چاہا کیا جاسکتا ہے۔ کیا ایسی حمد دینی ادبی سرمایے کے خاکے میں نئے رنگ بھر سکتی ہے؟

○

اسی زاویے سے نعت کا بھی مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ نعت کی ہیئت، نعت میں برتی جانے والی صنعتیں، نعت کا لفظیاتی نظام، نعت کی مختلف بحریں، نعت خوان کے تخیل اور فنی نزاکتوں کی کارفرمائیاں سب کچھ قبول، مگر نعت بھی حمد ہی کی طرح محض الفاظ کا گورکھ دھندہ نہیں، حروف کی فسوں کاری نہیں۔

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' دردِ دل کی دوا نہ ہوں، موسمِ گُل کی نوید نہ ہوں، آزمائش گہہِ غم میں سکون واستراحت کا سامان نہ ہوں، زندگی کی شبِ تاریک کی نمودِ سحر نہ ہوں، جوشِ جنوں میں آگہی کا رمز نہ ہوں، بحرِ حیات کی گہرائیوں میں گہر تابناک نہ ہوں، آپؐ کے ذکرِ جمیل سے ملکوت کے عنادل جھوم نہ اٹھیں تو پھر کس چیز کے موزون اظہار کو نعت کہیں گے۔

اگر ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے نظامِ فکر وعمل کا مرکزی حوالہ نہ ہوں، ہماری نوکِ قلم سے ٹپکنے والے حروف ونقوش کا کعبۂ مقصود نہ ہوں، فکر وفن کی جلوہ آفرینیوں کا آئینہ نہ ہوں تو پھر خدارا بتایئے جو چیز موزوں ہوئی، کیا وہ واقعی نعت کہلانے کی مستحق ہے؟ ؎

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

○

الحمد للہ! ''جہانِ حمد ونعت'' کے زیرِ نظر چوتھے شمارے میں بھی سابقہ معیار برقرار رکھنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے اور مقرر کردہ تقسیمِ ابواب کے مطابق نثر ونظم میں معیاری تحاریر پیش کی گئی ہیں۔ جن مقالہ اور مضمون نگاروں نے ہمارے ساتھ قلمی تعاون کیا، ادارہ اُن کا بے حد شکر گزار ہے اور بارگاہِ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ وہ ان اصحابِ فکر ونظر کو اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے۔

ہرچند موجودہ پُر آشوب دور میں مقالات، مضامین اور شعری کاوشوں کا حصول چنداں آسان نہیں،

اہلِ علم وقلم سے رابطہ کر کے انہیں اس عظیم موضوع پر خامہ فرسائی کرنے کی ترغیب وتحریک دینا بذاتہٖ ایک مجاہدہ ہے۔ یہ مدیرِ مجلہ پروفیسر جوہرؔ قدوسی (متّعنا الله بعلومه) کی انتھک اور مخلصانہ محنتوں کا ثمر ہے کہ مختلف ومتنوع قسم کے حمدیہ ونعتیہ مضامین ومقالات اور نعتیں وصول ہوئیں، جو اَب اس مجلّے کی زینت بن رہی ہیں۔ ادارہ اُن تمام شعراء کرام کا بھی شکر گزار ہے، جنھوں نے اپنی شعری تخلیقات سے ہمارا حوصلہ بڑھایا اور ہم اس سمت میں آگے بڑھنے کی جسارت کر سکے۔

———— ○ ————

مقالات ومضامین اور حمدیہ ونعتیہ کاوشوں کی ہر ہر سطر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ نہ ہی ان ادبی شہ پاروں سے کسی مخصوص مکتبِ فکر یا دبستان کی ترجمانی مقصود ومطلوب ہے۔ یہ کام للہ فی اللہ محض حصولِ رضائے الٰہی کے لیے انجام دیا جاتا ہے۔

ہمیں اس نوعیت کی علمی، ادبی اور دینی کاوشوں کا بھرپور احترام ہے، تاہم ہم ان کو تنقید وتبصرہ سے بالاتر نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس علمی سرمایے کا تنقیدی جائزہ لینا، اس کی ناپسندیدگی کو مستلزم نہیں۔ اس ضمن میں کسی بھی طرح کی مہذب اور متوازن رائے، تبصرہ یا تنقید کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

———— ○ ————

زیرِ نظر شمارے کے مندرجات ومشمولات سے متعلق اربابِ فکر ودانش، اہلِ نقد ونظر اور اصحابِ قرطاس وقلم کے قیمتی تاثرات اور تجاویز کا انتظار رہے گا۔

———————— ڈاکٹر شکیل شفائی (مدیر مسئول)
E-mail : hamdonaatjk@gmail.com
Cell / WhatsApp No : (Journal) : 9906662404

***

اعتذار

’جہانِ حمد ونعت‘ کا یہ (چوتھا) شمارہ بعض ایسی وجوہات سے، جن پر کسی بشر کا اختیار نہیں، تاخیر در تاخیر کا شکار ہوتا گیا؛ یہاں تک کہ سال ۲۰۲۲ء کا شمارہ وقت پر شائع نہ ہوسکا۔ الحمدللہ اب یہ شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ان شاءاللہ شمارہ نمبر ۵ بھی جلد ہی شائع ہوگا۔ (مدیر)

الطاف حسین حالیؔ مرحوم

حمدِ ربِّ کائنات جلّ جلالہٗ

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی ، پر دل بندھے ہوئے ہیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

اُن کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کے جلال تیرا

دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری ، جاں ہے سو مال تیرا

بیگانگی میں حالیؔ یہ رنگ آشنائی
سن سن کے سر دُھنیں گے قال اہلِ حال تیرا

سید سلیمان ندوی مرحوم

مناجات بہ بارگاہِ قاضی الحاجات جل جلالہٗ

صدق احساس کی دولت مرے مولا ! دے دے
غمِ امروز بھلا دے ، غمِ فردا دے دے

دُھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی !
دلِ دیوانہ و سودائی و شیدا دے دے

اپنے میخانے سے اور دستِ کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دے دے

کھول دے میرے لیے علم حقیقت کے در
دلِ دانا ، دلِ بینا ، دلِ شنوا دے دے

قول میں رنگِ عمل بھر کے بنا دے رنگیں
لب خاموش بنا کر دلِ گویا دے دے

دلِ بے تاب ملے ، دیدہ پر آب ملے
تپ آتش مجھے دے دے ، نم دریا دے دے

دردِ دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے ، مجھے وہ درد خدایا دے دے

احسان دانش مرحوم (اپریل1976ء)

آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو!
(نعتِ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

افضل ہے مرسلوں میں رسالت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی
اکمل ہے انبیاء میں نبوت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

ہے ذرّہ ذرّہ ان کی تجلّی کا اِک سراغ
آتی ہے پھول پھول سے نکہت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

پہچان لیں گے آپ وہؐ اپنوں کو حشر میں
غافل نہیں ہے چشمِ عنایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

آتے رہے تھے راہ نمائی کو انبیاء
جاری رہے گی رشد و ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

آنکھیں نہ ہوں تو خاک نظر آئے آفتاب
صدیقؓ جانتے ہیں صداقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

کھولے ہیں مشکلاتِ جہاں نے کئی محاذ
کام آئی ہر قدم پہ حمایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

میری نظر میں مرشد کامل ہے وہ بشر
تفویض کر سکے جو محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

جو ہو گئے ہیں آپ ﷺ کے ، آپؐ ان کے ہو گئے
عادت نہیں ہے ترکِ مروّت حضور ﷺ کی

انجم مثال نقشِ قدم جا بجا ملے
لے کر کہاں چلی ہے محبت حضور ﷺ کی

میں ہوں زبانِ ماہ و ثریا سے آشنا
ہے کائناتِ دہر حکایت حضور ﷺ کی

آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو
ہے آئنہ کی طرح طبیعت حضور ﷺ کی

آنکھوں کو اپنی چڑھتا رکھ ، رکھ کے آئینہ
ہوتی اگر نصیب زیارت حضور ﷺ کی

چشمِ طلب میں کس کا اجالا؟ حضور ﷺ کا
دنیائے دل میں کس کی حکومت؟ حضور ﷺ کی

انسانیت کو ماننے والوں کے واسطے
آئین دے گئی ہے فراست حضور ﷺ کی

گزری ہے مفلسی میں بڑی آبرو کے ساتھ
اللہ کا کرم ہے عنایت حضور ﷺ کی

منزل کی جستجو ہے تو ان کی طرف چلو
جن کو ہوئی نصیب اطاعت حضور ﷺ کی

دانشؔ میں خوف مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز
میں جانتا ہوں موت ہے سنت حضور ﷺ کی

باب

تفکّرات

جہانِ حمد و نعت

اِکتشافِ فکر ، اِقتضائے فن

[حمد و نعت نگاری کے فن اور آداب و اسالیب پر مضامین]

قرآن میں حمد باری تعالیٰ کے نقوش
علی محمد عاجز

حمدیہ شاعری کے رموز ونکات
علیم صبا نویدی

حمد، شکر اور مناجات کے معنوی ابعاد
مرتب :عبداللہ رحمانی

نعت گوئی کے آداب اور حدودِ شرعیہ
منظور عباسی

نعت نگاری کے تقاضے: اہم شخصیات کی نظر میں
ڈاکٹر نثار احمد نثار

بارگاہِ رسالتؐ میں نذرانہ نعت کے آداب
پروفیسر مسعود اختر ہزاروی

نعتِ نبویؐ میں توحید ورسالت کا فرق
ڈاکٹر شعیب نگرامی

حمد ومناجات پر مواد کی کمیابی
ابوالبیان

علی محمد عاجزؔ
ماگام، بڈگام(کشمیر)

قرآن میں حمد باری تعالیٰ کے نقوش

تمام تر حمد وثناء کا سزاوار خالق کائنات اور مالکِ ذرہ ذرات ربِّ ذوالجلال ہے۔ وہ جو اپنی تعریف آپ ہے؛ جس کی بے شمار نعمتوں اور رحمتوں کا کماحقہٗ شکر کرنا اوران کا تحدیثِ نعمت کے طور پر ذکر کرنا بندوں کے بس کی بات نہیں؛ تاہم ہر مسلمان کو اپنے علم وایمان اور اللہ کی پہچان کی روشنی میں جتنا ممکن ہوسکے، اتنا حمد وثناء بیان کرنا چاہیے۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ جب تک کسی ذات یا کسی شئے کی کُنہ اور حقیقت کا علم نہ ہو، تب تک اس کی کیا تعریف اور توصیف کی جاسکتی ہے۔ بغیر تعارف کے تعریفیں ناممکن ہیں۔ علم وادب اور سائنسی علوم میں تحقیق وتفتیش کے بعد ہی کسی دریافت، ایجاد اور موجد کے بارے میں واقفیت حاصل کی جاتی ہے، لیکن اللہ کے بارے میں اس قاعدہ کلیہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کی پوری کائنات اپنی تمام تر موجودات اور وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے بلکہ ہم کو پوری طرح سے گھیرے ہوئے ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا: تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ(تم اللہ پر نہیں، اللہ کی مخلوقات کے بارے میں غور وفکر کرتے رہو، تو تم اللہ کے پاس پہنچ جاؤ گے)۔ کائنات کے پردے پر جو قدیم و جدید اشیاء اللہ نے پیدا کی ہیں ،سب کی سب اللہ کا پتہ بتاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ بھی بتادیا کہ شیطان تمہیں دنیا کی زیب وزینت میں گم کرنا چاہتا ہے، تاکہ تمہیں غور وخوض کرنے کی فرصت نہ ملے۔ وہ تمہارے ذہن میں خلل ڈالتا ہے کہ یہ چیز وہ چیز کس نے پیدا کی؛ یہاں تک کہ تمہارے رب کے بارے میں تم سے پوچھنے لگتا ہے کہ من خلق ربك فاذا بلغه فليستعذ بالله ولينته (تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا، جب وہ

یہاں تک پہنچے تو تم اللہ کی پناہ میں آجاؤ اور اس مردود کے وسوسوں سے دور رہو: متفق علیہ) یہ سوالات شیطان صفت دہریے اور ملحدین ولادین پوچھتے رہتے ہیں۔ایسے ہی ایک دہریہ نے امام ابوحنیفہؒ سے مجمع عام میں سوال کیا: ای شیئ کان قبل ربك؟ تمہارے رب سے پہلے کیا تھا تو حاضر جواب امام نے فرمایا: عد من العشر عداً تنازلیا: دس سے الٹی گنتی شروع کرو تو وہ کافر کہنے لگا: عشرۃ، تسعۃ، ثمانیۃ، سبعۃ، ستۃ، خمسۃ، اربعۃ، ثلاثۃ، اثنان، واحد۔دس نو آٹھ سات چھ پانچ چار تین دو ایک۔ ثم سکت: پھر وہ کافر چپ ہوا۔امامؒ نے پوچھا لم وقفت علی الواحد؟ تو ایک پر کیوں ٹھہرا: فاجاب لا شیئ قبل الواحد۔ پس اس نے جواب دیا کہ ایک سے پہلے کچھ نہیں۔ فقال ایھا الناس اشھدوا ان اللہ واحد ولیس قبلہ شیئ۔ پس امامؒ نے پکارا کہ اے لوگو! گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اور اس سے پہلے کچھ نہیں۔اس طرح امام صاحبؒ نے اس مناظرے میں ملحدین کو اللہ کے ایک کے بارے میں عقلی دلیل پیش کی۔کہ سب سے پہلے بھی اللہ ہی تھا اور سب سے آخر میں بھی اللہ ہی ہے۔حضور ﷺ اللہ کی یوں تعریف فرماتے: اللھم انت الاول فلیس قبلك شیئ وانت الأخر فلیس بعدك شیئ وانت الظاھر فلیس فوقك شیئ وانت الباطن فلیس دونك شیئ لا الٰہ الا انت۔

اصناف سخن میں اگرچہ حمد وثناء کو اوّلیت حاصل ہونی چاہیے، لیکن جو لوگ اسے اعتقادی معاملہ کہہ کر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو دہریے ہیں یا کافر وملحد ہیں، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں۔ یہ محض اتفاقیہ اور حادثاتی ہے۔ایک مشہور مقولہ ہے کہ آنکھوں سے دور دل سے دور۔لیکن اللہ اور رسول ﷺ کے بارے میں یہ مقولہ معکوس ہو جاتا ہے کہ دل میں سمائے تو آنکھوں میں آئے۔اسی کے نتیجے میں اہل ایمان کا علم الیقین عین الیقین میں بدل جاتا ہے اور وہ احسان کے درجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ کائنات اللہ کی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے جو رات دن چوبیس گھنٹے برابر کھلی رہتی ہے اور تمام ناظرین ومحققین کو دعوت فکر ونظر دیتی ہے۔ہر صبح اس کتاب

کا ایک نیا ورق کھل جاتا ہے اور اس کے صناع کی کاری گری اور مصوری کا ایک نیا باب بے حجاب ہوجاتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کل یوم ھو فی شان کا یہی مفہوم ہے۔ ہر چیز اس کی تسبیح وتحمید کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے (سورہ اسراء) ہاں یہ سچ ہے کہ اللہ کی حمد وشکر کے سب سے زیادہ حقدار اشرف المخلوق بنی آدم کی اکثریت اللہ کی نافرمان و ناشکر گزار ہے۔ ولقد اضل منکم جبلاً کثیراً افلم تکونوا تعقلون۔ کیا المیہ ہے! جب کہ اس کے لیے اللہ کی طرف سے مسخر کردہ کائنات کی مخلوق مسلسل اللہ کی یاد کرتی ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ عقیدہ درست ہوجائے تو پورا دین درست ہوجاتا ہے اور اگر عقیدہ میں فساد اور بگاڑ ہو تو دین جاتا رہتا ہے اور دنیا کا میلان بڑھ کر دل بت خانہ بن جاتا ہے۔ آیئے ہم قرآن مجید کی روشنی میں اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہیں اور اس کی حمد وثناء کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔

قرآن کی اوّلین سورہ: سورۃ الفاتحہ کی اولین آیت میں فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، جو خالق و مالک، حافظ ورازق اور حاکم ومدبر ہے، جو سب سے بڑھ کر مہربان اور شفیق ہے اور روزِ جزا کا مالک ومنصف ہے۔ یہ منفرد صفات کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ رب ذوالجلال کا اس سے زیادہ جامع تعارف اور کیا ہوسکتا ہے۔ مسلمانوں کا ہر پروگرام اللہ کی تعریف کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اسی کی تعریف کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت بھی مشاہدے میں آتی ہے کہ شخصیت پرستی کے قائل مریدین، معتقدین اور سالکین پروگرام کے بیچ میں موقعہ پاکر اپنے مکتبی پیشواؤں، علماء ومشائخین کی تعریفوں کے پل باندھتے رہتے ہیں اور اس خیانت کاری پر ان کے آشیرباد حاصل کرتے ہیں اور یوں حضرت اور اعلیٰ حضرت میں من تراحاجی بگویم تو مراحاجی بگو کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ہے کہ جب اللہ نے فرشتوں کو انسان کی خلافتِ ارضی کے بارے میں بتایا تو انہوں نے اس پر سوال اٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ کہیں وہ بھی جنات کی طرح زمین میں فتنہ وفساد نہ پھیلائے اور خون خرابہ کرلے جب کہ ہم تمہاری تسبیح وتحمید اور تقدیس میں برابر محو ہیں تو اللہ نے فرمایا

کہ یقیناً میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین میں آدمؑ سے پہلے جنات بستے تھے۔ انہوں نے فساد کیا، تباہی مچائی اور قتل و غارت گری پھیلائی۔ اسی لیے انہوں نے اللہ کے حضور اس خدشہ کا اظہار کیا تھا، جسے اللہ نے مسترد کیا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ؎

قصور وار غریب الدّیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
(اقبالؒ)

(۳) آل عمران میں ہے کہ ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے بری نہ سمجھو۔ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آیت:۱۸۸) جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریفیں کی جائیں، ان کے لیے تو درناک عذاب ہے۔ مراد ہے کہ یہ لوگ اپنی جھوٹی تعریفیں اور خوشامدی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اللہ کے بجائے اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے اپنے منہ میاں مٹھو بن جاتے ہیں۔ اتفاقاً اگر ان کی دعا سے کسی کی بگڑی بنتی ہے، کسی کی اولاد ہوتی ہے، کسی کی مصیبت ٹل جاتی ہے، تو یہ خدا کو بھول کر خود خدا بن جاتے ہیں، (جبکہ حقیقت یہ ہے کہ) بندوں کے سارے امور اللہ انجام دیتا ہے ؎

خدا ہم کو ایسی خدائی نہ دے
کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے

(۴) ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیاں اور روشنی بنائی، پھر بھی کفار دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر بناتے ہیں (الانعام:۱) آسمانوں اور زمین کی پہلی اور آخری پیدائش کرنا اور نور وظلمات کو عالم وجود میں لے آنا کوئی آسان کام نہیں۔ آسمان کو دیکھئے نظریں پلٹ جاتی ہیں، زمین کو چاروں طرف دیکھیں تو آنکھیں تھک جاتی ہیں، اللہ کی پیدا کردہ روزمرہ روشنی کو دیکھئے نگاہیں خیرہ ہوجاتی ہیں اور راتوں کی تاریکیاں بصارت اچک لے جاتی ہیں۔ اللہ کی تجلی کو دیکھنے کی تاب کسی بشر میں نہیں۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار۔ پھر بھی یہ ضدی اور ہٹ دھرم کفار حقائق سے آنکھیں موند

کر شیاطین جن وانس کو اور شجر وحجر کو اور شمس وقمر کو اور دیگر مافوق البشر مخلوق کو پوجتے ہیں اور انہیں رب کا ہمسر بناتے ہیں۔ رہبر نما رہزن جب اپنے پیرو کاروں کا مذاق اڑاتے ہیں اور دن کو رات کہتے ہیں تو اندھی تقلید کرنے والے مرید بن دیکھے چلّاتے ہیں کہ ہاں وہ دیکھو آسمان پر تارے چمک رہے ہیں اور اُلّو بول رہا ہے ؎

آقا پر شک اور غلاموں پر یقین
بلِ الظالمون فی ضلال مبین

(۵) سورہ اعراف میں فرمایا کہ اہل ایمان جب جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی ھدٰنا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا، ہماری کبھی یہاں رسائی نہ ہوتی اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے بندے دنیا میں اللہ کی ہر نعمت پر اس کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، اس لیے آخرت میں بھی جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہو کر اللہ کا شکر کر رہے ہوں گے اور عاجزی کا اظہار کر رہے ہوں گے کہ اس مقام تک پہنچنا ہمارے بس کی بات نہ تھی، بلکہ یہ اللہ کا فضل وکرم ہے۔ ذالك فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔ جب کہ کفار دنیا میں بھی ناشکری کرتے تھے اور آخرت میں بھی اپنے کرتوتوں پر افسوس کریں گے۔

(٦) سورہ یونس میں فرمایا کہ جنگ میں پہنچ کر جنتی لوگ پکاریں گے: 'اے اللہ! تیری ذات ہر شریک اور عیب سے پاک ہے، وہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دیں گے اور ان کی آخری بات اللہ کی حمد وثنا ہوگی'۔ واٰخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔ دنیا میں بھی اللہ کے نیک بندوں کے یہی خصائل ہیں، جن کی بدولت ان کی الگ عزّ وشان ہوتی ہے۔ حمد وثنا میں باقیات الصالحات کے کلمات انہیں ورد زبان ہوتے ہیں اور وہ ذکر الٰہی میں مصروف نظر آتے ہیں ؎

تفکر میں ڈوبے ہیں اللہ کے بندے
تصور میں کس کے یہ کھوئے ہیں

(۷) قرآن میں کہیں غنیٌّ حمیدٌ کہیں حمیدٌ مجیدٌ کہیں عزیزٌ حمیدٌ اور کہیں حکیمٌ حمیدٌ فرما کر بندوں پر واضح کیا گیا کہ اللہ ہر طرح سے مستغنی اور بے نیاز ہے؛ وہ کسی بھی کام کے لیے بندوں کا محتاج اور مجبور نہیں ہے؛ وہ سب سے زیادہ عظمت والا عزت والا اور حکمت والا ہے؛ وہ لوگوں کی تعریفوں سے بالاتر ہے؛ وہ تو تعریف کیا گیا ہے۔ کیڑوں، مکوڑوں، پروانوں اور پرندوں کو غور سے دیکھو، کس طرح تمہارے آس پاس میں گنگناتے، بھنبھناتے اور چہچہاتے سنائی دیتے ہیں اور اللہ کی یاد کرتے ہیں۔

(۸) سیدنا ابراہیمؑ اولاد کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور تاخیر اولاد کی مشیتِ ایزدی پر راضی رہتے ہوئے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ بڑھاپے میں اللہ نے پہلے اسمٰعیلؑ اور پھر اسحٰقؑ عطا کئے تو اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا: الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ان ربی لسمیع الدعاء۔ اس دعا میں ان جلد باز لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو حصول اولاد کے لیے پیروں، فقیروں، صوفیوں، درویشوں، بتوں اور تربتوں کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ قبروں پر جالیوں میں دھاگے باندھتے ہیں اور بہت سارے غلط کام کرتے ہیں۔ دیگر امور کی طرح یہ کام بھی اللہ کے اختیار میں ہے: یھب لمن یشاء انثاً و یھب لمن یشاء الذکور۔ او یزوجھم ذکراناً و انثاً و یجعل من یشاء عقیما انہٗ علیمٌ قدیر (شوریٰ) لیکن جعلساز اور مکار لوگ جھاڑ پھونک اور تعویذات کے بہانے ان امور کو اپنے کھاتے میں ڈال کر لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں پھر ان سے موٹی موٹی رقمیں اور میٹھی میٹھی دعوتیں وصول کرکے بھی ان کے سروں پر سوار رہتے ہیں۔ اس طرح کتاب وسنت سے بے خبر لوگ راشی اور مرتشی بن کر اس تاوان کے لین دین پر فخر محسوس کرتے ہیں ؎

نہ حاکم کے در سے ملا نہ فقیر کی نظر سے ملا
جو کچھ ملا تو اللہ سے دعا کے اثر سے ملا

(۹) سورۃ الحجر میں فرمایا: فسبح بحمد ربك و کن من السّٰجدین۔ پس تم اپنے

رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہوجاؤ۔ رب کی یاد کرنے کا اعلیٰ طریقہ نماز کی ادائیگی ہے جس میں اللہ کی تعریف وتوصیف اور تسبیح وتکبیر کے ساتھ قیام ورکوع اور سجود کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ رب سے ملاقات اور مناجات کا خاص ذریعہ ہے جس میں آنکھوں کو ٹھنڈک اور روح کو طراوت ملتی ہے اور اللہ کی قربت نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) سورہ نحل میں اللہ مثال دے کر سمجھاتا ہے کہ ایک شخص کی ملکیت میں ایک غلام ہے جس کے پاس کچھ نہیں جسے اپنے مالک کی طرف سے کسی بات کا کوئی اختیار نہیں ہے اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں جب کہ ایک اللہ کا بندہ ہے جسے اللہ نے بہتر رزق دیا ہے اور وہ اس میں سے کھلے چھپے خرچ کرتا رہتا ہے وہ نسبتاً آزاد ہے تو کیا یہ دونوں بندے برابر ہیں؟ نہیں تو الحمد للہ بل اکثرھم لا یعلمون۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ مثال قابل فہم ہے لیکن اکثر لوگ اس مثال کی کتاب سے غافل اور بے علم ہیں۔ کفار ومشرکین کے لیے یہ مثال برمحل تھی جن کے گھروں میں زرخرید غلام ہوتے تھے اور وہ بڑی عُسرت ومصیبت کی زندگی گذارتے تھے۔ ان کے مالک ان پر ظلم وزیادتی کرتے اور ان کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے کوئی ان کو پوچھنے والا نہ تھا اللہ نے ان کو غلامی سے نجات دی۔

(۱۱) و یسبح الرعد بحمدہٖ والملئکۃ من خیفتہٖ (رعد) گرج کے ساتھ فرشتے بھی اللہ کے خوف سے اس کی تسبیح اور تحمید بیان کرتے ہیں۔ بادلوں کو چلانے والے فرشتے کو بھی رعد کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہر شئے اللہ کے حکم کے تابع ہے اور اللہ کی حمد وثنا میں مشغول ہے چاہے بادل ہوں گرج چمک ہو یا بارش کے قطرے ہوں۔ زمین کے پیڑ پودے نباتات و جمادات سب اس کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں ۔

(۱۲) سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہٗ شریکٌ فی الملك ولم یکن لہ ولی من الزل و کبرہ تکبیراً۔ تم کہہ دو کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک رکھتا

ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایتی کی ضرورت ہو اور تم اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتے رہو۔ اس آیت میں اللہ کی وحدانیت اور بلا شرکت غیرے اس کی طاقتور حکومت و بادشاہت کا بینا ہوا ہے جو ہر طرح کی کمزوری سے پاک ہے اور وہ کسی مددگار کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ اس لیے وہی اللہ تمام تعریفوں کا سزاوار ہے جو کسی کو ملک کا قتدار دیتا ہے کسی سے چھین لیتا ہے کسی کو عزت عطا کرتا ہے اور کسی کو ذلت ورسوائی دیتا ہے۔ اُس کا نظام ازل سے ابدتک قائم ودائم ہے دنیا کے حکمرانوں کی حکومتیں عارضی نوعیت کی ہوتی ہیں جو عروج وزوال اور اتار چڑھاؤ سے ہمکنار رہتی رہتی ہیں لیکن اللہ کی بادشاہت لازوال اور دائمی ہے اس لیے تم اسی کی بزرگی اور کبریائی کا بیان کرتے رہو جو سنتا اور دیکھتا ہے۔

(۱۳) الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل لہٗ عوجاً (کہف)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ قرآن مجید معجزات انبیاءؑ میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے جس کی بدولت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امید ظاہر فرمائی کہ میری امت سب سے زیادہ ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ جنتیوں کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسّی صفیں میری امت کی اور باقی چالیس دوسری امتوں کی ہوں گی۔ قرآن مجید نے صرف دو دہائیوں کی مختصر مدت میں پوری دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اللہ کے نور سے کفر و شرک اور ظلم وجہالت کو کافور کردیا۔ یہ ہر لحاص سے مکمل آئین وقانون حیات ہے جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور جس میں کسی طرح کی کوئی کمی کجی یا عیب نہیں ہے یہ پاک پروردگار کا پاک کلام ہے جو راہنما اور تعریفوں کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

(۱۴) سورہ مومن میں فرمایا: فاذا استویت انت ومن معك علیٰ الفلك فقل الحمد للہ الذی نجنا من القوم الظلمین۔ پس جب تو اور تمہارے ساتھی اطمینان سے کشتی پر بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہی ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دیدی۔ مراد یہ ہے کہ اہل ایمان خوشی یا غم دونوں صورتوں میں اپنے آقا کی یاد سے غافل نہ رہیں

نہ خوشی پر فخر کریں نہ غم سے مغلوب ہوجائیں مصائب میں گھر جاتے ہوئے بھی اسی کو پکاریں اور نجات پانے کے بعد بھی اسی کی حمد وستائش کرتے رہیں۔ زبان پر ہمیشہ الحمد للہ علی کل حال جاری رہے ہر حال کو غنیمت سمجھے۔

(۱۵) ولقد اٰتینا داؤد و سلیمٰن علماً وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین (نحل) اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا اور دونوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ دونوں باپ بیٹے اللہ کے نبی تھے اور بادشاہ نبی تھے جن کو اللہ نے حقیقت کا علم دے رکھا تھا کہ ان کے پاس جو نبوت، بادشاہت، دولت اور طاقت ہے یہ سب عارضی ہے اللہ کا عطیہ اور امانت ہے۔ اللہ کے دوسرے مومن بندے بھی ایسے موجود تھے جن کو یہ خلافت عطا کی جاسکتی تھی لیکن اللہ نے ہمیں ان پر فضیلت بخشی ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ کے انعامات و احسانات پر غور وخوض کر کے اس کے فضل واحسان پر شکر کرنا چاہیے نہ کہ مال و دولت یا حکومت و اقتدار کے نشے میں آکر قارون وفرعون کا روپ دھار لینا چاہیے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بے نیازی پر ہمیشہ نظر رہنی چاہیے ؎

خدا کے نیک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنیٰ
(اقبالؒ)

(۱۶) وقل الحمد للہ سیریکم اٰیٰتہٖ فتعرفونہا وما ربُّكَ بغافل عما تعملون (نحل) اور کہہ دو کہ تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہیں وہ تمہیں عنقریب نشانیاں دکھائے گا جن کو تم پہچان لوگے اور جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا رب اس سے غافل نہیں ہے۔ سورہ نمل کی یہ آخری آیت عام ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے وہ بہت جلد تمہیں اپنے نفس میں بھی اور بہار دنیا کے قفس میں بھی ایسی نشانیاں، عجائبات اور معجزات دکھائے گا جنہیں پہچان کر تم اپنے رب کو پہچان

لوگے۔ زندگی بھر ہم ایسے حالات وواقعات سے دوچار ہوتے ہیں جیسے کہ ہم کہتے ہیں میں بال بال بچ گیا۔ یا میرا نصیب جاگ اٹھا یا میرا دشمن نیست ونابود ہوا یا برسوں بعد مجھے بچہ ملا یا نوکری ملی۔ یہ مقدر کی ساری چیزیں اللہ کو پہچاننے میں مدد دیتی ہیں وھو معکم این ما کنتم۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو اور فرمایا کہ تمہارا رب ان کھلے چھپے کاموں سے واقف ہے جو تم کرتے ہو۔ خلوت میں بھی تم تنہا نہیں ہوتے ہو، اللہ کو حاضر وناظر سمجھو، مصیبت میں تم اللہ کو اپنے قریب جان لو اور صبر کرتے رہو۔ صبر کرنا بھی اللہ کی حمد میں سے ہے۔

(۱۷) وله الحمد فی السمٰوات والارض و عشیاً و حین تظهرون (روم)

آسمانوں اور زمین میں نوریوں اور خاکیوں میں اُسی کی حمد وثنا جاری ہے اور تم شب وروز اسی کی تسبیح کرتے رہو۔ اللہ کی تعریفیں پاکی اور بزرگی ساری کائنات میں بیان ہو رہی ہیں۔ اس لیے تم بھی مخلوق کی تسبیح کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ دنیا کے بادشاہوں، حاکموں، عہدہ داروں کی سچی جھوٹی تعریفیں ان کے درباروں اور دفتروں میں محدود مدت کے ہوتی ہیں جو ان کے ماتحت عملے اور نیازمندوں کے ہونٹوں پر سنائی دیتی ہیں جب کہ حاکموں کا حاکم رب العالمین سب سے زیادہ تعریفوں کا اصل حقدار ہے جو حیّ وقیوم ہے۔

(۱۸) ولئن سألتهم من خلق السمٰوات والارض لیقولن الله قل الحمد لله بل اکثرهم لا یعلمون (لقمٰن) اگر تم ان سے پوچھوگے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ۔ تو کہہ دو کہ تمام حمد اللہ کے لیے ہیں۔ شکر ہے کہ انہوں نے تمہارے سوال کا صحیح جواب دیا۔ تو پھر یہ لوگ اس بات سے لاعلم کیوں ہیں کہ جو خالق ٹھہرا وہی مالک ومختار بھی ہے روزی رساں اور فرمانروا بھی ہے۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا بھی ہے وہی کافی اور شافی ہے۔ جب کہ باقی سب خود اسی کے محتاج اور غلام ہیں انہیں کیا دے سکتے ہیں الحمد لله الذی له ما فی السمٰوات وما فی الارض وله الحمد فی الاٰخرة وهو الحکیم الخبیر (سبا) تمام تعریفیں اس اللہ کے ہیں جس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی

تمام موجودات ہیں آخرت میں بھی اسی کی حمد ہے اور وہ حکیم وخبیر ہے۔ دنیا میں بھی آسمانوں اور زمین کی مخلوق کا وہ اکیلا مالک ہے اور آخرت میں بھی اسی کے لیے تمام احکام اور تعریفیں ہیں۔ سورہ فاطر میں فرمایا کہ اس نے دو دو، تین تین، چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا قاصد بنایا وہ اپنی تخلیق میں چاہے تو اضافہ بھی کرتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبرئیلؑ کو اپنی اصل صورت میں دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔ فرشتوں کا یہ سردار سب سے زیادہ تیز رفتار ٹھہرا کیونکہ وہ وحی لاتا تھا انسان کی حفاظت امداد اور ہدایت کے لیے اللہ کے فرشتے جو دن رات کام پر مامور ہیں اور انسان کی اُنسیت وضرورت کے لیے جو ہزاروں عالم وجود میں لائے گئے ہیں سب اللہ نے انسان کے لیے پیدا کئے ہیں۔ کیا پھر بھی وہ اللہ کا ناشکرا اور نافرمان ہی رہے گا اور فرائض کو بھول کر حقوق مانگتا رہے گا ؎

نہ تو زمین کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

(۱۹) سورہ زمر میں فرمایا: ضرب اللہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشکسون و رجلاً سلماً لرجل ھل یستوین مثلاً الحمد للہ بل اکثرھم لا یعملون۔ اللہ تمہیں مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص وہ ہے جس کے شریک بہت سے آقا ہیں جو آپس میں ضدی ہیں اور دوسرا وہ شخص ہے جو پورے کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے کیا دونوں کی مثال برابر ہے؟ ہرگز نہیں ظاہر بات ہے کہ دونوں نوکر برابر نہیں ہوسکتے۔ یہ مشرک اور مومن کی مثال ہے دنیا کے مشرک لوگ سینکڑوں فرضی خداؤں کے غلام ہیں وہ ہر ایک آقا کو اپنی عبادت اور خدمت سے خوش نہیں رکھ سکتے۔ ان کے آقا ظالم اور ضدی ہیں جو اس مشترکہ غلام کا استحصال کرتے ہیں اس پر جبر وتشدد کرتے ہیں اور اسے ہر کوئی اپنی اپنی پٹی پڑھاتا ہے جب کہ ایمان لانے والے بس ایک ہی معبود حقیقی کے غلام ہوتے ہیں جو پیدائشی طور بالکل آزاد ہوتے ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ جنت کے عوض اپنی جان و مال کا سودا کرتے ہیں اور پھر وہ غیروں کے

ہاتھوں نہ بک جاتے ہیں نہ ہی غیر اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ یہ مثال زود فہم ہے لیکن اس کتاب ہدایت سے غافل لوگ اس کی نصیحت سے غافل ہی رہتے ہیں حشر میں یہ پچھتائیں گے کہ ہم اس کتاب زندگی سے بے خبر رہے ؎

من فدائے آنکہ درویشانہ زیست
وای آں کو از خدا بیگانہ زیست

(۲۰) لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاٰخر ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید (ممتحنہ) بے شک تمہارے لیے ان لوگوں میں ایک اچھا نمونہ ہے جو اللہ کی ملاقات اور آخرت کے دن کی اُمید رکھتے ہوں اور جو شخص منہ پھیر لے گا تو اللہ بے نیاز ہے اور خوب سراہا گیا ہے۔ ان لوگوں سے مراد اس سورت میں ابراہیمؑ اور اس کے ساتھی انبیائے کرامؑ ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے بارے میں بھی فرمایا گیا ہے کہ اس میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ اور ابراہیمؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدامجد ہیں سارے مسلمان اسی کی ملت پر قائم ہیں لیکن جو دنیا پرست لوگ ان کی حیات طیبہ سے منہ موڑ لیں۔ ظاہر ہے کہ وہ جھوٹے اور کذاب ہوں گے۔ راشی اور حرام خور ہوں گے تارک صلوٰۃ اور منکر زکوٰۃ ہوں گے فاسق فاجر اور بدکار ہوں گے جن کو نہ اللہ سے ملنے کی توقع ہوگی نہ قیامت کے دن پر ایمان ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے تو اللہ کو بھی ایسے لوگوں کی کوئی پروا نہیں وہ ان سے بے فکر اور بے نیاز ہے اسے ان کی تعریفوں کی ضرورت نہیں وہ کیا تعریفیں کر سکتے ہیں جن پر شیطان نے غلبہ کیا ہو۔ جب کہ اللہ خوب تعریف کیا گیا ہے اور کیا جاتا رہے گا ؎

سب حمد ہیں تیرے لیے اے سب جہانوں کے خدا
لاریب ہے تو مہربان سب مہربانوں سے سوا

***

علیم صبا نویدی

ٹرپلی کین ہائی روڈ، چینئی --- 600005

حمدیہ شاعری کے رموز و نکات

زبان سے جب ہم الحمدللہ کہتے ہیں تو ساری تعریفیں ذات وحدۂ لاشریک کے لیے مختص ہوجاتی ہیں۔ شرعی طور پر جب ہم حمد لفظ کا تصور کرتے ہیں تو خالق کائنات کی مدح وثنا کے آثار ذہن ودل میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ لفظ حمد سے حماد، حامد، محمود، محامد، حمیدہ جیسے اسم صفات بنے ہیں جن سے لفظ کے بنیادی مآخذ کا پتہ چلتا ہے۔ یوں تو شجر حجر، چرند پرند، سبھی مالک حقیقی کی شان امتیازی کے قصیدے صبح تا شام پڑھتے ہوئے مصروف عبادت رہتے ہیں لیکن اشرف المخلوقات انسان کے ذکر الٰہی کی اہمیت ہی کچھ اور ہے۔ اردو شعر وادب میں حمد سے مراد خدا کی ثنا سے ہے۔ یعنی اس کی عظمت، شان اور شوکت جاہ وجلال بیان کرنے کے لیے جس صنف کا ہم سہارا لیتے ہیں، وہ حمد ہے۔ عام طور پر لوگ حمد اور مناجات میں فرق نہیں کر پاتے۔ دونوں کی حدود الگ الگ ہیں۔ حمد ایک طرف جہاں خدا کی تعریف کے لیے مخصوص صنف ہے، وہیں مناجات دعا رنگ التجا کا نام ہے۔ حمد کی صفت محمد ہے یعنی جس کی تعریف کی جائے۔ کچھ اسی رعایت لفظی کا فائدہ اٹھا کر نعت میں بھی حمد کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے جو شرعاً غلط ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کی معنوی تفہیم ہمارے ذہن میں موجود ہے تو اس نوع کی مبالغہ آمیزی چہ معنی دارد؟ میں نے اکثر وبیشتر مشاہدے میں پایا ہے کہ حمدیہ شاعری میں نعت رنگ مضامین اور نعتیہ شاعری میں حمدیہ اشعار بھی پیش کر دئے جاتے ہیں جو کسی طرح قابلِ قبول نہیں کہا جا سکتا۔ مثال کے طور پر پاکستان کے محمد فیروز شاہ کی چھ اشعار پر مشتمل یہ نعت دامن دل کو کھینچتی ضرور ہے لیکن پانچویں شعر میں نفس مضمون نعت سے تعلق رکھتا ہے اور خوب رکھتا ہے۔ مطلع کے ساتھ زیر بحث شعر بھی پیش کر رہا ہوں۔

وہ خود جمیل بھی ہے اور رب ذوالجلال ہے
یہ حسن کائنات اس کا پرتو جمال ہے
ہمیں بھی اپنے آخری نبیؐ کا امتی بنا
تمام انبیاء کا اس سے بس یہی سوال ہے

حالانکہ یہ دعائیہ شعر ہے جو مناجات کا حصہ ہے لیکن شاعر نے اپنی شرعی حدود بھی پار کر لی ہے۔اس طرح کا مسلکی رویہ حمد یہ شاعری میں عام ہے۔وحدہٗ لاشریک کی صفات ظاہری و باطنی پر نگاہ شاعر (بہ چشم قلب) پڑی تو اسرار و رموز کے کئی در کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔حضرت علقمہ شبلی منارۂ نورادب تھے۔ان کے حمد یہ رنگ اشعار پیش کر کے مجھے قلبی سکون مل رہا ہے اس لیے کہ اس میں مسلسل حمد کی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔اس میں نو شعر ہیں اور ہر ایک شعر دوسر کے صوتی اور معنوی آہنگ سے متعلق ہے۔(۱) متاع فکر و نظر لا الٰہ الا اللہ/ نمود نور سحر لا الٰہ الا اللہ (۲) دوائے درد جگر لا الٰہ الا اللہ/ سکون دیدہ تر لا الٰہ الا اللہ (۳) معاف زیست میں ہر گام پر بہ فیض عشق/ نشان فتح و ظفر لا الٰہ الا اللہ (۴) ملے گی منزل مقصود ہے یقینی اس کا/ جہان دل کا ہے در لا الٰہ الا اللہ (۵) خموش قفل و دہن نہیں ہے، کچھ پروا/ رہے زبان پر اگر لا الٰہ الا اللہ (۶) جہاد زیست کے ہر مرحلے میں ہے موجود/ ہمارا زاد سفر لا الٰہ الا اللہ (۷) بنے گی گم رہی زنجیر پا مری کیوں کر/ ہے مری رہ کا خضر لا الٰہ الا اللہ (۸) نظر نظر میں رمق نور کی اسی سے ہے/ سرور قلب بشر لا الٰہ الا اللہ (۹) مجھے ڈرائے نہ دوزخ کی آگ سے کوئی/ بجھائے نارِ سقر لا الٰہ الا اللہ۔

میں نے اپنے مضمون میں اس حمد کو خصوصی مطالعے کا موضوع اس لیے بنایا ہے کہ اس کی ردیف ''لاشریک'' پوری حمد کو اپنی گرفت میں لے کر آگے بڑھتی ہے۔اس میں حمد کی عظمت بلاشرکت غیرے موجود ہے۔اس میں عکس موجود اور لاموجود دونوں طرح کی کیفیات موجود ہیں۔ جب کہ معاملہ ایسا بھی ہے کہ بقول شاعر ؎

کفر و الحاد کی کب تیز نہیں آندھی چلی
آیا جس سمت سے اس اور ہی طوفان گیا

حمد باری میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کا انداز تمام قبیل کے شعراء کے یہاں موجود ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ وحدتِ تاثر قائم کرتے وقت تہی دامنی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ طبیعت میں فقر نہ ہونے کی وجہ سے شاعرانہ تعلّی کا غزلیہ انداز بھر لگتا ہے جو حمدیہ شاعری کے لیے فال نیک نہیں ہے۔

جب شاعر نقطہ نگاہ میں فکر و نظر کی متاع سحر کے نور کی نمود، جگر درد کی دوا، دیدہ تر کا سکون، فتح وظفر کا نشان، دل کے جہاں کا در، زاد سفر، بشر کے قلب کا سرور وحدہٗ لاشریک سے ہونے لگتا ہے۔ اللہ ہو کی مسلسل آوازوں سے فقیر دل راحتِ قلب کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ہندوستان کے ہی ایک اہم جدید شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

اس تعلق کو نباہوں تو ملے گی سرفرازی
مصطفیٰ میرے نہیں ہیں تو خدا میرا نہیں ہے

حالانکہ خدا کی قربت حاصل کرنے کے لیے وسیلہ رسول کی شرط بھی شاعر نے رکھ دی ہے۔ اس میں اندھی عقیدت مندی نہیں ہے بلکہ حب رسول کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے خدا کی قربت تک رسائی کی راہی روشن کی گئی ہے۔

ذکر و اذکار میں قدرت الٰہی پر رضامندی ظاہر کرنا فقراء کا شیوہ رہا ہے۔ اسی پس منظر میں شمیم ہاشمی نے انتہائی فنکاری سے نعت رنگ اشعار میں حرمت حمد کو بجا رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

امت خیر کا کردار بھلا بیٹھے ہم
پھر بھی اللہ ترا فضل و کرم جاگتا ہے

پہلے مصرعے میں امت خیر کا اشارہ خیر الامم کی طرف ہے۔ شاعر نے کفایت لفظی سے معنوی ترسیل کی راہ میں پیدا رکاوٹ کو بھی آسانی سے دور کر لیا ہے۔ دوسرے مصرعے میں اللہ کی مہربانی کی بے کراں وسعتوں کا بھی اظہار بہ خوبی ہو گیا ہے۔ یہ لکھنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ حمد باری لکھنے کے لیے بہت زیادہ تن آسانی موجود ہے لیکن گمراہی کے بھی خدشات ہیں۔

آج پاکستان و ہندوستان دونوں جگہ حمدیہ شاعری کی جارہی ہے لیکن جہاں تک معیار کی

بات ہے ہندوستان کے مقابلے وہاں فکری سطح پر زیادہ امکانات روشن ہوئے ہیں۔ پاکستان میں شعائرِ اسلامی کا معقول ادراک موجود ہے۔ درج ذیل حمدیہ اشعار میرے اس دعوے کا بین ثبوت ہیں۔ بہ شکل رباعی انیس امام ؎

ذرے کو وہ آفتاب کردیتا ہے
دریا کو کبھی حباب کردیتا ہے
اسباب و علل کے چاک کرکے پردے
قدرت کو وہ بے حجاب کردیتا ہے

••••••

حاضر بھی ہے ناظر بھی ہے دانا بھی ہے وہ
پنہاں ہے مگر سامنے آنا بھی ہے وہ
رحمت کی نظر ڈال کے بندوں پہ انیس
تقدیر کے لکھے کو مٹاتا بھی ہے وہ
لافانی و لامکاں میرا اللہ
غفار ہے مہرباں ہے میرا اللہ
نقطے میں صفت کہاں کہ حاوی ہوجائے
وحدت میں بھی ہے نشاں میرا اللہ

••••••

لاریب وہ لامکاں ہے لافانی ہے
تنہا ہے صفات میں بھی لاثانی ہے
غور اس کی نشانیوں پر کرنا سیکھو
ذات اس کی ورائے عقل انسانی ہے

مندرج نعت انیس امام کی ہے۔ یہ پاکستانی رسالہ ''آئندہ'' کے ''ہندوستانی ادب نمبر'' میں شائع ہوئی تھی۔ اس تخلیق (حمد) کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کو مظاہر فطرت کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔ حمد کی خوبی یہی ہے کہ عقل و فہم کے سہارے قدرے جلوہ گری

میں اللہ کی ذات کو تلاش کیا جائے۔اب میں فہیم جاوید کی حمد سے چند اشعار نقل کر رہا ہوں، جو فی الوقت پاکستان میں مقیم ہیں۔

تو ہے اپنے بیان میں تنہا — اور انسان گمان میں تنہا
ہے کنارہ افق تری قدرت — تو کہ اپنی ہی شان میں تنہا
فخر تیرا غرور بھی تیرا — بے قدر میں جہان میں تنہا
تیرے لطف و کرم کا ہے مظہر — ایک دانہ جو دھان میں تنہا

تنہا ردیف میں نحیف انسان کی خدا کے تئیں سپردگی قابل دید ہے۔ تیرے لطف و کرم کا ہے مظہر ایک دانہ جو دھان میں تنہا خوبصورت منفرد حمدیہ مضمون ہے دھان کا قافیہ لطف دیتا ہے۔ پاکستان کے الطاف ترمذی نے مناجات و حمد کی مشترک وصف کو دعائیہ لہجہ عطا کر انفرادیت قائم کی ہے۔ وحدہٗ لاشریک کے ایک سو اسمائے پاک ہیں۔ انہیں اسمائے حسنیٰ کہا گیا ہے۔ علامہ اشرف علی تھانوی قرآن مجید کے عکسی ترجمے میں ننانوے (۹۹) ناموں کی شمولیت ہے۔ الرحمٰن سے شروع ہو کر الصبور پر ختم ہوتا ہے جب کہ احمد رضا خان بریلوی نے الرحمٰن سے شروع الصبور ایک سو ایک ایک (۱۰۱) پر ختم کیا ہے۔ کنز الایمان ترجمہ علامہ احمد رضا خان؛ تفسیر مولوی محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اللہ پاک کے ایک سو ناموں کی فہرست پیش کی ہے۔ یہاں بھی الرحمٰن سے شروع ہو کر الصبور پر ختم ہوتا ہے۔

علمائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے سو ناموں کی تشریح بیان کی ہے جس کا اگر بسیط ڈھنگ سے ذکر کیا جائے، قلم کی سیاہی سوکھ جائے گی اور قرطاس کے صفحات کم پڑیں گے۔

میں نے اسمائے حسنیٰ کی تفصیل نہیں پیش کی ہے۔ اسم اول الرحمٰن پر ہی دھیان مرکوز کیا جائے تو اسرار رموز کے کئی پردے کھل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے سورہ رحمٰن میں ''فبای آلائ ربکما تکذبان'' کی تکرار پیدا کر کے اپنے بندوں پر کئے گئے احسانات کی طویل اطلاعات پیش کر دی ہیں جن کو پڑھ کر ذہن و دل سجدہ وریز ہو جاتے ہیں۔

اس نکتے کو پاکستان کے اہم حمد نگار الطاف ترمذی نے بڑی خوبصورتی سے اپنی دعا میں پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ دعائیہ ۱۵/اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے کچھ اشعار نقل کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں ؂

میرے اندیکھے بے دلیل خدا
مرے اوہام اور یقین کے بیچ
حالت جنگ ہے مگر پھر بھی
دیکھ اک امر اتفاق بھی ہے
اس بڑی پھیلی کائنات کے رب
میں تجھے لامکاں تو مانتا ہوں
ہاں مگر فکر کے تضاد کے ساتھ
میرے پروردگار کون مکان
میں بہت ہی حمیق سوچ میں ہوں
وہم و ایقاں کے ان مباحث میں
فہم و ایمان کے اس تصادم میں
بحرِ تشکیک کے تلاطم میں
لغزش فکر کے بہاؤ میں ہوں
اے خدا میں بہت دباؤ میں ہوں
میرے مالک یہ التجا سن لے
میرے ناپختہ ذہن کی خاطر
اپنے اسماء کو باسمیٰ کر

یہ اشعار اللہ کے سوناموں کی بابرکت تفہیم کے لیے بے حد کارآمد ہوسکتے ہیں؛ شرط صرف یہ ہے کہ صنف حمد میں اسے کارآمد بنا کر پیش کرنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کیا جائے۔ اللہ جبار وقہار بھی ہے اور ستار العیوب بھی ہے۔ غفار بھی ہے، وہ ہماری کوتاہیوں کو درگذر کرنے والا بھی ہے۔ اس

بات کو گفتگو میں تو مرکزی نکتہ بنا کر پیش کر دیتے ہیں لیکن جب ان ناموں کی معنوی تفہیم حمدیہ اشعار میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس صنف کا احترام کرنا بھول جاتے ہیں۔ کبھی اس کا علاقہ نعت سے تو کبھی مناجات سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس شعری عمل کو کبھی مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔

مختصر یہ کہ حمدیہ شاعری کے لیے خوش آئند امکانات کی کمی نہیں ہو سکتی کہ مالک بحر و بر نے تمام مظاہر فطرت میں اپنے جلوے بکھیر رکھے ہیں۔ میں اپنی بات یہیں ختم کرنا ہوں کہ پروردگار عالمین کی حمد و ثنا کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ قطرے میں دجلہ فرات کی لہریں اسی نے سموئی ہیں۔

***

مکتبۃ الحیاۃ کی بعض مطبوعات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مؤلف	صفحات	ہدیہ
01	اسلام کے سائے میں (اسلامی تاریخ و ثقافت)	پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال	320	150.00
02	تاج اسلام کے زبرجد (ائمہ اربعہ کے ایمانی واقعات)	پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال	128	100.00
03	قرآن حکیم اور ہم (8 کتابوں کا جامع مجموعہ)	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	496	250.00
04	سیرتِ خیر الانام ﷺ (آخری خطباتِ سیرت)	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	240	125.00
05	Islam: the Source of Universal Peace	پروفیسر کلیم اللہ خان	100	080.00
06	آسان حج (حج و عمرہ گائیڈ: عام فہم انداز میں)	پروفیسر کلیم اللہ خان	80	040.00
07	تخلیق آدمؑ: قرآن حکیم کی روشنی میں	پروفیسر کلیم اللہ خان	64	050.00
08	قرآن پاک کا نزول، جمع، ترتیب، تدوین، تنظیم ...	پروفیسر کلیم اللہ خان	32	030.00
09	امتِ مسلمہ کے 765 اجماعی مسائل	امام ابوبکر نیشاپوریؒ	128	075.00
10	قرآنی جواہر پارے (Quranic Pearls)	عبدالحمید خان	112	065.00

نوٹ: زیادہ تعداد میں مفت تقسیم کے لیے خاص رعایتی قیمت ہے، رابطہ فرمائیں : 9906662404

انتخاب و ترتیب : ڈاکٹر عبداللہ رحمانی
پلوامہ (کشمیر)

حمد، شکر اور مناجات کے معنوی ابعاد

حمد عربی لفظ ہے، جس کے معنیٰ ''تعریف'' کے ہیں۔ اللہ کی تعریف میں کہی جانے والی نظم کو حمد کہتے ہیں۔ حمد باری تعالیٰ، ہر زبان میں موجود ہے اور ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ ہندو دھرم میں اس کے متعدد ناموں میں ایک نام ''نارائن'' ہے۔ سنسکرت کے اس لفظ کا اشتقاق کچھ یوں ہے۔ ''نار'' بمعنی پانی اور ''آئن'' بمعنی متحرک۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط کے مطابق ادیانِ سنسکرت نے اس کا معنی قرآن کی آیت ''وکان عرشه علی الماء'' (خدا کا عرش پانی پر ہے) سے ملا دیا ہے۔

اس ترکیب کے دوسرے معنی بھی دستیاب ہیں۔ مثلاً ''نار'' بمعنی آگ اور ''آئن'' بمعنی ہالہ، گھیرا یعنی نور کے ہالے والا۔ اس معنی کے رو سے بعض نے ''الله نور السمٰوت والارض'' سے ملایا۔ مطلب یہ کہ ثنائے رب جلیل کے عالم انسانیت کے جذبے اور رویے میں یکجہتی اور یکسانیت کے آثار پہلے سے ہی موجود ہیں۔ تفریق و امتیاز محض مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے عقائد میں ہے لیکن سبھی کے عقائد خداوندی میں تلاش وحدت ہی ہے۔

حمد کے لیے دوسرا لفظ شکر استعمال کیا جاتا ہے۔ اہل علم کے حمد اور شکر میں فرق سے متعلق دو موقف ہیں۔ پہلا موقف یہ ہے کہ حمد اور شکر دونوں ہم معنی ہیں، اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ موقف ابن جریر طبری اور دیگر نے اختیار کیا ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا معنی یہ ہے کہ شکر خالصتاً اللہ کا ادا ہو، اللہ کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے کسی کا شکر ادا نہ ہو..." اس کے بعد امام طبری مزید لکھتے ہیں کہ:

" عربی زبان کے ماہرین اور عرب لغات پر دسترس رکھنے والے اہل علم کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کوئی شخص عربی میں " الحمد للہ شکرًا " کہے تو یہ صحیح ہے، تو جب اس طرح کہنا تمام کے ہاں صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ حمد کو بسا اوقات شکر کے مقام پر بول دیا جاتا ہے اور اسی طرح شکر کو بسا اوقات حمد کے مقام پر بول دیا جاتا ہے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہ جائز ہی نہیں تھا کہ " الحمد للہ شکرًا " صحیح ہوتا۔" "تفسیر طبری" (138/1)

حمد اور شکر کی معنوی جہتوں سے متعلق دوسرا موقف

حمد اور شکر دونوں کا ایک معنی نہیں ہے؛ بلکہ دونوں میں فرق ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

حمد کا تعلق صرف زبان سے ہے، جبکہ شکر زبان، قلب اور جوارح سب سے ہوتا ہے۔

حمد بسا اوقات نعمت کے مقابلے میں ہوتی ہے اور بسا اوقات حمد بغیر نعمت کے بھی ہوتی ہے، جبکہ شکر صرف نعمت کے مقابلے میں ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ، ابن جریر رحمہ اللہ کی سابقہ گفتگو پر نقد لکھتے ہوئے اپنی تفسیر: (32/1) میں کہتے ہیں :

" ابن جریر رحمہ اللہ نے جس چیز کا دعوی کیا ہے یہ محل نظر ہے؛ کیونکہ بہت سے متاخر علمائے کرام کے ہاں یہ مشہور ہے کہ حمد یہ ہے کہ: موصوف کی لازم اور متعدی صفات پر زبانی ثنا کو حمد کہتے ہیں۔ جبکہ شکر صرف متعدی صفات پر ہی ہوتا ہے اور شکر دل، زبان اور اعضا سب سے ہوسکتا ہے، جیسے کہ شاعر کا کہنا ہے کہ:

أَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّي ثَلَاثَةً ... يَدِيْ وَلِسَانِيْ وَالضَّمِيْرَ الْمُحَجَّبَا

[ترجمہ: میری طرف سے تمہیں نعمتوں کے عوض تین چیزوں نے فائدہ پہنچایا: میرے ہاتھ، میری زبان اور پوشیدہ دل نے۔]

تاہم ان کا اس بات میں پھر اختلاف ہے کہ حمد عام ہے یا شکر؟ اس بارے میں بھی دو موقف ہیں، البتہ تحقیقی بات یہ ہے کہ حمد اور شکر دونوں میں عموم اور خصوص کا تعلق ہے، تو جب سبب کو دیکھیں تو حمد شکر کے مقابلے میں عام ہے؛ کیونکہ حمد لازم اور متعدی تمام صفات پر ہوتی ہے،

اس لیے آپ عربی زبان میں کہہ سکتے ہیں کہ: [لازم صفت کی مثال] " حمدته لفروسيته" [یعنی میں نے اس کی گھڑسواری کی بنا پر تعریف کی] اور متعدی صفت کی مثال" حمدته لكرمه " [یعنی میں نے اس کی سخاوت پر اس کی تعریف کی]، حمد خاص اس اعتبار سے ہے کہ حمد صرف زبانی ہوسکتی ہے۔ جبکہ شکر ذرائع کے اعتبار سے عام ہے کہ شکر زبانی، عملی اور قلبی ہر تین طریقے سے ہوسکتا ہے، جیسے کہ پہلے بھی گزرا ہے، نیز شکر خاص اس اعتبار سے ہے کہ شکر صرف متعدی صفات پر ہی ہوتا ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ:" شكرته لفروسيته" تاہم آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ:" شكرته على كرمه وإحسانه إليّ" بعض متاخرین کی جانب سے جو تحقیق سامنے آئی ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔ واللہ اعلم"

اسی چیز پر ابو ہلال عسکری رحمہ اللہ نے حمد اور شکر کے درمیان تفریق کی بنیاد رکھی ہے، ان کا کہنا ہے کہ:

" حمد اور شکر میں فرق: کسی بھی خوبی پر زبان سے ثنا خوانی حمد کہلاتی ہے چاہے اس خوبی کا تعلق ذاتی چیزوں سے ہو جیسے کہ علم وغیرہ یا متعدی چیزوں سے ہو جیسے کہ کسی کا بھلا کر دینا وغیرہ جبکہ شکر اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی نعمت کے مقابلے میں نعمت کنندہ کی تعظیم کے لئے کیا جائے، چاہے وہ زبانی تعریف ہو، یا قلبی نظریہ اور محبت ہو، یا اعضا کے ذریعے خدمت کے کسی کام کی صورت میں عیاں ہو۔ شاعر نے ان تینوں چیزوں کا ذکر ایک شعر میں کیا ہے۔ [وہ شعر ابن کثیر کی گفتگو میں پہلے گزر چکا ہے۔] تو حمد اس اعتبار سے عام ہے کہ یہ نعمت اور دیگر چیزوں پر ہوسکتی ہے، لیکن ذرائع کے اعتبار سے خاص ہے کہ صرف زبان سے ممکن ہوتی ہے، جبکہ شکر اس کے برعکس ہے کہ شکر ہمیشہ نعمت کے مقابلے میں ہوتا ہے اور اس کے ذرائع زبان کے علاوہ بھی ہیں۔ تو حمد اور شکر کے مابین عموم خصوص من وجہ کا تعلق ہے، تو کسی احسان کے مقابلے میں زبانی ثنا پر حمد اور شکر دونوں الفاظ بولے جاسکتے ہیں، جبکہ علم کی صفت پر ثنا کرتے ہوئے صرف حمد کا لفظ بولا

جا سکتا ہے، جبکہ شکر کا لفظ احسان کے مقابلے میں دِلی محبت پر بولا جا سکتا ہے۔" "الفروق اللغوية" (201-202)

ابن قیم رحمہ اللہ "مدارج السالکین" (2/246) میں لکھتے ہیں کہ:

" دونوں میں فرق یہ ہے کہ: شکر اپنی اقسام اور اسباب کے اعتبار سے عام ہے، جبکہ متعلقات کے اعتبار سے خاص ہے۔ دوسری جانب حمد متعلقات کے اعتبار سے عام ہے اور اسباب کے اعتبار سے خاص ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ: شکر دل سے تو عاجزی اور انکساری کے ذریعے ادا ہوتا ہے، زبان سے اعتراف اور ثنا خوانی سے، جبکہ اعضا سے اطاعت اور سر تسلیم خم کرنے سے ادا ہوتا ہے''۔

شکر کے متعلقات

صرف متعدی نعمتیں ہوتی ہیں، ذاتی نوعیت کی خوبیوں پر شکر نہیں ہوتا، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ: ہم اللہ تعالی کی حیات، سماعت، بصارت اور علم پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں، بلکہ ان صفات پر اللہ کی حمد بیان کی جائے گی، جس طرح اللہ کے احسان اور عدل پر اللہ کی حمد بیان کی جاتی ہے۔ شکر کسی احسان اور نعمت کے مقابلے میں ہوتا ہے، تو جس چیز پر شکر ہوسکتا ہے اس پر حمد بھی ہوسکتی ہے، جبکہ اس کے برعکس صحیح نہیں ہے۔ اور جس چیز کے ذریعے حمد بیان ہوسکتی ہے اس کے ذریعے شکر بھی ادا ہوسکتا ہے، جبکہ اس کے برعکس صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ شکر اعضا سے ادا ہوسکتا ہے جبکہ حمد دل اور زبان سے بیان ہوتی ہے۔"

فرہنگ آصفیہ، جامع اللغات، نور اللغات اور دوسری لغت کی کتابوں میں ''مناجات'' کے لغوی اور فنی معنی اپنا بھید کہنا یا پھر طلب نجات کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کرنا سے بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن کریم اور حمد و مناجات

مدح کے لغوی معنی تعریف، توصیف، ستائش جبکہ منت ساجت بمعنی عرض معروض، خوشامد اور

درخواست ہیں۔اول الذکر سے ''حمد'' اور ثانی الذکر سے ''مناجات'' کی اصطلاحات مشتق ہیں۔ یہ اصطلاحات ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں۔لہٰذا حمد اور مناجات کا اطلاق خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی اور کے لئے روانہیں رہا۔

مولانا ابوالکلام آزاد حمد کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں یعنی اچھی صفات بیان کرنا۔اگر کسی کی بری صفتیں بیان کی جائیں تو وہ حمد نہ ہوگی۔'' (ترجمان القرآن، جلد اول، ص:۳۱)

قرآن حکیم کی کئی سُوَر کا حمد یا الحمد کے لفظ سے آغاز اس کا غماز اور ترغیب ہے کہ بندے بھی اللہ کی پاکی بیان کریں۔پس خدائے لم یزل کی پاکی بیان کرنا، اس کی ذات وصفات کی تعریف حمد ہے اور یہ قرآن حکیم کا منفرد اسلوب بیان ہے۔

سورۃ الحشر، الصّف، سورۃ الجمعہ اور التغابن کی ابتدا میں ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی تسبیح وحمد کرتا ہے۔مؤمنین کو بعض جگہ حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کیا کریں۔مثلاً:

''سبح باسم ربك الاعلیٰ'' (سورۂ الاعلیٰ، آیت نمبر ۱)

''واللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوا بھا'' (سورۂ الاعراف، آیت نمبر ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا احاطہ ممکن نہیں اس لئے حمد میں جو چاہے بیان کرلیں اسے مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہی کہا اور سمجھا جائے گا۔

حمد مدح رب العالمین ہے تو مناجات اس سے مانگنے کا ایک مخصوص انداز! بندہ اپنے رب کے حضور خود کو کمتر، حقیر اور گناہ گار پیش کرتے ہوئے التجا کرتا ہے۔ ہر مناجات دعا کا ہی رنگ رکھتی ہے میرا ماننا ہے کہ دعا تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن مناجات کا تعلق ایمان سے ہے۔سورۂ فاتحہ حمد ومناجات کی بہترین مثال ہے۔

قرآن پاک میں حمد کے مفہوم کی بے شمار آیتیں موجود ہیں جن میں سے چند نمونہ پیش ہیں۔

الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت والارض (سورۃ الانعام)

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو، عالم الغیب والشھادہ ھو الرحمن الرحیم۔ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم۔ (سورۃ الحشر آخری تین آیات)

آیت الکرسی حمد کی بہترین مثال ہے۔

حمد و مناجات اور شریعت

دعا، مناجات، التجا، گزارش، دہائی، فریاد، معاونت یا استعانت مترادفات ہیں۔ جب ان الفاظ کا رشتہ براہ راست خالق کائنات سے جُڑتا ہے تو نہ صرف ان کا احاطہ فکر وسیع و آفاقی ہو جاتا ہے بلکہ عقیدتوں کی پاکیزگی، ادب و احترام کی نازکی اور روحانی لطافت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ روحانی اثرات پر مکمل یقین اور اعتقاد رکھنے والا جھونپڑی کا مکین ہو یا محل میں قیام پذیر، آقا ہو یا غلام، کسان ہو یا امیر ذیشان، قلندر ہو یا سکندر، شاہ ہو کہ گدا، ڈاکٹر، عالم، انجینئر یا سائنسدان ہو یا ناخواندہ سیدھا سادا ملازم پیشہ انسان۔ اس کی زندگی کے تمام گوشے، سکھ دکھ، اونچ نیچ، دھوپ چھاؤں یہاں تک کہ فرط انبساط اور دلفگار غم میں بھی ایک دلربائی اور چہروں پر قلب مطمئنہ کا جمال نظر آئے گا۔

آستان ناز پر جس کی جبیں ہے سجدہ تو کیا
اس کو کوئی تاج سلطانی بھی پہنائے تو کیا؟

اللہ کو "علیٰ کل شیئٍ قدیر" تسلیم کر کے اپنی عاجزی، انکسار، بے کسی اور مجبوریوں کا اظہار اسلوب مناجات ہے۔ حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں:

ذکر حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

خود چہ شیرین ست نام پاک تو
خوشتر از آب حیات ادراک تو

خاقانیؒ لکھتے ہیں کہ:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
دے بابادحق بودن بہ از ملک سلیمانی

حضرت سعدیؒ اور حکیم سنائی نے اسم ذاتی اللہ کو بہترین حمد و مناجات قرار دیتے ہوئے ''سلطان الاذکار'' کہا ہے۔اسلامی معاشرے کا یہ خاصہ ہے کہ

- کسی کام کی ابتدا کرے تو کہے، بسم اللہ۔
- وعدہ کرے تو کہے، ان شاء اللہ۔
- کسی خوبی کی تعریف کرے تو کہے، سبحان اللہ۔
- کوئی تکلیف پیش آئے تو کہے، جزاک للہ۔
- کسی سے اپنی خیر و عافیت کا ذکر کرے تو کہے، الحمداللہ۔
- جانے انجانے میں گناہ سرزد ہو تو کہے، استغفر اللہ۔
- کسی کو رخصت کرے تو کہے، فی امان اللہ،
- نازیبا کلمات زبان و قلم پر آئیں تو کہے، نعوذ باللہ اور
- موت کی خبر سنے تو کہے، انا للہ و انا اللہ راجعون۔وغیرہ وغیرہ۔

حمد و مناجات کا اسلوب : حمد و مناجات کا اپنا کوئی مخصوص اسلوب نہیں ہے۔غزلیہ ہیئت کے علاوہ قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، نظم، آزاد غزل، مخمس، مسدس، مثلث، مربع، ثلاثی،

دوہے، سانٹ، ترائیلے اور ہائیکو جیسی اصناف میں بھی حمدیہ و مناجاتی شاعری ہورہی ہے۔ لیکن غزلیہ ہیئت کو دیگر اصناف کے مقابلے میں زیادہ شہرت ملی ہے۔

حمد کی تاریخی اہمیت

حمدیہ ترانوں کے ابتدائی نقوش اور تاریخی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر یحییٰ نشیط فرماتے ہیں:

''کُلد انیوں اور حُطیوں کے مٹی کی پکی اینٹوں پر کندہ کیے گئے حمدیہ ترانوں سے لے کمپیوٹرائزڈ کتابوں کے دور تک حمدیہ ترانے برابر لکھے اور الاپے جارہے ہیں۔ ان کی گنگناہٹ جہاں فضائے آسمانی کو معمور ہوئے ہے وہاں قلوب انسانی میں بھی ہلچل پیدا کرنے کا سبب ہے اور بعید نہیں کہ ثنائے رب کریم کا یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے۔''

حمد کی دینی وادبی قدر و قیمت

حقیقی معبود اللہ رب العزت ہے، وہی ادب کا ہنر بھی عطا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پروردگار نے مجھے ادب عطا کیا ہے۔ دراصل ادب ظاہر اور باطن کی تہذیب اور آراستگی ہے۔ کمال، مکارم اخلاق سے اور مکارم اخلاق، تحسین اور تہذیب خلق سے ہے۔ اردو زبان میں جب سے شاعری کا تجربہ ہوا تبھی سے حمد لکھی گئی۔

حمد کی دینی اور ادبی قدر و قیمت کی وجہ سے یہ صرف ہمارے مضطرب جذبات کی تسکین کا سامان، تفنن طبع، احساس جمال، انفرادی لذت کوشی، خوف خدا، بصیرت و بصارت کی توثیق یا شاعری برائے شاعری ہی نہیں ہے بلکہ ادب میں اس کی مستقل صنفی حیثیت ہے۔ یہ درست ہے کہ عروض و بلاغت اور قواعدِ اصنافِ سخن کی کتب میں حمد و مناجات کی صنفی حیثیت کا ذکر نہیں ہے کیونکہ عقیدت اور بسم اللہ کے طور پر حمد کہی جاتی ہے اور حمد و مناجات کے لئے والہانہ عشق ضروری ہے کیونکہ اظہار افعال واعمال سے وابستہ ہے۔ مہارت ومحاربت، متانت وسنجیدگی اور جوش ربانی

کی فراوانی کے بغیر کوئی بھی شاعر حمد میں اظہار عقیدت نہیں کر سکتا۔

الہام، القا، گیان اور دھیان کے تصور سے مملو یہ صنف سخن، ماورائی، داخلی اور ذہنی قوت کی دین ہے۔ شعری روایت کے معنوی تسلسل میں حمد تصور و تفکر، عبقریت، ذہنی رفعت اور جذبات و حواس کے ذریعے سے دخیل ہے۔ سیموئل ٹیلر کولرج کہتے ہیں :

''میں متخیلہ کو بنیادی اور ذیلی سمجھتا ہوں۔ بنیادی متخیلہ وہ ہے جو تمام انسانی ادراک کا محرک ہے اور وہ خارجی تخلیق کاری میں دماغ کے محدود حصہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ جبکہ لامحدود حصہ اس کی ذات "I am" ہوتی ہے۔ ذیلی تصور بنیادی تصور ہی کی بازگشت ہوتا ہے جو شعوری ارادے کے ساتھ منسلک ہوتا ہے لیکن وہ تقریباً بنیادی تصور کی طرح تخلیق کا محرک ہوتا ہے۔''

''میں ہوں'' کی طرف سے موضوعی تخلیق کا یہ لائحہ عمل داخلی آواز ہے جو Objective Co-relatives میں ضم ہو کر شعری روایت کے داخلی اور خارجی عناصر کی Pure Subjectivity کی طرح حمد یہ شاعری کے معنوی تسلسل کو جنم دیتی ہے یا تابع بناتی ہے۔

آغازِ سخن وری سے ۱۹۳۷ء تک ادب اور مذہب ہم آہنگ رہے لیکن ترقی پسند تحریک اور روسی اشتراکیت کے نظریے سے متاثر ہونے والوں نے ادب اور مذہب کو تقسیم کرنے کی شعوری کوشش کی جس کا منفی اثر سرمایۂ ادب پر ضرور پڑا۔ لیکن ۱۹۶۰ء خصوصاً ۱۹۸۰ء کے بعد شعرا نے حقیقت سمجھ کر اس سے جان چھڑائی اور متعین طرز اظہار ''حمد'' کو بلا جھجک اپنا لیا ہے۔ قرآن کریم کے سولہویں پارہ میں سورۃ الکھف کی تیسری رکوع کی آخری آیت ہے کہ:

قل لو كان البحر مدادا لكلمت ربي لنفد البحر قبل ان تنفد كلمت ربي ولو جئنا بمثله مددا

حمد سے بے توجہی کی وجہ Anthroposphere ماحول بھی رہا ہے۔ ویسے سچائی یہ بھی ہے کہ اردو میں حمد یہ شاعری کا پہلا مجموعہ غلام سرور لاہوری کا ہے جو ''دیوان حمد ایزدی'' کے نام

سے ۱۸۸۱ء میں مطبع نول کشور، لکھنو سے شائع ہوا۔ مثال دیکھئے:

زباں پر ذکر حمد ایزدی ہر دم رواں رکھنا

فقط یاد الٰہی سے غرض اے مری جاں رکھنا

مختلف ادوار میں حمد کے فکری اور اسلوبیاتی تجربے ہوتے رہے اور یہ اسلوبیاتی تغیر مرحلہ وار محسوس کیے جاسکتے ہیں۔

حمد اور مناجات کی اہمیت وضرورت

حمد کا لفظ شکر کے لفظ سے زیادہ عام اور مقبول ہے اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں صفات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مخلوق پر اللہ کی نعمتیں ان گنت ہیں۔ انسان میں عالم اکبر کی تقریباً ساری ہی مثالیں موجود ہیں۔ ہمارا جسم حد نگاہ تک پھیلی ہوئی زمین کی طرح، ہمارے بال، نباتات کی مثال تو ہماری ہڈیاں پہاڑوں کی مانند ہیں۔ جسم کو خون فراہم کرنے والی شریانیں، وریدیں اور عروق شعر یعنی باریک رگیں تو دریاؤں، نہروں اور چشموں کی مثال ہیں جن کے ذریعہ عالم اکبر یعنی زمین کی سرسبزی کی طرح عالم اصغر یعنی ہمارے جسم کی شادابی برقرار رکھی جاتی ہے۔

جملہ نعما متقاضی ہیں کہ انسان اپنے محسن اور منعم یعنی اللہ، الرحمن الرحیم کے احسانات اور انعامات کی شکر گزاری میں اس کی حمد وثنا کرتا رہے جس کی ترغیب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک کو لفظ ''الحمد'' سے شروع فرما کر دلائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات میں حمد وثنائے الٰہی کا مقام کلیدی ہے۔

قدیم حمدیہ شاعری

عربی، فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی حمد کہنے کی روایت برابر ملتی ہے۔ اردو شعرا نے عقیدت و ایمان کے گل ہائے معطر حمد کی لڑیوں میں پرو کر باری تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ کے گیسو ہائے معتبر سجائے ہیں۔

''کدم راؤ پدم راؤ'' (۱۴۲۱ء اور ۱۴۳۴ء) از فخر الدین نظامی بیدری کو حالیہ تحقیق کے مطابق اردو کی قدیم ترین تصنیف تسلیم کیا گیا جو اردو مثنوی کے عناصر ترکیبی میں حمد و نعت و منقبت کا شہکار ہے۔

پھر عبدلؔ کا ابراہیم نامہ، خوب محمد چشتی کا خوب ترنگ، شاہ برہان الدین جانم، غواصی، ابن نشاطی کا ''پھول بن'' تو صنعات لفظی و معنوی کا بیش بہا خزانہ ہے، نصرتی دکن کی دو مثنویاں ''گلشن عشق'' اور ''علی نامہ''، قلی قطب شاہ معانیؔ کا صنعت ردالعجز میں خوبصورت کام، علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ کی حمدیہ غزل اور مثنوی ''خیبر نامہ'' حمد کے ارتقا کی مثالیں ہیں۔ ''احسن القواعد'' میں محمد نجف علی خاں نے مثنوی کے اقسام، اشعار اور اوزان سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''داستان مثنوی کے لیے تمہید شرط ہے اور ربط کلام کا سلسلہ واجب اور مثنوی کے دیباچہ میں کئی چیزیں لازم ہیں توحید، مناجات، نعت، مدح سلطان زماں، تعریف کے دیباچہ میں ان سب باتوں کے موجد حضرت نظامی گنجوی ہیں۔ ان سے پہلے مثنوی کو فقط قصے سے شروع کیا کرتے تھے۔''

فنی اعتبار سے مناجات کے اجزائے ترکیبی

فنی اعتبار سے مناجات کے اجزائے ترکیبی حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ تعریف خداوندی

۲۔ انسان کی بے کسی و عاجزی

۳۔ نجات طلبی

۴۔ حمدیہ استدلال

۵۔ دعائیہ

***

منظور احسن عباسی

(بشکریہ: 'رسولِ مقبولؐ نمبر' 'محدث' اپریل 1976ء)

نعت گوئی کے آداب اور حدودِ شرعیہ

****

۱۹۷۵ء میں ۹ سرکردہ علماء و ادباء سے اختر راہی نے نعت گوئی کے آداب اور حدودِ شرعیہ سے متعلق چند سوالات پوچھ لیے۔ ذیل میں اِن سوالات اور اُن کے جوابات ملاحظہ فرمائیں :

****

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

نعتِ نبویؐ، معروف صنفِ سخن ہے۔ مسلمان ہی نہیں غیر مسلم شعراء نے بھی بارگاہ نبوت میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ نعت گوئی کے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر شرعی اعتبار سے روشنی ڈال کر رہنمائی فرمایئے!

1. نعت گو شعراء عام طور پر مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ مبالغہ کس حد تک جائز ہے؟

2. عام نعت گو شعراء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے براہِ راست تخاطب کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے اگر جواب اثبات میں ہو تو بالتفصیل وضاحت فرمائیں۔ دعاخواہ

۲۹/۸/۷۵ اختر راہی

****(۱)****

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۸ ستمبر ۷۵ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ صرف نعت ہی نہیں ہر طرح کے کلام میں مبالغہ صرف اس حد تک جائز ہے کہ اس کے پیچھے یا اس کے نیچے اصل حقیقت بالکل چھپ کر یا دب کر نہ رہ جائے بلکہ ہر سامع و قاری بآسانی سمجھ لے کہ حقیقتِ نفس الامری کیا ہے جسے مبالغے کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ہے۔

حُسنِ یوسف، دَمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر کے پہلے مصرع میں مبالغہ تو ہے لیکن دوسرے مصرعے نے یہ واضح کر دیا ہے کہ مقصودِ کلام یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات وصفات میں جامعیت اور ہمہ گیری تھی۔ دوسرا شعر یہ ہے۔

کیا شانِ احمد کا چمن میں ظہور ہے
ہر گُل میں ہر چمن میں محمد کا نور ہے

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جس کی اجازت ذاتِ باری کی شانِ وحدانیت وخلاقیت نہیں دیتی اور اس کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں۔

3. نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست تخاطب میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کی پشت پر یہ عقیدہ کارفرما نہ ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر خطاب کو بلاواسطہ اور بلا استثناء اس طرح سن رہے ہیں جس طرح اس دنیا میں ایک متکلم دوسرے کا کلام سنتا ہے۔ اس کے بجائے اسے عالم تصوّر کا خطاب سمجھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا اور ہمارے ہدیۂ عقیدت کو اس قابل سمجھے گا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اسے پہنچا دے گا۔

4. عام نعت گو شعراء جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوقِ نازنین فرض کر کے آپ کے سراپا کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد عنصری بلکہ اعضائے مبارک کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ اندازِ کلام ناپسندیدہ اور سوئے ادب کا پہلو رکھتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل و محاسن بیان کرتے وقت وقار ومتانت اور تعظیم وتقدیس کی روش اختیار کرنی چاہیئے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

****

****(۲)****

حافظ محمد صاحب گوندلویؒ

الجواب : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1. مبالغہ ایسا جائز نہیں ہے کہ جسم میں رسول اللہ ﷺ کو مقامِ نبوت اور مقامِ رسالت سے اٹھا کر الوہیت کے حدود میں داخل کر دیں۔ اس طرح کرنا ناجائز ہے۔ باقی مقامِ رسالت کے اندر ہر قسم کی تعریف جائز ہے۔ مثلاً عصمتِ انبیاء کے عقیدہ سے حسان بن ثابت کا یہ شعر۔

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

2. اگر خطاب کرنے والا اس عقیدہ سے خطاب کرے کہ رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو پھر یہ حرام ہے۔ شرک و کفر تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر صرف محبت کے اظہار کے لئے ہو یا درود و صلوٰۃ میں اس لئے خطاب کرتے ہیں کہ فرشتے درود کو نبی اکرم ﷺ تک پہنچاتے ہیں تو اس صورت میں جائز و درست ہے۔

****(۳)****

مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتی اعظم)

الجواب ومنہ الصدق والصواب

حضور اقدس ﷺ کی تعریف کرنا نظم میں اور نثر میں بہت بڑی سعادت ہے اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ البتہ شریعتِ اسلامیہ میں چونکہ حدود کی رعایت کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ لہٰذا نعت گوئی میں جھوٹ کی تو بالکل گنجائش نہیں اور ایسا مبالغہ جو حدودِ جھوٹ میں داخل ہو وہ بھی جائز نہیں۔ تشبیہ اور استعارہ کلام میں استعمال کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے اور صیغۂ حاضر سے خطاب کرنا اس عقیدے کے ساتھ تو بالکل ہی حرام ہے کہ آپ کو حاضر و ناظر سمجھا جائے اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو بلکہ اس تصوّر و تخیل سے خطاب ہو کہ جیسے میں آستانہ میں حاضر ہوں تو اس کی گنجائش ہے مگر بچنا اس سے بھی افضل ہے کیونکہ بہت سے عوام اس طرح کے شعر سن کر حاضر و

ناظر والے عقیدے ہی کی طرف ذہن لے جاتے ہیں۔

****(۴)****

علامہ محمد یوسف بنوریؒ

الجواب باسمہ تعالیٰ

نعت گوئی مبارک ہے۔ مبالغۃً اگر حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کرے تو گنجائش ہے۔ وہ مبالغہ جو کفر وشرک اور صریح جھوٹ پر مشتمل ہو کسی حال میں درست نہیں۔ صیغۂ تخاطب کا استعمال شعراء کے یہاں عام ہے۔ اگر عقیدہ حاضر ناظر نہ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

****(۵)****

علامہ محمد چراغ صاحبؒ

الجواب

1. شعر کی بنیاد ہی مبالغہ پر ہے اس لئے شعر میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے۔ بشرطیکہ کسی نص قطعی یا عقل کے خلاف نہ ہو۔ نعتِ نبوی میں بھی اس حد تک جائز اور روا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے لاتطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم۔ میری مدح اور تعریف میں عیسائیوں کی طرح مبالغہ آرائی نہ کرنا۔ اس فرمان میں آنحضرت ﷺ نے عیسائیوں جیسی مبالغہ آرائی سے منع فرمایا ہے۔ مطلقاً مبالغہ آرائی سے منع نہیں فرمایا۔

2. شعر میں ممدوح کو مخاطب کرنا شعراء کا عام معمول ہے۔ عربی اشعار اس سے بھرے پڑے ہیں۔ اس تخاطب سے مراد محبت، دلی وابستگی اور تحسّر ہوتا ہے۔ ایسا تخاطب تو جائز ہے۔ لیکن اگر اس تخاطب سے مراد ممدوح کو پکارنا ہو اور یہ خیال کرنا ہو کہ مخاطب ہماری بات کو سن رہا ہے۔ اور وہ حاضر و ناظر ہے تو ایسا تخاطب جائز نہیں ہوگا۔ یہ صفت تو صرف اللہ جل شانہ کی ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

****(٦)****

مفتی جمیل احمد تھانویؒ

الجواب

1. اس حد تک کہ کوئی ناجائز، یا گستاخی یا دوسرے انبیاء کی تحقیر یا صفات باری میں شریک نہ کیا جائے ورنہ گناہ بن جائے گا۔ خود صفات وخصوصیات اس قدر ہیں کہ ان کا بیان دفتروں کے دفتروں سے پورا نہیں ہوسکتا۔ مبالغہ کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اصل کمالات نہ ہوں یا کم ہوں مگر ناجائز تک نہ پہنچیں تو گوارا ہے۔

2. براہِ راست تخاطب کی چند صورتیں ہیں بعض شرک، بعض گناہ بعض جائز ہیں۔ اگر یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی حق تعالیٰ کی طرح ہر جگہ موجود (بوجود علمی) اور دیکھنے سننے والے حاضر و ناظر ہیں تو خدائی صفت میں شریک کرنا ہے شرک وکفر ہے اور نمبر ۲ اگر یہ سمجھا کہ ہماری پکار وخطاب کو فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں تو یہ بے ثبوت ہے صرف درود شریف پہنچانا ثابت ہے اور نمبر ۳ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور مبارک ذہن میں لے کر کہتے ہیں تو یہ جائز ہے کہ تصوّر ہر شے کا ہوسکتا ہے اس میں کوئی خلل نہیں اور بزرگوں کے کلام میں یہ موجود ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

یا صاحب الجمال ویا سید البشر

من وجهك المنير لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه

بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

التحیات میں السلام علیك ایها النبی موجود ہے اور سب مسلمانوں کو پڑھنا واجب ہے اور ساری دنیا اس میں شریک ہے کہ ہر زندہ اپنے مردہ کو کہا کرتا اے فلاں تو ایسا تھا ویسا تھا تو یہ شریک نہیں، جرم نہیں درست ہے کہ تصوری بات ہے۔

****(ے)****

عزیز زبیدی---واربرٹن (ضلع شیخوپورہ)

الجواب

مبالغہ جائز ہے، نہ کہ غلو

جسے ہم مبالغہ کہتے ہیں، شاعری میں ''حسن'' کہلاتا ہے۔فکر ونظر کی ندرت، رفعت، رعنائی اور دلربائیاس کی وہ زمین ہے جہاں سے شاعری کے گل ولالہ اُگتے، پھلتے اور پھولتے ہیں۔گویا کہ ایک حد تک مبالغہ، شعر کے پیرایۂ بیان کا طول وعرض ہے، جس سے اُسے بالکلیہ پاک رکھنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔اصل بات یہ ہے کہ بات جہاں آ کر بگڑتی ہے وہ صرف مبالغہ نہیں وہ اسراف اور غلو ہے جو جاہلی شاعری کی جان اور خمیر ہے اور اس میں یہ آفت دو طرح سے داخل ہوتی ہے۔ 1.شاعرانہ تخیل کی بنیاد وہم پرستانہ ہو۔ 2.یا وہ نفس پرستی اور عیاشی پر مبنی ہو۔

کیونکہ اب شاعری بام ثریا سے پستی کی طرف لڑھکنا شروع ہوجاتی ہے مگر شاعر کا بیمار ذہن اسے محسوس نہیں کر پاتا۔وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (کھف)

وہم پرستی

وہم پرستی کی راہ سے ''جاہلیت'' کی مکروہ قدریں ایک ایک کر کے شاعری میں داخل ہوتی ہیں اور اسے داغدار کر کے رکھ دیتی ہیں۔چنانچہ شاعری کا رخ بلندی کے بجائے پستی کی طرف ہو جاتا ہے جس کے منہ سے اب پھول نہیں جھڑتے۔شرک وبدعت کے بگولے پھوٹتے ہیں۔یہ مبالغہ ہے لیکن غالیانہ۔

نفس پرستی

نفس پرستی کی زمین سے ''شراب وکباب'' کی دنیا ابھرتی ہے جس کی وجہ سے شاعری نفس وطاغوت کی چاکری کے فرائض انجام دیتی ہے اور فسق ومعصیت کے لئے راہیں ہموار کرتی اور ابن آدم کو بہیمیت کی راہ پر ڈال کر اس کی بہیمانہ پستیوں کا تماشا دیکھتی ہے۔یہ بھی مبالغہ ہے مگر

مسرفانہ۔

یہ دوتو وہ داخلی امور ہیں جو نعت گوئی کی عافیتوں کو غارت کرتے ہیں۔ان کے علاوہ کچھ خارجی مفاسد بھی ہیں جن کی وجہ سے نفس نعت گوئی ''بجا'' ہونے کے باوجود ممنوع ہوسکتی ہے مثلاً اس کے ساتھ منہیات شامل ہوجائیں۔جیسے:

1.ساز مثلاً طبلہ وغیرہ 2.فلمی لَے، بازاری اور غیر سنجیدہ گلوکاری، جیسے قوالوں کی قوالی ایاکم ولحون اھل العشق (مشکوٰۃ)

3.ایسا ماحول جو نعتیہ کلام سے اتباع کے بجائے غلط تحریکات اخذ کرے۔ یا وہ کلام جو ماحول کے مزاج اور استعداد سے بالاتر ہو(کلموا الناس علی قدر عقولھم)

اگر کوئی شعر ان بیماریوں سے پاک ہے تو وہ مبالغہ نہیں، شاعرانہ رفعتیں ہیں، روح القدس سے جن کی تائید کی توقع کی جاسکتی ہے۔کیونکہ ایسی شاعری سنجیدگی اور روحانی قدروں کے منافی نہیں رہتی۔کیونکہ شاعر بات کی معنوی رعنائیوں کے موتی شاعری کی پاکیزہ لڑی میں پروکر آپ کے سامنے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے۔کچھ برا نہیں کرتا۔اصل بات ذوق وشعور کی خواصی کی ہے، جو شخص اس باب میں جتنا راسخ ہوتا ہے، اس کے کلام میں اتنا ہی اچھوتا پن پایا جاتا ہے جسے کم ذوق انسان مبالغہ تصور کرتا اور ایک باذوق شخص اس کو ایک نادر ''دریافت'' تصوّر کر کے اس کی داد دیتا ہے۔ بہرحال نعت گوئی میں ''مطلق مبالغہ'' برا نہیں، غالیانہ یا مسرفانہ برا ہے۔اب اگر کوئی شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام ومرتبت، شرف ومزیت یا آپ کے فکر وعمل کی ندرت، دلآویزی اور معنوی حسن وجمال کے لئے حسین اور محیر العقول پیرایۂ بیان اختیار کرتا ہے تو اس کی حوصلہ شکنی ہم مناسب نہیں سمجھتے۔

یا۔ براہ راست تخاطب

یہ بھی دراصل ''مبالغہ'' کی ہی ایک شکل ہے۔اس میں بھی ''حضورِ مخاطب'' والی بات نہیں ہوتی؛ دراصل اپنی طبیعت کے ''استحضار'' کی بات ہوتی ہے۔یوں تصور کیا جائے کہ شاعر وفورِ جذبات

کی وجہ سے اپنے آپ کو "ممدوح" کے پاس محسوس کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ اسے اپنے پاس حاضر کرتا ہے۔ یہ وہ اعتباری فرق ہے جسے کم سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے جو بات بالکل سادہ تھی، وہ بتنگڑ بن گئی ہے انسان کے ذہنی تصورات کی حد پرواز کا یہ اعجاز ہوتا ہے، ذہنی ممدوح کا نہیں۔ یہاں ٹریفک یک طرفہ ہے مگر احباب اسے دوطرفہ بنا کر دو انتہاؤں کی طرف چلے گئے ہیں، ایک نے اس سے ممدوح کے حاضر و ناظر کا فلسفہ ایجاد کرلیا، دوسرے نے اسے شرک و بدعت کی باعث تصور کرلیا۔

ایک شاعر: سینکڑوں میلوں سے اپنے ممدوح کے در و دیوار کو مخاطب کرتا ہے۔ گھر بیٹھے پھول سے باتیں ہوتی ہیں۔ چاند اور ستاروں سے خطاب کیا جاتا ہے اور اجڑی بستیوں سے حال پوچھا جاتا ہے کیا کوئی تصور کرسکتا ہے کہ کوئی شاعر انہیں حاضر و ناظر خیال کرتا ہے۔ دراصل یہ بات ممدوح کی بات نہیں اپنے اپنے ذہنی استحضار کی بات ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی ممدوح کو حاضر و ناظر تصور کرکے مخاطب کرتا ہے تو وہ ذہنی بیمار ہے، اس کی کوئی بھی بات قابلِ اعتبار نہیں ہے، دنیا میں خوش فہم اور بے مغزے بھی تو آخر رہتے ہی ہیں مگر بچوں یا بے عقلوں کی حرکتوں کو کوئی اپنا مذہب نہیں بنالیا کرتا، الا یہ کہ وہ بھی بچہ یا بے عقل ہو۔ بہرحال یہ کہنے والے کی افتادِ طبع پر منحصر ہے کہ وفورِ جذبات کی بنا پر اپنے ذہنی استحضار کی بات کر رہا ہے یا اپنے ممدوح کی اگر شاعرانہ طبیعت کے استحضار کا نتیجہ ہے تو کچھ برا نہیں۔ ورنہ برا ہی برا ہے۔ جو شعراء پہلے ہو گزرے ہیں جب تک ان کا ذہنی پس منظر معلوم نہ ہو اس وقت تک ہم اسے ذہنی استحضار کی بات تصور کریں گے کیونکہ یہ قدرتی بھی ہے اور عام بھی۔ اس لئے ہم اس حد تک اسے جائز تصور کرتے ہیں۔

*****(۸)****

علامہ ماہر القادری صاحبؒ

جناب مکرم۔ السلام علیکم ۲۱/اگست ۷۵ء

یاد آوری کا دلی شکریہ! اپنے دونوں سوالوں کے جواب ملاحظہ فرمایئے :

1. اللہ تعالیٰ کے بعد مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ اور برتر و برگزیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں اس لئے حضور کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ امام الانبیاء، سرور دو جہاں، سید البشر، افضل الخلق، حجۃ الکبریٰ، آیت اللہ...... اس قسم کی مدح و نعت مبالغہ نہیں ہے۔

آج یوسفؑ بھی ان کی غلامی میں ہیں　　　تو نے دیکھا زلیخا ہمارا نبی

نبی سارے ہیں خدّام محمد　//　ہر نبی کو سند نبوت کی آپ ﷺ کے آستاں سے ملتی ہے

جبریل امیں خادم و دربان محمدؐ　　　نور سے نور ملا عرش پہ معراج کی رات

اس قسم کے اشعار میں وہ مبالغہ پایا جاتا ہے جو شریعت کی نگاہ سے پسندیدہ نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ غزل کا ایک شعر ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب　　　یعنی محبوب و محب نہیں میرا تیرا

اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان دنیا کے دوستوں جیسی یک رنگی اور مساوات پائی جاتی ہے جس سے توحید مجروح ہوتی ہے۔ بندہ چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مرتبہ کا فرق، زمین و آسمان کے بعد سے زیادہ بعد ہے یہ تشبیہ بھی ناقص ہے۔

2. رسول اللہ ﷺ کو ''یا'' اس عقیدہ کے ساتھ پکارنا کہ رسول اللہ ﷺ ہر پکارنے والے کی پکار سن کر اس کا دکھ درد دور فرما دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی کے تمام اختیارات حضور کی پکار سن کر اس کا دُکھ درد دُور فرما دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خدائی کے تمام اختیارات حضور کو سونپ دیئے ہیں، رزق، حیات، شفاء اور وجود و عطا سب آپ کے دستِ قدرت میں ہے۔ یہ عقیدہ مشرکانہ ہے اور اس عقیدے کے ساتھ ''یا'' کا تخاطب بھی شرک ہوگا۔

ہاں! ذوق و شوق میں ''یا'' منہ سے نکل جائے یا شعر میں نظم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں بھی جہاں تک احتیاط برتی جائے۔ بہتر ہے کہ اصل چیز ''توحید'' ہے۔ اس پر حرف نہیں آنا چاہئے۔ التحیات میں ''السلام علیك ایها النبی'' پڑھا ہی جاتا ہے۔

شاعر میں بادِ صبا سے، چاند سے، پھولوں سے اور خود محبوب سے ''یا'' کے ساتھ خطاب کرتے ہیں اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ بادِ صبا اور مہ و انجم صاحبِ قدرت اور صاحبِ سمع و بصر ہیں اور

محبوب، محب کے خطاب کو سن رہا ہے اور سینکڑوں میل سے محبوب اپنے محب کی بے چینی دور کر دے گا۔ یہ جذبہ محبت ہے جو ''یا'' بن جاتا ہے۔

**** (۹) ****

پروفیسر منظور احسن عباسی

نعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ تو حمدِ الٰہی کی طرح فرائض دینیہ میں سے ہے اور نہ سلاطین و امراء کی مدح و ستائش کی طرح معیوب و مکروہ ہے بلکہ ایک عمل مستحسن اور بعض صورتوں میں ذاتِ اقدس نبوی کے ساتھ رابطۂ مہر و ولا کا ایک ذریعہ ہونے کے باعث بہت بڑے اجر کا باعث بھی ہے۔

نعت کہنے والوں میں صحابیٔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت حسان بن ثابت کو درجۂ اولیت حاصل ہے جن کے اشعارِ نعت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے استماع فرما کر ان کی تحسین فرمائی۔ نعت گوئی کے لئے یہ واقعہ نہ صرف اس کے جواز کی دلیل ہے بلکہ یہ عمل مستوجبِ تحسین بھی ہے اور اگر اشعارِ نعت کے زیر اثر یہ واقعہ نہ صرف اس کے جواز کی دلیل ہے بلکہ یہ عمل مستوجبِ تحسین بھی ہے اور اگر اشعارِ نعت کے زیر اثر مستمعین کے قلوب میں ذات اطہر کے لئے محبت و الفت یا احترام و عقیدت کے جذبات اُبھرنے لگیں تو میرے نزدیک وہ نعت ذریعہ نجات ہے۔

اشعارِ نعت کی حقیقت یہ ہے کہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور محاسن و مکارم اخلاق کا ذکر کیا جائے اور چونکہ صفاتِ عالیہ کے نقطۂ نظر سے کوئی فرد بشر ان سے افضل و اشرف بلکہ ان کا سہیم و عدیل نہیں ہے اس لئے خواہ کتنی ہی خوبیوں کا مذکور ہو نعت نبوی میں مبالغہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اس عاجز کا ایک شعر ہے۔

ہمتائے ذاتِ سید کون و مکاں نہیں   دونوں جہاں میں نہیں دونوں جہاں نہیں

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں یہ حقیقت ہے کہ ان کے علاوہ جس کے لئے بھی یہ بیان ہو مبالغہ ہے۔ مبالغہ کے معنی یہ ہیں کہ حقیقت نفس الامر سے بڑھا کر کوئی بات کہی جائے۔ شعرا کے نزدیک اس باب میں جس قدر کذب بیانی سے کام لیا جائے اتنا ہی قابلِ قدر ہوتا ہے۔ چنانچہ

مبالغہ آمیز اشعار کے بارے میں کہا جاتا ہے اکذبہ اعذبہ یعنی شعر میں دورغ ترین قول شیریں ترین تصور ہوتا ہے لیکن محاسن مجروہ میں سے جس خوبی کو بھی ذاتِ اقدس سے نسبت دی جائے وہ حقیقت کا اظہار ہوگا کیونکہ کائناتِ حسن وخوبی میں سے کوئی امر ایسا نہیں جو آپ میں موجود نہ ہو۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ صفت بھی فخرِ نبوت کی نسبت سے حقیقت اور ان کے ماسواسب کے لئے مبالغہ ہے کیوں کہ فضل وشرف کے لحاظ سے خواہ کوئی ہستی کتنی ہی بلند ہو اس ذاتِ ارفع کے مقابلہ میں پست اور ادنیٰ ہے۔

واضح ہو کہ ہم نے جس فضل وشرف کا ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ فضل وشرف ہے جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اہل دنیا مال ودولت اور حکومت واقتدار میں جس فرق مراتب کے قائل ہیں وہ حقیقی معنوں میں فضل وشرف نہیں ہے لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف انسان کے خود ساختہ فضل وشرف کی نسبت سے کی جائے تو وہ نعت یا تمجید وتوصیف نہیں بلکہ ہجو یا تحقیر وتذلیل ہے نعوذ باللہ۔ مثلاً شہسواری، تیغ زنی، خوش خوراکی، خوش لباسی، محفل آرائی، جاہ وحشم یا فراوانی مال ومتاع وغیرہ کی صفات سے ذاتِ اقدس کو متصف قرار دینا اور اسے نعت کہنا تعریف کی بجائے توہین ہے البتہ ان کی عالی حوصلگی، کفر شکنی، قناعت، حیا، تعلق باللہ اور مہبطِ انعاماتِ الٰہیہ ہونے کی نسبت سے جس قدر بھی توصیف کی جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی خوبی طاعت وعبودیت ہے اور سب سے بڑا عیب سرکشی وخود سری ہے لہٰذا کوئی ایسی ستائش جس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل شانِ عبودیت کی ذرہ برابر بھی مخالفت کا شائبہ ہو وہ معصیت، ان کی شانِ نبوت کے منافی اور بارگاہِ نبوی میں سوءادب کے مترادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم وبصیرت اپنے نعتیہ اشعار کے ذریعہ ایسے خیالات کے اظہار میں احتیاط سے کام لیتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عبدیت کے منافی ہوں اور قصیدہ گو شعراء کے عام دستور کے علی الرغم مبالغہ، غلو، محال اور خلاف عقل تحسینو وتعریف سے قطعاً گریز کرتے ہیں۔

کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اپنے ممدوحین امراء و سلاطین کی طرح اللہ کے محبوب ترین بندہ کو اس کی اپنی مرضی اور اس کے مقصد کے خلاف اللہ کا ہم مرتبہ بنا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کی سب سے بہتر مدح یا نعت وہ ہے جس میں ان کی سیرتِ طیبہ کے گوشوں کو پیش کیا گیا ہو کیونکہ ان کے فضل البشر، سید الانبیاء حبیبِ خدا اور رحمۃ للعالمین ہونے کی یہی سب سے بڑی دلیل ہے اور یہی وہ فضائل ہیں جو تمام کائنات میں کسی کو حاصل نہیں ہیں۔

واضح ہو کہ کمال احتیاط کے باعث بعض باخبر اصحاب نظم و نثر دونوں صورتوں میں بالفاظ ندا حضور کو پکارنے یا براہِ راست تخاطب کو پسند نہیں فرماتے اور میں ذاتی طور پر اشعار میں بار بار حضور کے اسمائے گرامی کے استعمال کو بھی ایک حد تک سوءِ ادب خیال کرتا ہوں۔ ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب.... ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

تاہم ان دونوں باتوں میں زیادہ تشدد ضروری نہیں معلوم ہوتا تا آنکہ یہ ندا یا تخاطب اللہ کو پکارنے یا منادی و مخاطب سے استجابت مدعا کی نیت سے یا اس کے مشابہ نہ ہو کیونکہ بہر حال اجابتِ دُعا یا حلِ مقاصد صرف ذات واحد کی خصوصیت ہے اور دانش مندی اس میں ہے کہ ماسوا اللہ کی مدح میں کوئی شائبہ شرک باللہ نہ ہونے پائے۔ اس باب میں میری رائے یہ ہے کہ ادبیاتِ نظم و نثر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست تخاطب کی ہر صورت میں قدغن ضروری نہیں ہے۔ خاص کر ان اصحاب کے لئے جو فکرِ صحیح کے مالک اور آدابِ دینی سے واقف ہوں۔

براہِ راست تخاطب کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مطلق شائبہ شرک نہیں ہے مثلاً ایک غریب الوطن اپنے وطن کو یاد کر کے اسے پکارتا ہے یا ایک مریضِ بے کس اپنے ماں باپ کو والہانہ آواز دیتا ہے یا شعراء اپنے اشعار میں اپنے محبوب سے مخاطب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض نعتوں میں بھی دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا مدینہ کی گلیوں یا بادِ صبا کو خطاب کر کے اظہار ذوق و شوق کیا گیا ہے۔ اس طرح کا تخاطب نہ صرف یہ کہ روا ہے بلکہ اہلِ دل کو اس سے باز رکھنا ممکن ہی نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

***

ڈاکٹر نثار احمد نثار

نعت نگاری کے تقاضے: اہم شخصیات کی نظر میں

رمضان المبارک میں راقم الحروف نے ایک نعتیہ مذاکرے کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر چار اہم نعت شناس شخصیات: پروفیسر منظر ایوبی، پروفیسر انوار احمد زئی، ڈاکٹر عزیز احسن اور ڈاکٹر شہزاد احمد نے اپنے خیالات کا اظہار کیا جو قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (نثار)

(۱) 'نعت میں غلو کی گنجائش نہیں': پروفیسر منظر ایوبی

☆ پروفیسر منظر ایوبی صاحب! آپ نعت نگاری کے بنیادی تقاضوں پر روشنی ڈالیے گا۔

☆ پروفیسر منظر ایوبی: غزل کی طرح نعت گوئی کی جملہ روایات بھی اردو شاعری میں عربی اور فارسی ادب سے اخذ کی گئیں۔ تاریخ نعت گوئی کا مطالعہ اس امر کا مظہر ہے کہ اردو شاعروں کی اکثریت نے شروع ہی سے بعض بنیادی احتیاطوں اور نزاکتوں کو پیش نظر نہیں رکھا۔ کسی بھی عہد کی نعتیں پڑھ کر دیکھ لیجیے آپ میرے اس خیال کی تائید کرنے پر مجبور ہوں گے کہ وہ نعتیں اپنے تنوع، موضوعات، تاریخی مواد، زبان کی مٹھاس اور بیان کی دل کشی کے باوجود کسی نہ کسی حد تک مبالغہ اور غلو سے مبرا نہیں ہیں۔ اس کے اسباب میں یقیناً جہاں عربی اور فارسی نعت گوئی کا اتباع شامل ہے وہ بیشتر اردو نعت گو شعرا پر تصوف کا غلبہ بھی ہے جو اس بات میں شریعت، طریقت، عقیدت اور محبت سے متعلق بہت سی بحثوں کو جنم دیتا ہے اور گفتگو کے کئی دروازے کھولتا ہے۔

میرے نزدیک فنِ نعت گوئی جن احتیاطوں کا متقاضی ہے، ہر نعت گو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ دیگر اصنافِ شاعری میں بحور اور اوزان کے مختلف خانوں میں لفظوں کی دروبست سے کام چل جاتا ہے۔ نعت کے موضوع کو محور فکر بنانے کے لیے سمندروں کی گہرائی جیسے علوم وفنون کے ماہرین کا پتا بھی پانی ہو جاتا ہے۔ ہما شما یا کم علم و بے مایہ قلم کاروں کا تو ذکر ہی کیا۔ دیگر اصناف سخن ہر نوع کے سقم کی متحمل ہوسکتی ہیں لیکن نعت واحد موضوع ہے جو اپنے دامن پر ذرہ برابر دھبہ برداشت نہیں کرسکتا۔ سخنور کو تخلیق نعت کے دوران دماغ کی ساری چولیں ہلانا پڑتی ہیں اس کی ذرا سی بے احتیاطی تمام ریاض و کاوش کا خون کر

دیتی ہے' پل بھر میں اس کی ساری تخلیقی صلاحیتیں اوندھے منہ زمین پر گر پڑتی ہیں۔ ایسے ہی مواقع پر جگر مرادآبادی (مرحوم) کا یہ مصرع ''اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں'' نعت گو کی ڈھارس بندھاتا ہے یا پھر علامہ اقبال کا یہ شعر:

مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

سچی بات تو یہ ہے کہ نعت کے موضوع کو مرکزِ فکر بنانا اتنا سہل نہیں جتنا سمجھ لیا گیا ہے۔ ہزار نزاکتوں اور احتیاطوں ہی سے اردو کی نعتیہ شاعری کو ہر دور میں حسان بن ثابت خاقانی' فردوسی' سعدی' نظامی' قدسی' عرفی' جامی اور جلال الدین جیسے عظیم المرتبت نعت گو شاعروں کی تلاش رہی ہے حالانکہ اردو میں نعت گوئی کے فن کو بام عروج پر پہنچانے والوں کی کمی نہیں ہے۔ دکنی شاعری کے ابتدائی عہد سے لے کر آج تک شاذ و نادر ہی کسی شاعر نے اپنے مجموعۂ کلام' دیوان یا کلیات کا آغاز حمد و نعت سے نہ کیا ہو بلکہ یہ روایت تو اتنی مستحکم ہو چکی ہے کہ آج بھی جب ہم ذرائع ابلاغ کی ترویج و ترقی اور سائنس کے انکشافات و ایجادات کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد اکیسویں صدی میں سرگرم عمل ہیں' حمد و نعت شامل کیے بغیر کسی شعری مجموعہ کی اشاعت وطباعت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

امیر خسرو سے غالب و مومن و ذوق تک اور حالی' شبلی' اقبال' ظفر علی خان اور حفیظ سے لے کر محسن کاکوروی' بیدم وارثی اور ماہر القادری تک ایک طویل قطار ہے جس میں اہم اور قدآور شخصیتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت و ارادت کے پھول کھلاتی اور خوشبوئیں بکھیرتی نظر آتی ہیں۔

آج بھی جب ہم گزشتہ پچیس تیس برس کا جائزہ لیتے ہیں تو نعت گو شاعروں کی خاصی بڑی تعداد اس باب خاص میں اپنی تخلیقی توانائیاں بھرپور انداز میں صرف کرتی نظر آتی ہیں لیکن ان میں اکثریت ایسے نعت گو شعرا کی ہے جو اظہار جذبہ و احساس میں افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں اور بقول ابوالخیر کشفی ''آج کے بہت سے نعت گو شعرا کے یہاں دل و ذہن کی ہم آہنگی نہیں ملتی۔''

اس میں کلام نہیں کہ تاریخی بصیرت' فنکارانہ صلاحیت' فنی شعور کی پختگی اور اظہار و ابلاغ پر مکمل دسترس ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے والہانہ محبت اور عقیدت کے نتیجے میں جنم لینے والے جذبات اور احساسات کی فراوانی انہیں نعت گوئی کی بعض بنیادی حدود و قیود کی پابند نہیں رہنے دیتی۔ وہ جوش بیاں میں ایسے ایسے امور ذہنیہ اور کیفیات قلبیہ کی تصاویر پیش کرتے ہیں جو نعت کے زمرے میں آنے کے بجائے خالص عاشقانہ غزل کے موضوعات معلوم ہوتے ہیں مثلاً سرکار دو عالم

کی سراپا نگاری میں آپؐ کے گیسوئے پاک، لب و عارض، ابرو، جبین اقدس اور خد و خال وغیرہ کو کائنات کی مختلف اشیا سے اتنے بھرپور انداز میں مشابہت دی جاتی ہے کہ ایسی نعتوں پر بعض عام شعری قصائد (جو محبوب مجازی کی شان میں کہے جاتے ہیں) کا گماں گزرتا ہے۔ اس ذکر پر مجھے اپنے ایک دیرینہ رفیق کار و معروف ادیب و شاعر پروفیسر عاصی کرنالی کے وہ الفاظ یاد آتے ہیں جو انہوں نے کسی نعت گو شاعر کے کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے ادا کیے تھے کہ ہم اپنے جذبات کو کتنا ہی پاک صاف کر لیں، جسمانیت محبوب کے تصور سے باہر نہیں آ سکتے۔ اسی لیے توصیف زلف و رخسار اور قصیدہ چشم و لب کے دائرے سے باہر نہیں آتے۔ حُسن کے ظاہری و مجازی متعلقات ہمارے دامن گیر رہتے ہیں اور ہم سراپا نگاری تک جذباتی فریضے اور وظیفے ادا کرتے ہیں۔ جب غزل کی یہی حیثیت ہماری نعت کا مدار بنتی ہے تو ہمارے اکثر شعرا ترفع اور تقدس کی اس سطح تک نہیں پہنچتے جو ممدوح نعت سے منسوب و مخصوص ہے۔ بہت سی نعتیں ایسی نظر سے گزرتی ہیں کہ اگر ان میں آقا یا مولا یا سرکار کا لفظ نہ ہو تو وہ نری غزلیں ہی محسوس ہوتی ہیں۔

اکثر نعتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''تو'' یا ''اس'' کا استعمال بری طرح کھٹکتا ہے ضرورت شعری کی بنا پر بھی اس نوع کے لفظوں کو نعتوں میں نظم نہیں کرنا چاہیے کہ یہ الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی بیسیوں بدعتی نعتیہ شاعری میں مروج ہیں جن سے اب گریز لازم ہے کیوں کہ ہمارے نزدیک یہ تمام کی تمام نہ صرف تضحیک کی آئینہ دار ہیں بلکہ سراسر مبالغہ و غلو کی ذیل میں آتی ہیں۔ ہمارا یہ اظہاریہ مثالوں کا متحمل نہیں ورنہ بطور حوالہ ان گنت اشعار نذر قارئین کیے جا سکتے ہیں۔

ہمارے خیال میں جدید نعتوں میں مبالغہ آرائی اور غلو کے اظہار کا ایک سبب جدید نعت گو شاعروں میں آسمان نعت کے اس خورشید عالم تاب کا اثر بھی معلوم ہوتا ہے جسے دینی حلقوں میں امام حضرت احمد رضا خان بریلوی اور تاریخ نعت گوئی میں فاضل بریلوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فاضل بریلوی سے تجر علمی اور حب رسولؐ کے اس منصب پر فائز ہیں جس کا ہر کس و ناکس تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان کی زبان و بیان اور اندازِ سخن آرائی کی تقلید نہ ہر نعت گو کو زیب دیتی ہے اور نہ ہر ایک شاعر کے بس کی بات ہے۔ اس ضمن میں اگر نعت گو شعرا یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ وہ جن تشبیہوں، استعاروں، اشاروں، کنایوں، علامتوں اور شعری صنعتوں سے اپنی نعتوں کو مزین کرتے ہیں تخاطب کے اس عمل میں منصب و مقام کا لحاظ کیے بغیر بعض لفظوں کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں وہ شاعری کی دیگر اصناف کا زیور ضرور ہیں نعت

کا نازک پیکر ان کا متحمل نہیں۔ توصیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نعت گو کو ذہن حاضر اور دل کو گرفت میں رکھنا پڑتا ہے تاکہ اس کے قلم سے طلوع ہونے والے حروف ثنا خالق کائنات کے محبوب کی مکمل بشریت بے مثال شخصیت اور لازوال شان وعظمت کے آئینہ دار ہوں۔ فی زمانہ ہمیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مغرب کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار سے اپنے ماحول اور معاشرے کو محفوظ رکھنے اور انہیں بعض لادینی اقدار خبیثہ سے پاک کرنے کے لیے نعت گوئی کو محض کارِثواب نہ سمجھیں بلکہ اسے ذریعہ بنائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ یا آپؐ کے کردار کے مختلف پہلوؤں کو مرکز ومحورِ فکر بنا کر ہمارے نعت گو شعرا نئی نسلوں اور الحاد گزیدہ افراد کی تربیت کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں اسی طریقے سے نعت گوئی کے بنیادی مقاصد کی تکمیل ممکن ہے اور فنِ تخلیق کا یہی رویہ ہماری نعت گوئی کو مبالغہ اور غلو سے بچا سکتا ہے۔

(۲) 'نعت فکرِ انسانی کی حدودِ رسا کا پیمانہ ہے': پروفیسر انوار احمد زئی

☆ پروفیسر انوار احمد زئی صاحب! تفہیم نعت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔

☆ پروفیسر انوار احمد زئی: شاعری قدرت کی بے کراں نعمتوں کا استحسان ہے تو نعت بجائے خود شعری نعمت کا استحسان۔ گویا نعت فکرِ انسانی کی حدِ رسا کا پیمانہ ہے اور یوں نعت استعارہ ہے تفہیم کائنات کے مقدور بھر میزانیے کا جس طرح مقاصد اور بامراد شاعری زندگی کو مربوط' مضبوط' منظم' آراستہ' مرصع' شائستہ اور مہذب بنانے کا وسیلہ اور واسطہ ہے' اسی طرح اس کی مقصدیت میں تخلیقِ کائنات اور وجۂ تخلیقِ کائنات کے آداب وانداز کی آدرش وآگہی نعت کے توسل وتوسط کے بغیر ممکن نہیں اس لیے نعت' جواب باقاعدہ صنف سخن کی صورت ادب عالیہ میں اپنا درجۂ شایانِ شان رکھتی ہے' متقاضی ہے خود اپنی تفہیم کی۔ بظاہر یہ منزل اسرار ورموز اور تشریح وتفسیر کا تقاضا کرتی ہے مگر جن کے دلوں میں سرور کے ساتھ سرودِ سرمدی نے فضائے عطر وعنبر بیز سجا لی ہو ان کے لیے یہ سمجھنا کہاں مشکل ہے کہ زندگی کی ظاہری ظہوری' زیبائش' سجاوٹ' شاعری سے ہے اور اندرون کی جلا' بقا اور منور وروشن فضا نعت سے مشروط ہے۔ سو نعت گداز ذات کا اشارہ ہے اور مدحتِ ختمی مرتبت کا حوالہ ہے۔

بات حوالے کی آئی ہے تو اس اصطلاح کی شانِ نزول اور اس صنف کا ورود وظہور' سرمدی سفر ہی کی طرف گامزن لگتا ہے۔ ن۔ع۔ت عربی زبان کا مادّہ ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں ''اچھی اور قابل تعریف صفات کا کسی شخص میں پایا جانا اور ان صفات کا بیان کرنا'' لغت کے اعتبار سے جب اس لفظ کو استعمال کیا جاتا تو کہا جاتا ہے ''نعت الرجل'' یعنی اس آدمی میں اخلاق وطبیعت کی بہترین خصلتیں پائی

جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص دوسروں سے ممیز وممتاز ہوتا تو کہا جاتا ''ہونعتہ'' یعنی وہ خوبی میں بہترین ہے۔ عربی زبان میں تعریف وتوصیف کے لیے اور بھی بہت سے مصادر مستعمل ہیں مثلاً حمد' ثنا' مدح وغیرہ لیکن جب سے اہلِ نظر نے حمد کو خداوندِ قدوس کی تعریف اور نعت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کیا ہے یہ دونوں اصطلاحات مدح سے الگ اور قصیدے سے جدا ہو گئیں اور اب نعت' نسبتِ حضورِ والا سے متصف ہو کر کاملتاً آپؐ ہی کے پیکرِ جمال اور اوصافِ جمیل مملو ہے۔ نعت کی تفہیم کے لیے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اس کے لیے صرف شعری پیمانہ لازم نہیں آتا عشاقانِ رسول ختمی مرتبتؐ نے نثر میں بھی نعت کی قندیلیں روشن کی ہیں اور وہ بھی اس جذب وایقان کے ساتھ کہ معمورۂ فکر و نظر رشکِ ماہتاب وآفتاب ہو گیا۔ علامہ شبلی نعمانی کی ظہور قدسی اور سید سلیمان ندوی کے خطبات' نثری نعت کے عرفانی اور غیر فانی حوالے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مدحتِ رسول اشارے کنایے' استعارے یا اظہاریے میں بھی ہو تو نعت ہی کہلائے گی۔ اسی طرح شعری نعت گوئی کے لیے بھی واضح پیمانے اور غیر مبہم اصول موجود ہیں۔ صنفِ نعت کے پارکھوں اور شارحین کے نزدیک وہ شعر جس میں ثنائے رسول' صفتِ پیمبر' وصف نبی اور مدحتِ افضل البشر موجود ہے' وہ شعر' مجرد نعت ہے اس میں حضور کا حلیہ' چہرہ' بشریٰ' قد وقامت' نشست وبرخواست' آدابِ گفتگو' اندازِ تکلم' پرتوِ تبسم' رفتار وتجمل' ارشادات وہدایت' پسند وتوجہ' افکار ونصائح' قیادت ورسالت' امامت وامانت' دیانت وصداقت' شجاعت وقناعت گویا جملہ اوصافِ حمیدہ اور کردارِ طیبہ کے آئینے خانے' بہ توفیقِ بیان واظہار سامنے آئیں یا آتے رہیں تو نعت ہوتی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا ہے کہ نعت کے سرنامے کے تحت اگر درج بالا اندازہائے عاشقانہ کے ساتھ خود اپنے جذبات بہ طرزِ مجنونانہ اور وارفتگانہ آجائیں تو انہیں اشعارِ نعت خفی ہی سمجھیے۔ نعت جلی اور خفی میں شیفتگی کی کمی نہیں بلکہ موضوع کی امتیازی صوت وصورت ہے مثلاً ''مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ'' اس مصرعے میں کیفیت کا ذکر ہے جسے نعت سے نسبت تو ہے مگر یہ مجرد نعت نہیں جب کہ ''توئی سلطانِ عالم یا محمدؐ'' نعت اور سراسر نعت ہے' زینتِ یاسیں توئی وزیبائش طٰہٰ توئی...... نعت کی تعریف کے شارح ہیں اسی طرح ''کوئی مثل مصطفیٰ کبھی تھا' نہ ہے نہ ہوگا'' از کراں تا کراں نعت ہے۔ گویا مجرد نعتِ جلی اور کیفیات وحکایات ومناجات وواردات کے اشعار کو نعت کے سرنامے کے تحت نعتِ خفی کے اشارے سمجھیے۔

اس حوالے کو اور گہرائی اور گیرائی میں دیکھنے' سمجھنے اور روح میں اتارنے کی تمنا یا خواہش ہو تو نزول وتنزیل کے اعتبار سے قرآن مجید کی پہلی سورہ کی پہلی آیت مبارک کے پہلے لفظ ''اقرا'' کی جانب

آئیں تو تفہیم ذاتِ احد کے ساتھ تفہیمِ نعت کے بھی بے شمار در کھلتے محسوس ہوتے ہیں۔ اقرا کا مطلب ہے لکھا ہوا پڑھنا اور ایسا کرنے والے کو قاری کہتے ہیں۔ گویا قاری کے لیے متن کا ہونا ضروری ہے مقرر کا متن نہیں ہوتا' مقرر کی تقریر متن بن جاتی ہے اس لیے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ سے اقرا کی ادائی چاہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین وصادق ہونے کے عظیم ترین منصب پر متمکن ہوتے ہوئے اقرا کی ادائی میں تردد فرمایا' سبب یہ کہ اس ارضِ عارضی پر آپؐ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا اور ایسا ہوتا بھی کیسے؟ استاد کا درجہ بڑا ہوتا ہے اور آپؐ کا مقام بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ہے۔ مگر پھر کیا ہوا آپؐ نے اقرا پڑھ دیا نا...... گویا یہ اسرارِ سرمدی سے پردہ اٹھائے جانے کی پہلی دلیل ہے کہ جو آپؐ معلم انسانیت بنا کر بھیجے گئے وہ یہاں کسی سے نہیں پڑھے تھے مگر خداوند قدوس نے انہیں اس وصف سے خود بہرہ مند فرمایا تھا۔ یہی شانِ نزول ہے کہ آپؐ کی اس وصف کے اظہار ہی سے کلام الٰہی شروع ہوتا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ اقرا کا لفظ بجائے خود حضورؐ کے ایک وصف کا اعلان ہے اور اس نسبت سے یہ لفظ نعت ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا حکم دینے والا ربِ کائنات ہے......نعت کا جب یہ منصب ومقام ہو تو پھر اس کے تقاضے بھی سوا ہو جاتے ہیں۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جو موزوں طبع ہو اور شعر گوئی کی نعت سے بہرہ مند ہو' وہ کتنا ہی بڑا سخن ور اور سخن داں ہو جائے مگر نعت کہنے کا متحمل تب ہی ہوگا جب وہ اپنے اس وصف کے اظہار سے قبل منزلِ عشق وسرمستی سے گزر جائے۔ عقیدت' محبت' مطالعہ اور پھر وارفتگی کے ساتھ بساطِ علم وآگہی پر وجد و بے قراری غالب نہ آئے تو حقِ نعت گوئی ادا نہیں ہو سکتا اس لیے نعت کی صنف دیگر اصنافِ سخن سے بڑی ہے سو اس کا مطالبہ بھی بڑا ہے' نازک ہے اور حسبِ توفیق عطا مقامِ رسا کا آئینہ دار ہے۔ نعت فہمی کی اس پوری کیفیت کا مطالعہ کرنے کے بعد گرہِ فہم وادراک کھل جائے تو نعت کے نئے معنی اور نادر مقامات کا پتا چلتا ہے اس لیے اس سوال کے جواب میں کہ نعت کیا ہے' جویانِ ادب کے سامنے دفتر کے دفتر ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں اور سرگوشی کر رہے ہوتے ہیں کہ نعت فرد اور یکتائی میں بھی کہی جا سکتی ہے اس لیے سنو' سنو' نعت کیا ہے؟ نعت ہے آب مدحت کے کٹوروں کی تلاش' آیتوں کی ایک صدائے بازگشت' آپؐ کے در پر قلم کی حاضری' اک تہی دامن کا سامانِ سفر' ایک اللہ کی عبادت کا شعور' نورِ احمد مجتبیٰ کا ظہور' گنبدِ خضریٰ کے دامن کی ہوا' تختیِ دل پر سخن کی روشنی' طاقِ ایماں پر چراغِ آگہی۔ اسی طرح چلتے چلے جب منزلِ تحیر وتسکینِ قلب ونظر آ جائے تو خود بخود یہ خیال آتا ہے کہ:

کتنا خوش قسمت وہ قلم ہے جس کی آنکھ سے ٹپکتے ہیں/ حمدِ خدائے پاک کے گوہر نعتِ رسولِ پاکؐ کے موتی

(۳) 'نعت میں رسول اکرمؐ کا جمال منعکس ہوتا ہے': ڈاکٹر عزیز احسن

☆ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب! آپ نعت کے Text اور نعت نگاری کی اسلوب کے بارے میں کچھ فرمائیں۔

☆ ڈاکٹر عزیز احسن: نعت، مدحت نعت، مدیح یا مدح کے عنوان سے جو شاعری کی کی جاتی ہے وہ کسی نہ کسی زاویے سے کائنات کی سب سے بڑی اور اہم ہستی یعنی مقصودِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے ذیل میں آتی ہے۔ نعت میں آپؐ کی ذاتِ اقدس کا حسنِ صوری اور جمال معنوی منعکس ہوتا ہے۔ شاعر کے اندازِ بیان سے یا تو براہِ راست نعت تخلیق ہوتی ہے یا بالواسطہ۔ براہِ راست نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ صوی و معنوی شعری متن بنتا ہے اور بالواسطہ نعت میں آپؐ سے متعلق اماکن و مدائن یا اشیاء و اشخاص کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (مختصر بات یہ ہے کہ یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بعد آپؐ کی ذات بزرگ ہے اور بس) یہ براہِ راست نعت ہے اور بالواسطہ نعت میں مدینہ، گنبدِ خضریٰ، آپؐ کے اصحابِ کرام اور یا ازواجِ مطہرات و اقربا رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا ذکر کر کے آپ کی عظمتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جیسے:

حرا سے سبز گنبد تک مسلسل......سفر اندر سفر ہے میں ہوں
مرے اشکوں میں تصویرِ بلالیؓ......محبت کا ہنر ہے اور میں ہوں

••••••

غبارِ راہِ طیبہ غازۂ روئے کواکب ہے......فروغ جلوۂ حُسن مہِ کامل مدینہ ہے

نعت شاعر اپنے اشعار اس ہستی کی جناب میں نذر کرتا ہے جس کو 'افصح العربؐ' ہونے کا شرف حاصل ہے اس لیے شاعر کو شعر کہتے ہوئے جس زبان میں وہ شاعری کے بہترین لہجے، زبان و بیان، عروض اور محاسنِ کلام کی طرف متوجہ رہنا لازمی ہے ورنہ نعت، نعت نہیں ہوگی بلکہ کچھ اور ہی شے بن جائے گی۔ مثالیں لاتعداد ہیں لیکن میں صرف ایک دو شعری متون کی تفہیم کے لیے چند نکات پیش کر دیتا ہوں۔ کسی معروف قوال نے یہ کلام پڑھا، جو لحن اور موسیقی کی دلآویزی اور ہندو پاک کے عوام کے سکر آمیز بے عملی کے میلان کے باعث انتہائی مقبول ہو گیا:

بھر دو جھولی مری یا محمد لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی
کچھ نواسوں کا صدقہ عطا ہو، در پہ آیا ہوں بن کر سوالی

ذرا غور فرمایئے بھر دو اپنے جیسے اور اپنے سے چھوٹے کے لیے حکمیہ جملہ ہوسکتا ہے یہاں واحد حاضر کا صیغہ "تم" مخفی ہے۔ عام طور پر کہتے ہیں "تم یہ گلاس بھر دو' یا تم یہ تھیلا بھر دو۔" اور اپنے سے بڑے اور کسی بزرگ سے کہتے ہیں "آپ یہ جھولی بھر دیجیے۔" یہاں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اسم گرامی لے کر کہا جا رہا ہے "یا محمد جھولی بھر دو......" دیہاتی زبان میں "آپ بھر دو" بھی کہہ لیتے ہیں لیکن نہ تو یہ زبان فصیح ہے اور نہ ہی بے عیب۔ اس جملے میں شتر گربہ کا عیب ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخاطب ہونے کے باعث توہین آمیز بن جاتا ہے۔

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔" (ترجمہ: کنزالایمان)

اس شعر میں شاعر نے خود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر پایا ہے جہاں سے خالی ہاتھ لوٹ جانا اسے گوارا نہیں ہے۔ پھر نواسوں کا صدقہ طلب کیا ہے۔ یہ کسی حدیث وغیرہ سے ثابت نہیں ہے کہ آپؐ نے کسی امتی کو اپنے نواسوں کا صدقہ کھلایا ہو۔ مزید برآں یہاں جھولی بھرنے اور صدقہ لینے کا سوال کیا گیا ہے جو سراسر مادی اشیا' مال و دولت اور دنیاوی اسباب کا سوال ہے۔ کسی روحانی فیضان یا تقویٰ کے حصول کا ذکر نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم میں خالی دنیا طلبی پر آخرت برباد ہو جانے کی وعید ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔" (البقرہ' آیت **200**' ترجمہ: کنزالایمان) "لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی" میں ضد کا سا انداز ہے جو بہت بڑی جسارت ہے۔ یہ شعر اگر کسی مجذوب کا ہے تو ٹھیک (مجذوب پر شریعت کا اطلاق نہیں ہوتا) لیکن اس کو پڑھنے' سن کر جھومنے اور کی تشہیر کرنے والے ہر صاحبِ عقل و ہوش انسان کا مواخذہ ہوسکتا ہے۔ اتنے عیب ہونے کے باوجود اس کلام پر لوگ جھومتے ہیں اور نوٹ نچھاور کرتے ہیں۔ آج کل نعت خواں بھی یہ کلام پڑھنے لگے ہیں۔

بہت سے شعرا قبر' حشر اور قیامت کے احوال پر مبنی متن تخلیق کر دیتے ہیں جو سراسر خیالی مضمون ہوتا ہے اور ظاہر ہے نرا جھوٹ ہے۔ جیسے پروفیسر اقبال عظیم نے کہا:

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقا نے عزت بچا لی
فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپا لی

یاد رہے کہ فردِ عصیاں دنیا میں کسی کے ہاتھ نہیں لگتی۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اور ہر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ لٹکا دی ہے ہم نے اس کی تقدیر اس کی گردن میں اور نکالیں گے ہم اس کو

دکھانے کے لیے روزِ قیامت ایک نوشتہ پائے گا وہ جسے کھلی کتاب کی مانند۔ پڑھ اپنا اعمال نامہ۔ کافی ہے تو خود ہی آج اپنا حساب لگانے کے لیے۔''

ان آیاتِ قرآنی کی موجودگی میں قیاس پر مبنی کوئی بھی ڈرامائی انداز کا بیان' کسی بھی صورت مستحسن نہیں ہوسکتا۔ شاعر کا خیال الفاظ کی بندش اور شعر کی مجموعی فضا کے حوالے سے منصۂ شہود پر آتا ہے' یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک واقعے کی صورت میں مرئی (Visual) بنایا گیا ہے۔ عوامی سطح پر تو اقبال عظیم کا یہ شعر بہت مقبولیت پا چکا ہے لیکن اہلِ علم کے نزدیک اس میں سقم ہے۔

علامہ اقبال جیسے زیرک اور بیدار مغز شاعر نے بھی پہلے پہل ایسے نعتیہ اشعار کہے تھے جو بعد میں انہیں خود ہی حذف کرنے پڑے۔ ان کی حیاتِ دنیوی میں وہ اشعار کسی کتاب میں شامل نہیں کیے گئے بعد میں محققین نے ان اشعار کی تحفظ کا فریضہ انجام دیا:

اس نے پہچانا نہ تیری ذاتِ پر انوار کو......جو نہ سمجھا احمدِ بے میم کے اسرار کو

قاب قوسین بھی' دعویٰ بھی عبودیت کا...... کبھی چلمن کو اٹھانا' کبھی پنہاں ہونا

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر......وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کے

ہم جانتے ہیں میم کے پردے میں کون ہے......ہاں بھید یوں منہ نہ چھپایا کرے کوئی

ان تمام اشعار میں ''احمد'' کے ''میم'' کو ہٹا کر حضور اکرمؐ کی ذاتِ والا صفات کو ''احد'' کے درجے پر فائز دیکھنے کی خواہش ہے جو معرفت کی زبان میں ''حقیقتِ محمدؐ'' کے ظہور کا نقطہ ہے' لیکن اس کی غلط تفہیم کے باعث ہماری شاعری میں اس طرح کے خیالات گردش کرتے رہے ہیں مثلاً محسن کاکوری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا لکھا ہے:

حقا کہ وہ جسم سرسے تاپا......ہے شاہدِ غیب کا سراپا

دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم......آئینہ بنا کے قدِ آدم

کھینچی بکمال حسنِ تدبیر......نقاشِ ازل نے اپنی تصویر

یا آسی غازی پوری کا بڑا مشہور ہے:

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفی ہو کر

تاہم اقبال نے اپنے وہ اشعار حذف کر کے اپنے تنقیدی شعور کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ بعد میں ان کی شاعری میں باقاعدہ نعت تو شامل نہیں ہوسکی لیکن مجموعی طور پر ان کی شاعری کے پس منظر میں یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رہا یا تعلیمات محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ السلام کا ظہور ہوا۔ مثالوں کی یہاں

گنجائش نہیں ورنہ تفصیل سے بتاتا کہ اقبال نے نعتیہ شاعری کو کن کن زاویوں سے مالا مال کیا ہے۔

نعت ایک بہت ہی نازک صنفِ شعر ہے' اس کا متن بھی قابل قبول ہونا چاہیے اور اسلوب بھی۔ سخنِ نعت میں ادبی اور شرعی معیارات کی کمی کی وجہ سے ادبی اور دینی و علمی حلقوں میں نعتیہ ادب کی پزیرائی کے امکانات ہمیشہ بہت کم رہے ہیں۔ اب فضا بدل رہی ہے تو نقدِ نعت کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ آج کل بعض نعت خواں حضرات بھی نعت گوئی کی طرف مائل ہو رہے ہیں حالانکہ (بعض مستثنیٰ Exceptions صورتوں کے علاوہ) انہیں نہ تو نعتیہ شاعری کی شرعی نزاکت کا علم ہوتا ہے اور نہ ادبی لحاظ سے ان کا مطالعہ' مشاہدہ اور مشقِ سخن ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایک بھی ڈھنگ کا شعر کہہ سکیں۔ لیکن نعتیہ محافل میں ان کی آواز کا جادو چل جاتا ہے۔ مجھے حیرت اس وقت ہوتی ہے جب بعض علما بھی ان کی نیم پختہ اور بے وزن شاعری پر یا تو سر دھنتے ہیں یا خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ کاش علما اور نعت کے عمومی Audience میں کلام کے حُسن و قبح کو سمجھ کر اچھے کلام کی تحسین کرنے اور کمزور کلام کی اصلاح کے خیال سے نعت خواں کو ٹوکنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔ نعتیہ محافل کی Commercialization کے ماحول نے نعت کے حُسن و قبح کو مخلوط کر دیا ہے۔ اللہ خیر فرمائے' آمین۔ نعتیہ کتب پر انعامات کے سلسلے نے بھی بعض شہرت طلب شعرا کو عجلت میں کتابیں چھاپنے اور انعامات حاصل کرنے لیے دوڑ دھوپ کرنے میں مصروف کر دیا ہے۔ انعامات کے لیے کتب کی جانچ کی غرض سے ایسے منصفین کی تلاش رہتی ہے جو شعرا کے لیے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے ہوں۔

(۴) 'نعت نگاری میں تنقید کی روایت قرنِ اوّل سے ملتی ہے': ڈاکٹر شہزاد احمد

☆ ڈاکٹر شہزاد احمد صاحب! یہ بتائیے کیا نعت نگاری میں تنقید کی گنجائش نکلتی ہے؟

☆ ڈاکٹر شہزاد احمد: اسلامی فکر کے مطابق ایک سچا مسلمان ہونے کے لیے خدا پر ایمان لانے کے ساتھ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت کا اظہار بھی لازمی ہے اسی تناظر میں شعرائے کرام نے شعر و سخن کے گلشن سجائے ہیں چنانچہ نعت کا اطلاق ایسے کلام پر کیا گیا جس میں آخری پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہو اور ان سے والہانہ محبت کا اظہار کیا گیا ہو' نعت کے لیے صنفِ شعر کی کسی ہیئت کی پابندی نہیں یہ شاعر کا اپنا مزاج ہے کہ وہ اپنے جذبات و احساسات کو اصنافِ سخن کے کس قالب میں سموتا ہے۔ نعت گوئی کی مستقل روایت عربی اور فارسی سے اردو زبان میں آئی ہے۔ اردو نعت کا باقاعدہ آغاز گیارہویں صدی ہجری میں ہوا' اردو کے پہلے صاحبِ

دیوان شعر سلطان محمد قلی قطب شاہی نے نعت کی مستقل حیثیت کو متعارف کرایا' ان کی کلیات میں نعت کے نادر نمونے شامل ہیں۔ نعت گوئی کا جدید دور 1857ء کی جنگ آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس دور میں نعت نگاری کے نئے نئے امکانات سامنے آئے نعت میں نیا طرزِ احساس' اجتماعی شعور اور تازہ لَے سنائی دینے لگی۔ قیام پاکستان کے بعد ہمارے یہاں بھی نعت نے مسرت افزا ترقی کی۔ راقم الحروف کے ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر شہزاد نے کہا کہ لفظ محمدؐ کے منتخب ہوتے ہی نعت کا آغاز ہو چکا تھا کیوں کہ لفظ محمدؐ کے معنی ہیں ''بہت تعریف کیا گیا۔'' نعت کہتے وقت یہ خیال بھی رکھنا ضروری ہے کہ کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔ نعت گو شاعر اور تنقید نگار کو شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے فکری رجحانات کو پیش کرنا چاہیے۔ نعت نگاری میں تنقید نگار اپنی طرف سے مفروضے قائم نہیں کرے گا۔ نعت نگاری میں تنقید کی روایت قرنِ اوّل سے ملتی ہے اس کے مظاہر و شواہد مختلف صدیوں میں ملتے ہیں نعت تنقید کی گنجائش اب بھی ہے اور آنے والے وقتوں میں بھی رہے گی۔ پاکستان میں تخلیق ہونے والا نعتیہ ادب پوری دنیا میں قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے۔ اب نعت کے متفرق موضوعات پر تحریکی انداز میں روز و شب کام ہو رہا ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام نعتیہ ادب کے کاموں کو ایک مرکز پر لایا جائے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں اس کے اثرات و برکات سے مستفید ہوتی رہیں۔ پاکستانی نعت گو شعرا کے حوالے سے پاکستان میں سب سے پہلی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' ہے۔ 1974ء میں شائع ہونے والی اس کتاب کے تخلیق کار پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری ہیں تاہم جنوری 1974ء میں انڈیا کے ڈاکٹر طلحہ رضوی کی نعتیہ شاعری کو ہم انڈیا میں نعت کی پہلی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ 1976 میں ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کا ڈاکٹریت کا مقالہ اردو میں نعتیہ شاعری کراچی سے شائع ہوا تھا اس پر فاضل مقالہ نگار کو 1955 میں ناگپور (بھارت) سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل چکی تھی۔ نعتیہ تذکرہ نگاری کے حوالے سے سب سے پہلا تذکرہ ''اردو میں نعتیہ شاعری کے سات سو سال'' جو حمایت علی شاعر کا تحریر کردہ ہے جس کو سندھ یونیورسٹی جام شورو نے 1978 میں شائع کیا تھا' میں یہاں یہ بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قیامت تک انتہائی شان و شوکت سے منظوم ہوتا رہے گا کیوں کہ اس کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے وہ اپنے نبیؐ کا ذکر بلند کرتا رہے گا۔ جو لوگ نعت کے فروغ میں مصروف عمل ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں کہ نعت نگاری باعث ثواب اور عین عبادت ہے۔

***

پروفیسر مسعود اختر ہزاروی

بارگاہِ رسالتؐ میں نذرانہ نعت کے آداب

رسول کریم ﷺ سے محبت والفت کا تعلق ہر اہل ایمان کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں محبوب کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف ہوتی ہے اور حسنِ خلق و سیرت کا بار بار تذکرہ بھی۔ نعت لکھنے اور پڑھنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ہمارے دلوں میں حب رسول ﷺ کی شمع فروزاں ہو۔ آپ ﷺ سے اظہار محبت کے معنوی حقائق اس ارشاد گرامی سے آشکارہ ہو جاتے ہیں کہ ''لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین'' کہ اس وقت تک تم میں سے کسی کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ، اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کے مجھ سے محبت کرنے والا نہ ہو'' نعت لکھنا اور پڑھنا باعث سعادت ہے لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے ضروری اسلامی علوم و معارف سے آگاہی اور (حتی الامکان) مقام مصطفی ﷺ کی پہچان ضروری ہے۔ احمد رضا بریلویؒ (جو خود اعلیٰ پائے کے نعت گو شاعر تھے) نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ''نعت لکھنا ایک مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ یہ تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے''۔ اگر شاعر حد سے بڑھتا ہے تو الوہیت تک پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص اور توہین کے زمرے میں آجائے گا۔ البتہ ''حمد'' اس کے مقابلے میں آسان ہے کیونکہ اللہ کی بڑھائی اور کبریائی بیان کرنے کی کوئی حد ہی نہیں۔ ویسے تو نعت نثر اور نظم دونوں صورتوں میں ہوتی ہے لیکن عرف عام میں نظم اور اشعار کی صورت میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ عقیدت و خلوص پیش کیا جائے تو اسے ''نعت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''انّ من الشعر حکمة'' (صحیح بخاری باب مایجوز من الشعر) ''بعض اشعار حکمت سے بھرے ہوتے ہیں''۔

حضور ﷺ کی مدحت اور شمائل و خصائص کو ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ نے اشعار کی صورت میں بیان کیا اور اس کا سلسلہ ابھی تک جاری و ساری ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حسان بن ثابتؓ، اسود بن سریعؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، عامر بن اکوعؓ، عباس بن عبدالمطلبؓ، کعب بن زہیرؓ اور نابغہ جعدیؓ نعت گو شعراء تھے۔ علماء میں نعت گو شعرا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ البتہ جنہیں شہرت دوام

نصیب ہوئی ان میں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، مولانا رومؒ، امام بوصیریؒ اور جامی کے نام سرفہرست ہیں۔ اولیاء کرام میں سے جن ہستیوں کو نعت گوئی کا شرف نصیب ہوا ان میں سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت سلطان باہوؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، امیر خسروؒ، خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ محمد یار فریدیؒ اور پیر مہر علی شاہؒ کے نام مشہور و معروف ہیں۔ مدحت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی مزاج سے آگاہی کیلئے شاعر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابتؓ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ آپ وہ نعت گو اور نعت خواں صحابی ہیں کہ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر دعا دی "اللهم ايده بروح القدس" (المعجم الکبیر باب الحاء، رقم 358) کہ (اے اللہ پاک حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے حساب بن ثابت کی مدد فرما)۔ نعتیہ اشعار سننے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں تعریفی اور دعائیہ کلمات کے ذریعے سند قبول سے بھی نوازتے۔ جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نعت کا یہ شعر پڑھا کہ "فان ابی و والدتی و عرضی۔۔۔لعرض محمد منكم وقاء" (میرے ماں باپ اور عزت و آبرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس پر قربان ہو جائیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں دعا دی "وقاك الله يا حسان حر النار" کہ اے حسانؓ تجھے اللہ تعالیٰ جہنم کی گرمی سے بچائے۔

جب اشعار میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کی جا رہی ہو تو از حد ضروری ہوتا ہے کہ اس تقدس کے پیش نظر اشعار کو مکمل اسلامی ڈھانچے میں ڈھال کر پیش کیا جائے۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ نعت گو شاعر دینی علوم و معارف سے واقفیت اور پاکیزہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا شوق و شغف رکھتا ہو۔ آجکل محافل نعت کا اہتمام عام ہے جو کہ خوش آئند ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان محافل نعت کو مزید مؤثر بنانے کیلئے کچھ پہلو اصلاح طلب بھی ہیں۔ اصحاب علم کا فرض بنتا ہے کہ جہاں جہاں خامیاں ہوں انہیں فرض منصبی سمجھتے ہوئے دور کریں۔ بعض اوقات اس انداز میں عشقیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں کہ سامعین عش عش کر اٹھیں اور زیادہ سے زیادہ داد و تحسین اور نوٹوں سے نوازیں۔ العیاذ باللہ بعض مقامات پر فلمی گانوں میں ردوبدل کر کے نعتیہ اشعار بنا لیے جاتے ہیں اور اسی فلمی ترنم اور لے میں انہیں پڑھا بھی جاتا ہے۔ ہے تو یہ قابل افسوس صورت حال لیکن تعجب ان اصحاب علم پر بھی ہے جن کی سرپرستی اور زیر سایہ شفقت یہ سارا کچھ ہو رہا ہوتا ہے اور وہ جانتے بوجھتے مصلحتوں کا شکار ہو کر خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ کہ جشن ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشن بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

درمیان ایک توازن برقرار رکھیں۔ جہاں حب رسول ﷺ کے تذکرے ہوں وہاں اس کے تقاضوں سے بھی لوگوں کو آگاہ کریں۔ با شرع اور با عمل لوگوں کو نعت پڑھنے کی دعوت دی جائے۔نعت عبادت سمجھ کے پڑھی جائے نہ کہ پیشہ ورانہ انداز میں فقط حصول دولت کیلئے۔اس دوران شعائرِ اسلام کی پاسداری کا خیال رکھا جائے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان محافل کو دین اسلام کی روح کے مطابق با مقصد اور فائدہ مند بنایا جائے۔ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سامعین کو نماز کی پابندی اور فکر آخرت کی تلقین کی جائے۔ اپنے اردگرد کے ماحول کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے نسل نو کے ذہنوں میں اٹھنے والے شکوک و شبہات کے موثر جوابات دے کر ان کیلئے با عمل مسلمان بننے کی راہ ہموار کی جائے۔رات کو دیر تک محافل نعت کا انعقاد اور اسی وجہ سے نماز فجر میں اگر کوتاہی ہوگی تو گویا ہم نے جشن تو منایا لیکن مشن مصطفیٰؐ کی زرا بھر پرواہ نہ کی۔اس سے اللہ اور اس کے رسول کی کتنی خوشنودی نصیب ہوگی ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔اکثر نعت خواں تو لکھی ہوئی نعتیں ہی پڑھتے ہیں لہذا جب نعت کا انتخاب کرنے لگیں تو کسی عالم باعمل سے مشورہ کر لیں تا کہ علمی حوالے سے کوئی کمزوری ہو تو اصلاح ہو سکے۔

نعت گو شعراء کو بھی چاہیے کہ جب قلم اٹھائیں تو مدحت سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول ﷺ کی دعوت بھی دیں۔حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ اور بابرکت معمولاتِ حیات کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ سامعین مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے سیرت طیبہ کے ان محاسن سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا عزم مصمم کر لیں۔یہ ہے نعت گوئی کا حقیقی مقصد۔ * * *

****

حمد کا اطلاق خدائے وحدہ لاشریک کے لیے مخصوص

اردو زبان میں دو الفاظ ''مدح'' اور ''منت سماجت'' مستعمل ہیں۔مدح کے لغوی معنی تعریف، توصیف، ستائش اور منت سماجت بمعنی عرض معروض، خوشامد اور درخواست وغیرہ۔ اول الذکر سے ''حمد'' اور ثانی الذکر سے ''مناجات'' کی اصطلاحیں مشتق اور مستعمل ہیں۔ یہ اصطلاحیں ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص قرار دی جا چکی ہیں۔لہٰذا حمد اور مناجات کا اطلاق خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی اور کے لئے درست نہیں۔ابوالکلام آزاد 'الحمد' کی تشریح میں حمد کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں یعنی اچھی صفتیں بیان کرنا۔اگر کسی کی بری صفتیں بیان کی جائیں تو وہ حمد نہ ہوگی۔'' (ترجمان القرآن، جلد اول، ص:۳۱) * *

ڈاکٹر شعیب نگرامی

نعتِ نبویؐ میں توحید و رسالت کا فرق

نعت گوئی پر قلم اٹھاتے ہی یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ نعت گوئی کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی، اور ہماری اردو شاعری میں اسے صنفِ سخن کا درجہ کیسے ملا؟

علمائے لسانیات نے دنیا بھر میں بولی جانے والی زبانوں کو متعدد گروپوں میں تقسیم کیا ہے، سامی اور آرین ان لسانیاتی گروپوں کی اہم ترین شاخیں ہیں۔ آرین زبانیں غیر منقسم ہندوستان اور پورے یورپ میں بولی جاتی ہیں، اور چونکہ نعت گوئی کے مخاطبِ اوّل انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہوا کرتے تھے اور آرین زبانوں کے علاقوں میں کسی نبی یا رسول کی بعثت کے علمی شواہد نہیں ملتے اس لیے آرین زبانوں میں صنفِ نعت کی تلاش تحصیلِ لاحاصل ہے۔

رہی سامی زبان اور اس سے نکلی ہوئی زبانیں، جن کی تعداد علمائے لسانیات کے مطابق 63 ہے اور اس کا علاقہ پورا مشرق وسطیٰ اور براعظم افریقہ کا بڑا حصہ ہے۔ سامی گروپ کی ایک قدیم ترین زبان عبرانی ہے جس کی ابتدا فلسطین سے ہوئی اور جو یہودیوں کی قومی زبان تھی اور آج بھی ہے۔ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں یہودیوں میں بے شمار انبیاء کی بعثت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ تورات یہودیوں کا آسمانی صحیفہ تھا اور قرآن کریم کی گواہی کے بموجب یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے اس میں براہِ راست تحریف کی۔ محرف شدہ تورات اس وقت ہمارا موضوعِ سخن نہیں، لیکن محرف شدہ آسمانی صحیفے اور عبرانی لٹریچر میں انبیائے یہود کی تعریف و توصیف کے بجائے ان پر بداخلاقی اور بدکرداری کے گھناؤنے الزامات کا انبار ہے، اور خاص طور پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی نجی زندگی کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اُس کو پڑھ کر حیا کی آنکھیں بھی جھک جاتی ہیں۔ سامی زبانوں کی دوسری اہم ترین اور قدیم ترین زبان عربی ہے جس کی ابتدا جنوبی عرب میں ہوئی اور پھر شمالی عرب بالخصوص مکہ مکرمہ میں آباد قبیلہ جرہم دوئم کے سردار کی بیٹی کے ساتھ عبرانی بولنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شادی کے بعد یہ زبان اپنی نشو ونما کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ شریفہ سے ڈیڑھ سو سال قبل ایک مکمل ادبی زبان کی شکل میں معرضِ

وجود میں آئی۔مشہور عرب ادیب جاحظ نے اسی ڈیڑھ سو سالہ عرصے کو زمانۂ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے اور اسی ڈیڑھ سو سال میں وہ اعلیٰ شعری ادب وجود میں آیا جس کو ہم جاہلی ادب کے نام سے جانتے ہیں اور جو آج بھی عربی ادب کے ہر طالب علم کے لیے چراغِ راہ ہے۔

نعت کیا ہے؟

عربی زبان میں نعت گوئی کی ابتدا کا ذکر کرنے سے قبل آیئے دیکھیں کہ نعت کیا ہے؟ نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معانی تعریف وتوصیف کے ہیں،لیکن اصطلاحاً ان اشعار کے مجموعے کا نام ہے جس کو نعت گو اپنے خونِ جگر سے تیار کر کے محسنِ انسانیت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر انسانیت دوست مشن کو نذرانۂ عقیدت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔صاحبِ اقتدار اور دوستوں کی مدح و توصیف اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف میں بڑا فرق ہے اور یہ فرق ہمیں زمانۂ جاہلیت اور اس کے بعد عربی زبان کے مدح کے قصائد اور نعتیہ قصائد جن کی ابتدا ہجرتِ شریفہ کے بعد ہوئی، بڑی وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔نعت کا ذخیرہ عام مدح وتوصیف کے مقابلے میں کیت، معیار اور قدر و قیمت ہر اعتبار سے بہتر و برتر ہے اور اس کے نفسیاتی اور عقلی اسباب ہیں۔نعت گوئی کا تعلق دل کی گہرائیوں تک اترتے ہوئے عقیدے، فکر وشعور کی تمام طاقتوں پر اثرانداز ہونے والے ایمان، سعادت، خوش بختی اور توفیقِ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔یہ تمام عقلی، ایمانی اور جذباتی اسباب شاعری کی پوشیدہ طاقتوں کو ابھارتے، خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کرتے ہیں، اور افکار ومعانی کی ایک دنیا شاعر کے سامنے آجاتی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وجذبات میں ابال آجاتا ہے۔شاعر کا داخلی جذبہ موجزن ہوجاتا ہے۔دین وایمان کا تقاضا ابھر کر آجاتا ہے اور پھر اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نعت گو کے سامنے افکار وخیالات کا بحرِ ذخار ہوتا ہے اور وہ ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے۔لیکن اس کے برخلاف جو قصائد کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ عزت وثروت کی شان میں کہے جاتے ہیں وہاں مال و منصب کی طلب ہوتی ہے یا حالات کا تقاضا اور وقتی مصالحت۔اس قسم کے قصائد میں عربی میں متنبی، فارسی میں فردوسی اور اردو میں ذوق کا نام لیا جاسکتا ہے۔

عہدِ رسالت میں نعت کا آغاز

اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ نعت گوئی کی ابتدا عربی زبان میں ہوئی۔چوتھی صدی ہجری کے

مشہور تنقید نگار ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''الشعر والشعراء'' میں لکھا ہے کہ پہلا نعتیہ قصیدہ مکی شاعرہ حضرت اُم معبدؓ نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرتِ شریفہ کے وقت کہا تھا۔ اور پھر ہجرت کے بعد مکہ کے کفار شعراء کی محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشنام طرازیوں کے جواب کے لیے نعت گو شعراء کا جو اسکول قائم ہوا اُس کے معمار سیدنا حسان بن ثابت، سیدنا کعب بن زہیر اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ سیدنا کعب بن زہیرؓ ایک قادرالکلام اور اصنافِ سخن پر حاوی خاندانی شاعر تھے۔ ان کا نعتیہ قصیدہ ''بانت سعاد'' اس قدر مقبول ہوا کہ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں۔ عربی کی 22 شرحوں کے علاوہ فارسی اور اردو میں بہت سے ترجمے اور شرحیں لکھی گئیں جن میں سب سے زیادہ اور سب سے مشہور شیخ احمد بن شمس الدین دولت آبادی کی عربی شرح ہے۔ اس کے بعد مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی عربی وفارسی شرح اور مولانا ذوالفقار علی کی منظوم شرح وترجمہ ہے جو 1217ھ میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔

توحیدِ خالص کی تینوں قسموں میں توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحید صفات کو ذہن میں رکھ کر عصرِ اسلامی کے نعتیہ کلام کا اگر آپ مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان قصائد میں نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت کا درجہ دینے کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں، کیونکہ ان قصائد کے کہنے والے، آغوشِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت پانے والے ایسے نیک نفس لوگ تھے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے کردار و اخلاق سے انسانیت کی تاریخ میں دلکشی ورعنائی آ گئی۔ فضاؤں میں رحم وکرم کی خنکی چھا گئی، محبت والفت کی خوشبو پھیل گئی اور سعادت کا بازار گرم ہوگیا۔ اندلس کے مشہور عالم ابن عبداللہ اور ابن کثیر نے آغوشِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش پانے والے ان اصحابِ رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روئے زمین پر انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے برگزیدہ یہی لوگ تھے۔

عہدِ بنی امیہ میں نعت گوئی

عصرِ اسلامی کے بعد جب عہدِ بنی امیہ میں نعت گوئی کا آغاز ہوا تو اس کی ڈگر ذرا مختلف راہ پر چل نکلی۔ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ کربلا میں جو سانحہ پیش آیا، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے ساتھ اس کا ذکر مبالغہ آرائی کے ساتھ ہونے لگا۔ ان نعت گو شعراء کے سرفہرست کمیت الاسدی، دعبل الخزاعی، اور الشرف رضی تھے۔ قاہرہ یونیورسٹی میں تاریخ عربی ادب کے پروفیسر ڈاکٹر

شوقی ضیف نے کمیت الاسدی کے دیوان ''الھاشمیات'' کو عربی ادب کا پہلا سیاسی دیوان قرار دیا ہے جس میں کمیت نے اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حقِ خلافت کے لیے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ مذکورہ تینوں شعراء نے اپنے سیاسی نظریات سے قطع نظر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کسی بھی فرد کو الوہیت کا درجہ نہیں دیا، کیونکہ وہ توحید کی تینوں قسموں اور ان کے معانی ومطالب سے بخوبی آگاہ تھے۔

نعت گوئی کو توحید سے شرک کی طرف دھکیلنے کا رجحان

عربی کی نعتیہ شاعری کو توحیدِ خالص کی ڈگر سے ہٹا کر شرک کے غار میں دھکیلنے کے گنہگار ساتویں صدی کے اندلسی الاصل شاعر ابن ہانی اور اسکندریہ کے نعت گو شاعر محمد بن سعید البوصیری تھے جن کے بارے میں میرے ایک استاد ڈاکٹر محمد النجار کہا کرتے تھے کہ مذکورہ دونوں شعراء نے شرکیہ نعت گوئی کا جو شجرِ خبیثہ لگایا تھا وہ آج بھی پھل پھول رہا ہے۔ عربی کے بعد جب ہم دوسری اسلامی زبان فارسی کے نعتیہ ذخیرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک ایسی حقیقت کھل کر آتی ہے جو فارسی کے نعتیہ کلام کا تجزیہ کرنے میں ہماری ممد ومعاون ہوئی ہے، اور وہ حقیقت خلافتِ عباسیہ کی ابتدا سے اُس کے خاتمے یعنی تقریباً 500 سال تک اہلِ فارسی کی ادبی دنیا میں حکمرانی ہے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ عربوں کی سادگی اور عربوں کی تہذیب وتمدن کی بھرپور حفاظت کی لیکن اس کے برخلاف خلافتِ عباسیہ بالکل ایرانی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ خلفائے بنو شیبہ عربی النسل تھے لیکن خلافت کو چلانے والے تمام تر ایرانی تھے جنھوں نے کبھی بھی دل سے عربی ادب اور عربی تہذیب وتمدن کی بالادستی قبول نہیں کی اور ساتھ ہی انہوں نے تہذیب حجازی کو مٹانے کی جو کوششیں کیں ان کا ذکر المسعودی نے اپنی کتاب ''مروج الذھب'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ عصرِ عباسی کی عرب دشمن تحریک ''شعر ہیت'' کے نام سے جانی جاتی ہے اور اس تحریک کا سب سے بڑا شاعر ''ابونواس'' تھا جو عربوں کی تہذیب وتمدن اور عربی کی شعری روایات کا سب سے بڑا دشمن بھی تھا، اس کے ایک شعر کا ترجمہ ہے: ''نہ لیلیٰ کو روؤ اور نہ ہند کے مشتاق بنو، بلکہ گلاب کے پھولوں کی کیاریوں میں شراب گلرنگ پیو''۔

لیلیٰ اور ہند نامی ان دو خواتین کا نام عربی شاعری میں اکثر آتا ہے لیکن ابونواس شعراء کو ان کے نام لینے سے بھی روکتا تھا جو اس کی عرب دشمنی اور عرب تہذیب سے نفرت کی واضح دلیل ہے۔

فارسی شاعری پر محاکمہ ہمارا موضوع نہیں، لیکن ان افکار وخیالات کی نشاندہی ضروری ہے جو

فارسی کے نعتیہ کلام پر اثرانداز ہوتے ہیں۔عہدِ عباسی کی ابتدا میں فارسی کی شاعری پر عربی تہذیب وتمدن کا بہت کچھ اثر رہا لیکن چوتھی صدی ہجری آنے تک اور بالخصوص شیراز میں آکر اس کا ڈھانچہ بالکل بدل گیا اور حافظ نے اس زوروشور سے غزل کا غلغلہ بلند کیا کہ اس گنبدِ لاجوردی سے آفریں ومرحبا کی صدا آنے لگی۔عجمی تصوف، یونانی فلسفہ کے تراجم اور الحاد وبے دینی کی اشاعت نے قدرتی طور پر وہ مضامین پیدا کر دیئے جس نے اسلام کے نظامِ اخلاق کو تہ وبالا کرڈالا،جس نے شریعت اور علماء کے بخیے ادھیڑ دیئے،جس نے واعظ، زاہد اور محتسب کی پگڑیاں اچھال دیں،جس نے شراب اور پانی کو ایک کر دیا۔غرضیکہ شیراز میں اسلام کا شیرازۂ اخلاق بکھر گیا۔ملحدوں، زنادقہ اور صوفیہ کی گرم بازاری سب سے زیادہ شیراز ہی میں ہوئی۔اس الحادی دور کی تفصیلات امام ابن قیم الجوزی نے اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں درج کی ہیں۔شبلی نے اپنی کتاب ''شعرالعجم'' میں لکھا ہے کہ غزل کی رندی وسرمستی اور صوفیانہ عقائد وخیالات کی ادب پر حکمرانی کے دور میں دوسرے اصنافِ سخن کے ساتھ فارسی نعت گوئی کی بھی ابتدا ہوئی۔اور فارسی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ چند کو چھوڑ کر اکثر فارسی نعت گو شعراء کو نعت کی حد نہیں معلوم تھی،وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ توحید ورسالت کے مابین کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کیا حدیں ہیں اور کیا کہنے سے بندہ بندہ نہیں بلکہ خاکم بدہن خدا بن بیٹھتا ہے۔اسی لیے فارسی نعت گو شعراء دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے باوجود اپنے موروثی مذہب ''مجوسیت'' اور وحدۃ الوجود کے شرکیہ عقیدے سے اپنا دامن نہ چھڑا سکے۔ان شعراء میں سرفہرست فرید الدین عطار، جلال الدین رومی اور عبدالرحمن جامی کے نام لیے جاسکتے ہیں۔رومی نے اپنی ایک نعت میں اس بات کو ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ * * *

****

حمد......اسی سے دل کو قرار ہے

''حمد'' اُس خدائے عظیم وجلیل کی تعریف وتوصیف ہے۔جس کے قبضۂ قدرت میں ہر مجسمۂ گِل وتمام نفس کی جان ہے۔جس کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں سپیدۂ سَحر کی خوابیدہ آنکھوں سے لے کر سُرخیِ شام کی بوجھل پلکوں تک......جس کے بابرکت ناموں کی تسبیحیں اور تلاوتیں ہوتی ہیں چڑیوں کی چہچہاہٹ سے لے کر آبشاروں کی گنگناہٹ تک...... وہی ہمارا خالق ہے......وہی ہمارا مالک ہے...... اسی سے جہاں کی بہار ہے......اسی سے دل کو قرار ہے......(ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی) * * *

ابوالبیان

حمد ومناجات پر مواد کی کمیابی

ادب میں ''حمد ومناجات'' شاعری کی ایک صنف ہے۔جس طرح شاعری میں نعت کا موضوع نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کی مدح وتوصیف ہے اسی طرح ''حمد'' اللہ جل شانہ کی ذات کی مدح وتوصیف، ستائش، تحسین، تمجید اور شکر گزاری ہے۔ یہ اصطلاح شاعری ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے نثر میں بھی حمد کہی جاتی ہے۔زبان سے بھی حمد وثنا بیان ہوتی ہے اور دل ہی دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا بھی ''حمد'' ہے۔

مناجات عربی لفظ نجویٰ سے مشتق ہے،جس کی معنی سرگوشی کے ہیں۔مناجات کا مفہوم سرگوشی میں اللہ سے دعا کرنا۔اپنے دل کا حال بیان کرنا، اپنی ضرورت کے پورا ہونے کی آرزو کرنا اور اپنے لئے نجات اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا چاہنا ہے۔شاعری میں مناجات کا مفہوم ''دعائیہ نظم'' ہے۔جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات اور ضروریات کا ذکر کرکے اس کے پورا ہونے کی التجا کرتا ہے۔علامہ اشرف علی تھانویؒ نے دعاؤں کی جو کتاب مرتب کی ہے، اس کا نام ''مناجات مقبول'' رکھا ہے۔الطاف حسین حالیؔ نے ایک بیوہ کی منظوم فریاد لکھی ہے، اس کا نام ''مناجات بیوہ'' رکھا ہے۔

اردو شاعری میں نعت گوئی کے مقابلے میں حمد ومناجات کا رواج کم رہا ہے۔اردو ادب میں نعتیہ شاعری کے بے شمار مجموعے دستیاب ہیں۔نعت گوئی کی وجہ سے بعض شعرا مستقل طور پر نعت گو شعرا کہلاتے ہیں۔قدیم وجدید نعتیہ شاعری کے مجموعے وگلدستے اردو کے علاوہ عربی اور فارسی کے منتخبات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ابھی حال ہی میں مراٹھی شاعر سریش بھٹ کی مراٹھی نعت کے نہ صرف اردو منظوم تراجم شائع ہوئے بلکہ اس پر تجزیاتی مضامین بھی لکھے گئے۔فن نعت گوئی پر کئی کتابیں شائع ہوئیں۔اس کی ابتدا، ارتقا، تعریف، موضوع، فضیلت، لوازمات اور شرائط وغیرہ کے تحت نعت گوئی پر ایک بہت بڑا اور کافی مواد موجود ہے۔ہر تقریب میں تلاوت قرآن کے بعد مترنم آواز میں نعت خوانی کا عام رواج ہے۔عربی مدارس کے اجلاس میں بھی تلاوت کے بعد بچوں سے نعت خوانی کروائی جاتی ہے۔حمد کے لئے تلاوت قرآن ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔نعت کی بہ نسبت حمد ومناجات کم تو کہی گئیں۔اس موضوع پر بہت کم لکھا بھی گیا، جس کے سبب مواد کمیاب ہے۔

***

باب

تدبّرات

جہانِ حمد و نعت

عکسِ تحقیق،نقشِ تنقید

[حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین]

اُردو میں حمد نگاری اور اِس کا ارتقائی سفر
طاہر سلطانی

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ میں طاہرؔ سلطانی کا حصّہ
سہیل احمد صدیقی

حماد انجم ایڈووکیٹ : غزل کی ہیئت میں حمد ونعت کا منفرد شاعر
ڈاکٹر شمس کمال انجم

تلوک چند محروم کی حمدیہ شاعری
ڈاکٹر محمد کلیم محی الدین

داغؔ دہلوی کے کلام میں حمد ونعت
ڈاکٹر داؤد رہبر

قصیدۂ بُردہ وقصیدہ برأت کا ایجازی مطالعہ
ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری ایڈوکیٹ

عطر گلاب از گلستانِ حمد ونعت
مفتی محمد اسحٰق نازکی قاسمی

علامہ سید عابد علی وجدیؔ کی نعت گوئی
ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط

محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ قصیدہ گوئی کا تنقیدی مطالعہ
ڈاکٹر اویس احمد

علامہ احمد رضا خان فاضلؔ بریلوی کا نعتیہ کلام
ڈاکٹر جوہرؔ قدّوسی

رشید وارثی: ناعتِ شیریں بیاں
ڈاکٹر شبیر احمد قادری

طاہر حُسین طاہرؔ سلطانی
مدیر: 'جہانِ حمد' 'ارمغانِ حمد' کراچی

اُردو میں حمد نگاری اور اِس کا ارتقائی سفر

[نوٹ: مضمون بہت پہلے لکھا گیا ہے اور update کا متقاضی ہے... مدیر]

وظیفۂ حمد ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران و انبیاء کرام کے دنیا میں آنے کا مقصد انسانوں کو رب کی بندگی اور حمد باری تعالیٰ بیان کرنے کا سلیقہ و قرینہ سکھانا تھا۔ تمام انبیاء کرام زندگی بھر اللہ رُب العزت کی حمد کرتے رہے۔ تمام مذاہب میں اللہ تعالیٰ کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ لیکن اسلام نے اللہ عزوجل کا جو تصور پیش کیا ہے وہ افضل و برتر اور حق و صداقت پر مبنی ہے۔ ہر مسلمان اور ہر انسان، ہر چرند و پرند غرض یہ کہ ذرّہ ذرّہ زبان و قلم سے مالکِ کائنات کی پاکی بیان کر رہا ہے...... شعراء کرام دانشوران عظام اپنی بساط بھر یہ قرض ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ترے فیصلے ہیں عظیم تر تری حکمتوں کی کسے خبر // تو شعور و فکر سے ماورا تری شان جلّ جلالہٗ

خواہش مجھے کہاں ہے کہ کوئی قمر ملے // تا عمر تری حمد لکھوں وہ ہنر ملے
خونِ جگر سے حمد کی شمعیں جلاؤں میں // توفیق اس کی خالق عالم اگر ملے
دل کے نگر میں روشنیوں کا قیام ہے // سوچا ہے جب سے میں نے کہ حمد خدا لکھوں
ردّ وہ ہر اک عمل ہوا جس میں تیری رضا نہیں // سانس وہ سانس ہی نہیں جس میں تیری ثنا نہیں
کعبہ کلیسا، بت کدہ، دیر ہو یا حریمِ ناز // کون سی جا ہے جس جگہ ذکر ترا ہوا نہیں

یوں تو خدا کے جلوؤں کی ہر جگہ فراوانی ہے۔ عالم امکان کے ہر گوشے اور ہر ذرّہ میں اس کا پرتو موجود ہے لیکن اس کی واضح اور نمایاں نشانیاں خود انسان میں موجود ہیں اس کی روح اور اس کے دل میں خدا ہی جاگزیں ہے۔ یہ ہماری خامی اور عقل کی کوتاہی ہے کہ ہم اسے مظاہر

قدرت میں ہر جگہ تلاش کرتے ہیں لیکن اپنی ذات کو فراموش کر دیتے ہیں۔خدا کی تلاش،اس کی جستجو،اسے پانا اور سمجھنا یہی مقصود حیات ہے اور اسی غرض سے انسان تخلیق کیا گیا۔اگر مقصد حیات حاصل کرنا ہے تو رُوح و دل کی گہرائیوں میں خدا کو تلاش کیا جائے۔

غافلو ڈھونڈتے پھرتے ہو جس کو عالم میں // غور سے دیکھو وہ ہے دل میں تمہارے بیٹھا

باوجود اس حقیقت کے کہ خدا کا جلوہ ہر طرف اور خود انسان میں موجود ہے اس کو پالینا آسان نہیں اپنی خرد کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس لامحدود ذات کو محدود دائرے میں لانے کی کتنی ہی سعی کی جائے مگر کامیابی کا امکان نہیں قرآن میں باری تعالیٰ نے اپنی صفات خود بیان کی ہیں ان میں رحمت،رحم اور کرم کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔تمام مخلوق کی مغفرت اللہ کی انہیں صفات کی مرہون منت ہے اس لیے جہاں انسان ان کے سہارے سے گزرتا ہے وہاں شاعران کا ذکر بھی بار بار کرتا ہے۔

تیری رحمت سے نااُمید نہیں // اپنی محرومیوں سے ڈرتا ہوں

اہل نظر اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ (بیسویں) صدی کی تیسری دہائی تک جن شعراء کے دواوین شائع ہوئے ہیں ان کی ابتدا بسم اللہ یا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوئی ہے اسے محض ایک روایت کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔خیر و برکت کے اس کلمہ کو صرف دواوین و مثنویوں تک محدود نہ سمجھا جائے۔اُردو میں جو کتابیں لکھی گئیں وہ چاہے نثر میں ہوں یا نظم میں اس کلمۂ برکت سے خالی نہیں۔

زبان وقلب یہ فکر رسا بھی تیری ہے // مرے قلم میں روانی عطا بھی تیری ہے
بلا ستون معلّق ہے عقل ہے حیراں // یہ آسمان کی نیلی ردا بھی تیری ہے
بھٹک رہا تھا اندھیروں میں آدمی کب سے // ترے نبی نے جو بخشی ضیا بھی تیری ہے
ترے حبیب پہ بھیجیں درود کے تحفے // یہ حکم بھی ہے ترا اور رضا بھی تیری ہے

حمد دُنیا کی ہر زبان اور ہر صنف میں کہی جارہی ہے۔وظیفۂ حمد ہر مسلمان اور انسان پر فرض

ہے۔اُردو میں حمد نگاری کا آغاز اردو کے آغاز میں ہی ہو گیا تھا۔متقدمین اصولِ ثواب کے لیے دواوین کے آغاز میں حمد کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اُردو میں سب سے پہلی حمد لکھنے کا اعزاز فخر الدین نظامی کو حاصل ہوا۔اُردو کی پہلی مثنوی قدم راؤ پدم راؤ ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۵ عیسوی کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی۔اس مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ دراز ہوتا ہوا ولی دکنی،سراج اورنگ آبادی، مرزا رفیع سودا، میر تقی میر، سچل سرمست،نظیر اکبر آبادی، مومن خان مومن، ذوق دہلوی،مرزا غالب، بہادر شاہ ظفر،میر انیس،مرزا دبیر،امیر مینائی،داغ دہلوی،محسن کاکوروی،مولانا حسن رضا بریلوی، الطاف حسین حالی،اسمٰعیل میرٹھی،مولانا احمد رضا خان بریلوی اور علامہ اقبال،مولانا ظفر علی خاں، بہزادلکھنوی،شاعرلکھنوی،صبا اکبرآبادی،صہبا اختر،ماہر القادری تک جا پہنچتا ہے۔عصر حاضر میں تابش دہلوی،احمد ندیم قاسمی،راغب مراد آبادی، حفیظ تائب،حنیف اسعدی،امید فاضلی،سرشار صدیقی،عاصی کرنالی،راجا رشید محمود، ڈاکٹر ریاض مجید،علیم ناصری، ریاض حسین چودہری،خورشید خاور،شبنم رومانی،ابوالخیر کشفی،ادیب رائے پوری، اعجاز رحمانی،ظفر عمر زبیری ،ابولیث قریشی،ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی،سہیل غازی پوری، حیرت الہ آبادی وغیرہ وغیرہ۔لیکن کچھ شعراء وشاعرات نے حمد پر بھر پور توجہ کی اور مجموعہ ہائے حمد،شائع کیے۔اُردو میں اوّلین مجموعۂ حمد ''دیوانِ ایزدی'' ۱۳۲۷ہجری میں لکھنو سے شائع ہوا۔اس مجموعہ کے خالق مفتی محمد سرور لاہوری ہیں۔دوسرا مجموعہ حمد مضطر خیر آبادی کا ''نذرِ خدا'' کے نام سے ۱۹۰۸ء میں کانپور سے شائع ہوا۔تیسرا مجموعہ حمد امتہ اللہ تسنیم کا ''بابِ کرم'' ۱۹۵۴ء میں انڈیا سے شائع ہوا۔ پاکستان میں پہلا مجموعہ حمد اور ترتیب کے لحاظ سے چوتھا ''پتھر میں آگ'' ۱۹۸۰ء کو لاہور سے شائع ہوا۔اس مجموعہ کے خالق عبدالسلام طور ہیں۔

پانچواں مجموعہ حمد ''الحمد'' ۱۹۸۴ء مظفر وارثی

چھٹا مجموعہ حمد ''لاشریک'' ۱۹۸۴ء طفیل دارا

ساتواں مجموعہ حمد ''صحیفہ حمد'' ۱۹۸۸ء لطیف اثر

آٹھواں مجموعہ حمد ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' ۱۹۹۰ء حافظ لدھیانوی

نواں مجموعہ حمد ''بحضور حق تعالیٰ'' ۱۹۹۰ء کاوش زیدی

دسواں مجموعہ حمد ''قلم سجدے'' ۱۹۹۳ء لالہ صحرائی

گیارہواں مجموعہ حمد ''خالق ذوالجلال'' ۱۹۹۴ء ابرار کرت پوری

بارہواں مجموعہ حمد ''حمدیہ قطعات'' ۱۹۹۴ء مسرور بدایونی

تیرہواں مجموعہ حمد ''خدائے ذوالجلال'' ۱۹۹۶ء محبت خان بنگش

چودھواں مجموعہ حمد ''نام بنام حمد وثنا'' ۱۹۹۸ء انوار عزمی

پندرہواں مجموعہ حمد ''حمد نامہ'' ۱۹۹۸ء شیبا حیدری

سولہواں مجموعہ حمد ''اللہ اکبر'' ۱۹۹۸ء گہر اعظمی

سولہواں مجموعہ حمد ''متاعِ صراط'' ۱۹۹۸ء عابدہ کرامت

سترہواں مجموعہ حمد ''الرّحمٰن'' ۲۰۰۰ء جمیل عظیم آبادی

اٹھارہواں مجموعہ حمد ''حمد میری بندگی'' ۲۰۰۰ء طاہر سلطانی

انیسواں مجموعہ حمد ''صحیفہ حمد کا'' ۲۰۰۰ء اجمل نقشبندی

بیسواں مجموعہ حمد ''ربُّ العالمین'' ۲۰۰۱ء سجاد سخن

اکیسواں مجموعہ حمد ''اللہ الصمد'' ۲۰۰۱ء نگار فاروقی

بائیسواں مجموعہ حمد ''زبورِ سخن'' ۲۰۰۲ء تنویر پھول

تیئیسواں مجموعہ حمد ''تری ہی حمد وثنا'' ۲۰۰۲ء علیم النساء ثنا

چوبیسواں مجموعہ حمد ''الحمد للہ'' ۲۰۰۲ء عزیز الدین خاکی

پچیسواں مجموعہ حمد ''حمد ومناجات'' ۲۰۰۲ء منصور ملتانی

چھبیسواں مجموعہ حمد ''حمدیہ رباعیات'' ۲۰۰۳ء راغب مرادآبادی

ستائیسواں مجموعہ حمد ''سرچشمۂ حمد'' ۲۰۰۳ء سائرہ حمید تشنہ

اٹھائیسواں مجموعہ حمد ''محامد باری تعالیٰ'' ۲۰۰۳ء خطیب گلشن آبادی

اُنتیسواں مجموعہ حمد ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' ۲۰۰۴ء (زیر طباعت) صبا اکبرآبادی

تیسواں مجموعہ حمد ''ثنائے کبریا'' ۲۰۰۴ء یونس ہویدا

اکتیسواں مجموعہ حمد ''قسّامِ ازل'' ۲۰۰۴ء ابرار کرت پوری

بتیسواں مجموعہ حمد ''اِلّا ھُو'' ۲۰۰۴ء مشکور حسین یاد

تینتیسواں مجموعہ حمد ''سجدۂ شکر'' ۲۰۰۴ء ظفر ہاشمی

تینتیسواں مجموعہ حمد ''حریمِ حمد'' ۲۰۰۴ء کعبی بہل پوری

چونتیسواں مجموعہ حمد ''لاشریک'' ۲۰۰۴ء اعجاز چشتی فیصل آبادی

پینتیسواں مجموعہ حمد ''نغمۂ حمد'' ۲۰۰۵ء اقبال نجمی

چھتیسواں مجموعہ حمد ''ارمغانِ حمد'' ۲۰۰۵ء شاعر علی شاعر

سینتیسواں مجموعہ حمد ''خدائے شہ زمن'' ۲۰۰۸ء راجا رشید محمود

اڑتیسواں مجموعہ حمد ''حمد و ثنا کی گونج'' ۲۰۰۸ء سراج الدین سراج

اُنتالیسواں مجموعہ حمد ''تُو خالق ہے تُو مالک ہے'' ۲۰۱۰ء خورشید بیگ میلسوی

چالیسواں مجموعہ حمد ''حرفِ ناتمام'' ۲۰۱۰ء منیر سیفی

اکتالیسواں مجموعہ حمد ''کمالِ سخن'' ۲۰۱۱ء منظر عارفی

ہمارے حمد و نعت ریسرچ سینٹر میں اس وقت کل ۵۳ مجموعہ ہائے حمد موجود ہیں۔ ۴۲ شعراء و شاعرات کے ۵۵ مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے ہیں۔ لطیف اثر کے چار مجموعہ ہائے حمد کراچی سے شائع ہوئے۔ حافظ لدھیانوی کے تین مجموعہ ہائے حمد فیصل آباد سے شائع ہوئے۔ راجا رشید محمود کے پانچ مجموعہ ہائے حمد لاہور سے شائع ہوئے۔ مظفر وارثی کے دو مجموعہ ہائے حمد لاہور سے شائع ہوئے۔ اقبال نجمی کے دو مجموعہ ہائے حمد گوجرانوالہ سے شائع ہوئے۔ سجاد سخن، تنویر پھول، گہر اعظمی، ظفر ہاشمی اور طاہر سلطانی کے دو، دو مجموعہ ہائے حمد کراچی سے شائع

ہوئے۔ترتیب کچھ اس طرح بنتی ہے کہ تقسیم سے قبل دو مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے۔ تقسیم کے بعد ۵۳ مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے۔اب ان کی ترتیب ملاحظہ کیجیے :

- لاہور شہر سے نو مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے۔
- فیصل آباد سے پانچ مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے۔
- ملتان شہر سے ایک مجموعہ حمد شائع ہوا۔
- گوجرانوالہ سے چار مجموعہ ہائے حمد (دو اُردو، دو پنجابی زبان میں) شائع ہوئے۔
- کوہاٹ سے ایک مجموعہ حمد شائع ہوا۔
- گجرات سے ایک مجموعہ شائع ہوا۔
- بھارت سے چار مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے۔
- کراچی شہر سے ۲۸ مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے۔

یادر ہے یہ فہرست راقم اپنی محدود معلومات کے مطابق فراہم کر رہا ہے۔

اس حوالے سے اُردو حمدیہ ادب میں کراچی کا پچاس فیصد سے زائد حصہ شامل ہے۔ الحمدللہ، اُردو حمدیہ ادب کے حوالے سے کراچی کو یہ فوقیت بھی حاصل ہے کہ یہاں سے ۱۹۹۸ء کو ''جہانِ حمد'' کا اجراء ہوا۔کراچی سے ہی اُردو حمد کے موضوع پر اوّلین ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' کا پہلا شمارہ فروری ۲۰۰۴ء کو شائع ہوا۔مذکورہ رسائل کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

راقم الحروف کی ادارت میں شائع ہونے والا کتابی سلسلہ ''جہانِ حمد'' اُردو میں حمد کے موضوع پر اوّلین کتابی سلسلہ......ایک شمارہ ایک کتاب......حمد و نعت کا عالمی پیامبر.....الحمدللہ! ۱۸ شمارے کم و بیش ساڑھے سات ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

خصوصی شماروں کی فہرست: ''خواتین نمبر'' ۲۰۰۰ء ؛ ''بہزاد لکھنوی'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۰۱ء ؛ ''صبا اکبر آبادی'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۰۲ء ؛ ''مناجات نمبر'' ۲۰۰۳ء ؛ ''نعت نمبر'' ۲۰۰۴ء ؛ ''اُردو حمد کا ارتقاء'' (صاحبِ کتاب حمد گویان اُردو کا تذکرہ مع انٹرویوز)

۲۰۰۴ء؛ ''علامہ اقبال حمد و نعت نمبر'' ۲۰۰۶ء؛ ''سلام نمبر'' (دو سو سے زائد شعراء و شاعرات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عاجزانہ سلام) ۲۰۰۷ء؛ ''قرآن نمبر'' (۱۱۹۰ صفحات، مقدّس مقامات کی ۴۰ رنگین تصاویر سے مزیّن) ۲۰۱۰ء؛ {الحمدللہ! ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' پر کام جاری ہے}

راقم الحروف کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ''ارمغانِ حمد''... اُردو میں حمد کے موضوع پر اوّلین ماہنامہ...[خصوصی شماروں کی فہرست: ''حفیظ تائب'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۰۴ء؛ ''سیّد الشہداء امیر حمزہ'' (خصوصی اشاعت) ۲۰۰۷ء؛ ''صبا اکبر آبادی'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۰۷ء؛ ''ڈاکٹر ابوالخیر کشفی'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۰۸ء؛ ''ڈاکٹر شمس جیلانی'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۰۸ء؛ ''حمدیہ و نعتیہ نظمیں'' (خصوصی شمارہ) ۲۰۰۸ء؛ ''حمدیہ و نعتیہ ہائیکو نمبر'' (خصوصی شمارہ) ۲۰۰۸ء؛ ''شاہ انصار حسین الہٰ آبادی'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۱۰ء؛ ''حسن اکبر کمال'' (حمد و نعت نمبر) ۲۰۱۱ء؛ ''طاہر باتیں'' (ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' میں شائع ہونے والے اِداریوں کا مجموعہ) ۲۰۱۱ء؛ ''حمدِ اِلٰہ و مدحِ رسول'' (غیر منقوطہ حمدیہ و نعتیہ شاعری کا انتخاب) ۲۰۱۱ء؛ ''حمد ربّ ذوالجلال'' (عربی و فارسی کلام پر مشتمل) ۲۰۱۱ء؛ ''طرحی حمدیہ مشاعرے'' (ماہانہ طرحی حمدیہ مشاعروں میں پڑھا گیا کلام) ۲۰۱۲ء؛ ''ڈائمنڈ جوبلی نمبر'' (۱۰۰واں شمارہ، خصوصی اشاعت، صفحات ۳۲۰) ۲۰۱۲ء۔

کراچی شہر کو ''شہرِ حمد'' کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس عظیم شہر میں ''بزمِ جہانِ حمد پاکستان'' ہر ماہ طرحی حمدیہ مشاعرہ عیسوی مہینے کے پہلے اتوار کو بعد نماز مغرب منعقد کرتی ہے۔ ان مشاعروں کے انعقاد سے حمد کی خوشگوار فضا قائم ہوئی ہے۔ کئی شعراء کرام کے مجموعہ ہائے حمد منظرِ عام پر آ گئے ہیں اور ان مشاعروں کی وجہ سے کئی شعراء کے مجموعہ ہائے حمد اشاعت کے منتظر ہیں۔ مشاعرے میں پڑھا گیا کلام ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' میں باقاعدگی سے شائع کیا جاتا ہے۔ فروغِ حمد کے حوالے سے بزمِ جہانِ حمد نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے اور حمد کو خاصا فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں حمدیہ انتخاب و حمد نمبروں کا :

حمدیہ انتخاب:

حمدیہ انتخاب اور حمد نمبروں کے حوالے سے بھی بہت کم کام ہوا ہے۔ جو ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ حمدیہ انتخاب اور حمد نمبر کی ترتیب کچھ اس طرح ہے:

نغمۂ توحید ۱۹۸۱ء مرتبین: صوفی عبدالغفار، ظفر صابری (لاہور)

حمد ۱۹۸۵ء مرتب: درد اسعدی (حیدر آباد سندھ)

حمد و مناجات ۱۹۸۶ء مرتبین: ضیاء محمد ضیاء، طاہر شادانی (لاہور)

مناجاتِ مقبول ۱۹۸۶ء مرتب: انیس احمد نوری (سکھر)

خزینۂ حمد ۱۹۹۵ء مرتب: طاہر سلطانی (کراچی)

{اس انتخاب میں اُردو کے علاوہ دس زبانوں کا حمدیہ کلام اُردو ترجمے کے ساتھ شامل ہے}

اذانِ دیر ۱۹۹۷ء مرتب: طاہر سلطانی (کراچی)

{غیر مسلم شعراء کا حمدیہ کلام، معہ کوائف}

الف اللہ ۱۹۹۷ء مرتب: مرتضیٰ اشعر (ملتان)

حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر ۱۹۹۹ء مرتب: طاہر سلطانی (کراچی)

{۹۹ شاعرات کا کلام معہ کوائف شامل ہے}

انتخابِ حمد ۲۰۰۲ء مرتب: غوث میاں (کراچی)

خواتین کی حمدیہ شاعری ۲۰۰۳ء مرتب: غوث میاں (کراچی)

حمدِ خالق ۲۰۰۳ء مرتب: راجا رشید محمود (لاہور)

حمد نمبر:

ماہنامہ ''نعت'' ۱۹۸۸ء مرتب: راجا رشید محمود (لاہور)

''مفیض'' ۱۹۹۷ء مدیر: محمد اقبال نجمی (گوجرانوالہ)

کتابی سلسلہ ''نعت رنگ'' ۲۰۰۰ء مرتب: صبیح رحمانی (کراچی)

ماہنامہ ''خیال و فن'' ۲۰۰۰ء مرتب: ممتاز راشد (کراچی)

''مفیض'' (حمد نمبر ۲) ۲۰۰۳ء مدیر: محمد اقبال نجمی (گوجرانوالہ)

''مناجات نمبر'' ۲۰۰۳ء مرتب: طاہر سلطانی (گوجرانوالہ)

یہ تھا اُردو حمد کا مختصر جائزہ جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ ***

سہیل احمد صدیقی

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ میں طاہرؔ سلطانی کا حصّہ

محترم طاہر حسین طاہرؔ سلطانی نے اردو میں حمد گوئی، حمد نگاری اور تحقیق وتدوین کی ایک ایسی تحریک شروع کی ہے جس کی محض تحسین یا وقتی تقلید ہی کافی نہیں، بلکہ، کام اتنا اور اس نہج پر ہو چکا ہے کہ تنقیدی جائزے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ طاہرؔ سلطانی کی کتب اور جرائد، تحقیق کی دعوت عام کرتے ہیں۔ اگر فرداً فرداً مختصر جائزہ بھی لوں تو طوالت یقینی ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ محض خوشہ چینی کرتے ہوئے گاہے گاہے تاثرات رقم کر دوں۔

ابتداء کرتا ہوں طاہرؔ سلطانی کے شاندار کارنامے ''اردو حمد کا ارتقاء'' (سن اشاعت ۲۰۰۴ء) سے جسے اُس کی افادیت کے پیش نظر، بقول تنویر پھولؔ، پی ایچ ڈی کی اعزازی سند دی جاسکتی ہے۔ خاکسار نے بہت پہلے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس قحط الرّجال میں جب پی ایچ ڈی کے مقالے اور انھیں جانچنے والے بعض نگراں خود نظر ثانی کے محتاج ہیں تو ایسے میں زیادہ موزوں یہ ہے کہ طاہرؔ سلطانی کی تحقیق، ترتیب وتدوین نیز شاعری پر پی ایچ ڈی کرایا جائے۔ بحمداللہ افضالہ شاہین (اسلام آباد) نے 'پاکستان میں اردو حمد کا ارتقاء' اور سعدیہ جعفر (جامعہ پنجاب، لاہور) نے 'اردو میں حمد ومناجات' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے جب کہ جامعہ کراچی کے استاد ڈاکٹر سہیل شفیق نے طاہرؔ سلطانی کے جریدے 'جہانِ حمد' کے تمام (۱۹) شماروں کا اشاریہ مکمل کرنے کے بعد انھی کے دوسرے جریدے 'ارمغانِ حمد' کے ایک سو پچیس (۱۲۵) شماروں کا اشاریہ بھی مرتب کرنا شروع کیا جو تکمیل کے قریب ہے۔

''اردو حمد کا ارتقاء'' میں عنوانات کی فہرست اس موضوع کی مبادیات کا احاطہ کرنے کو کافی ہے، مگر میری رائے میں اصناف کا جائزہ بہت سرسری ہے، آیندہ کسی اشاعت میں ہر صنف کے

نمایاں اسماء پر کچھ مواد بڑھانا قارئین کے لیے مفید ہوگا۔ پروفیسر منظرؔ ایوبی کا جائزہ اچھا ہے، پھر اس کے بعد کسی تحسینی نثر و نظم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ طاہرؔ بھائی نے ایک شعر یوں لکھا ہے:

ع: اے عدمؔ مجھ سے کہہ رہا ہے کوئی
تو کسی سے ریا کی بات نہ کر !

راقم نے یہ شعر یوں سنا تھا: ؎

اے عدمؔ سب گناہ کر لیکن === دوستوں سے رِیا کی بات نہ کر!

میرے پاس کلامِ عدمؔ کا کوئی نسخہ نہیں، بہرحال حوالے کا طالب ہوں۔

کتاب کا آغاز قرآن کریم میں مذکور حمدیہ آیات مع تراجم سے ہوتا ہے۔ اس اہم ابتدائیہ کے بعد فضائل اور پھر ’’اردو حمد کا فروغ‘‘ جیسا مختصر جائزہ شامل کتاب ہے۔ ایک جگہ طاہرؔ سلطانی نے لکھا کہ اردو میں سب سے پہلے حمد لکھنے کا اعزاز فخر الدین نظامی کو حاصل ہوا۔ اردو کی پہلی مثنوی ’’کدم راؤ (نہ کہ قدم راؤ)۔ پدم راؤ‘‘ سن ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۵ء کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی..... یہ بہت بڑا سہو ہے جو طاہرؔ بھائی کے علاوہ ڈاکٹر یحییٰ نشیط جیسے معتبر محقق و ناقد سے بھی ہوا (’اردو میں حمد و مناجات‘)۔ اردو کے قدیم ترین صاحبِ تصنیف بزرگ حضرت شیخ شرف الدین احمد المعروف مخدومؔ بہاری (جولائی ۱۲۶۳ء مطابق ۶۶۱ھ تا جنوری ۱۳۸۱ء مطابق ۷۷۲ھ) تھے۔ اُن کے کلام میں بہت سے ہندوی (قدیم اردو) دوہے محفوظ ہیں جن کے موضوعات، تصوف کے علاوہ عام دل چسپی کے مضامین بشمول طبی نسخے وغیرہ ہیں۔ (’بہار میں اردو کے زبان وادب کا ارتقاء ۔ ۱۸۵۷ء تک از ڈاکٹر اخترؔ اورینوی)۔ حضرت مخدومؔ بہاری کا تخلص شرفؔ تھا، اُن کی نثر میں تین کتب اور نظم میں بہت سا منتشر کلام خصوصاً دوہروں (دوہوں) پر مشتمل ہے۔ ایک نسبتاً آسان دوہا نقل کرتا ہوں:

شرفؔ حرف ِمایل کہیں درد کچھو نہ بَسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہوجائے

''اردو حمد کا ارتقاء'' میں اردو کے کلاسیکی شعراء کی حمد نگاری ایک اور اہم باب ہے۔ یہ دقّت طلب نگارش، طاہر سلطانی کی افتادِ طبع کو خوب ظاہر کرتی ہے۔ اس کتاب میں شامل تذکرے کے حوالے سے، داغؔ دہلوی کی بابت ایک ضمنی اضافہ کرتا چلوں۔ وہ ذوقؔ کے علاوہ بہادر شاہ ظفرؔ کے اصلاح یافتہ بھی تھے۔ طاہرؔ بھائی نے اسی عنوان کے تحت جدید عہد کے شعراء کا نمونہ کلام بھی پیش کیا، جب کہ یہاں تقسیم ہوتی تو بہتر تھا۔ بعض سخنوروں کا سنِ وفات درج نہیں کیا گیا۔ یا۔ بعض اِس کتاب کی اشاعت کے بعد فوت ہوئے، اس بابت آیندہ ایڈیشن میں اضافہ ناگزیر ہے۔ اسمائے شعراء: صائمؔ چشتی، اقبالؔ صفی پوری، حیدر گردیزی، وحیدہ نسیم ..... نیز شیداؔ جبل پوری کے بارے میں یہ اہم نکتہ رہ گیا کہ وہ اقبال حیدر (معروف شاعر، ہائیکو نگار) کے والد گرامی تھے۔

''عصر حاضر کے ممتاز نعت گویانِ اردو کی حمد نگاری'' میں تابشؔ دہلوی، احمد ندیم قاسمی، حنیف اسعدیؔ، ابوالخیر کشفی، حیرتؔ الہ آبادی، شوکت الہ آبادی، شفیق بریلوی اور سرشار صدیقی کے سنینِ وفات کا اندراج اَب ناگزیر ہے۔ سرشار صدیقی اور امینؔ نقوی کے تذکرے مکرر ہیں، سرشارؔ صاحب کو دو مرتبہ سہواً صدیقی نسب لکھا گیا.... وہ خود دنیائے ادب کے مدیر اَوج کمال کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کر چکے ہیں کہ صدیقی نسبت محض عقیدت کی بناء پر لکھتے ہیں، نسباً صدیقی نہیں!

طاہر سلطانی کی کتب بینی کی عادت گویا خصلتِ شریفہ ہے اور وہ دس ہزار کتب جمع کر کے آج بجا طور پر بہت سے اُدَباء و شعراء سے اس لحاظ سے بہتر ہیں کہ محض شاعری نہیں فرماتے، زود نویسی کے ساتھ ساتھ، مطالعہ جاری رکھتے ہیں۔ میں اُن کی اس خواہش کی تائید کرتا ہوں کہ انھیں حمد و نعت ریسرچ سینٹر کے قیام کے لیے رفاہی پلاٹ دیا جائے۔ اہل خیر اور صاحبِ ثروت شعراء آگے آئیں اور اس کارِ خیر کے فروغ میں ساتھ دیں۔ (ایک طویل وقفے کے بعد، اس تحریر کو دوبارہ مرتب کرتے ہوئے، مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ ایک صاحب نے اس عظیم مشن کے لیے

اپنا پلاٹ طاہر سلطانی کو ہدیہ کردیا تھا،مگر سرکاری حرام خوروں نے اتنے روڑے اٹکائے کہ معاملہ آگے نہ بڑھ سکا)۔

نعت گو شاعر طاہر سلطانی کا پہلا تعارف مجموعہ نعت 'مدینے کی مہک' تھا جو ۱۹۸۹ء میں شایع ہوا... پھر تحقیق کا سلسلہ دراز ہوا تو طاہر سلطانی کی منفرد کتاب 'اذانِ دیر' ۱۹۹۷ء میں منصۂ شہود پر آئی جس میں غیر مسلم شعراء کا حمدیہ کلام مع کوائف پیش کیا گیا۔اس سے قبل 'ارمغان نعت' از شفیق بریلوی اور نقوش 'رسول نمبر' جلد دہم میں غیر مسلموں کا نعتیہ کلام شامل تھا،مگر مستقل کتاب کی شکل میں حمد کے حوالے سے یہ پہلا کام تھا،جس کی تقلید نور احمد میرٹھی مرحوم نے (طاہر سلطانی کی بھرپور مدد کے طفیل) کی۔دیگر اہل ذوق بھی تحقیق کی سعی فرمائیں تو یہ باب اردو کے علاوہ دیگر زبانوں تک وسیع ہوسکتا ہے۔(ہندوستان میں بھی کسی صاحب کا کام اس حوالے سے مذکور ہے،مگر اس وقت ذہن کے نہاں خانے میں گم ہے)۔

طاہر سلطانی کی کتاب 'اذان دیر' میں انچاس شعراء کا کلام نیز متعدد دیگر کے متفرق ابیات مع کوائف شامل ہیں۔متعدد مشاہیر سخن کے علاوہ کئی گم نام بھی حمد خواں نظر آتے ہیں اور رب ِ کائنات کی صفتِ رحمانی (کہ وہ غیر مسلم وکافر ومشرک کو بھی نوازتا ہے) کا برملا اعتراف کیا جاتا ہے۔ کتاب کی خوبی سے کسی کو مَفَر نہیں ہوسکتا، البتہ اس کی متن خوانی [Proofreading] بہت ناقص کی گئی ہے۔جوش ملسیانی کا نام جابجا غلط ہوا، رشمی پٹیالوی کا سن پیدائش ۱۹۷ء درج ہے..اس طرح بہت سی اغلاط راہ پا گئی ہیں۔صفحہ نمبر ۱۷ پر فہرست کے عین مطابق اسی شاعر کا نام رِشی درج ہے، جب کہ صفحہ نمبر ۱۷۳ پر رشمی...اس طرح کی اغلاط آیندہ اشاعت میں درست کی جاسکتی ہیں۔

'گلشن حمد' کے ذریعے طاہر سلطانی نے ستّر (۷۰) غیر مسلم شعراء کا تذکرہ مع حمدیہ کلام پیش کرکے تحقیق کا در وَا کیا۔اس فہرست میں کئی نام 'اذان دیر' سے ماخوذ ہیں اور بہت سے نئے۔ اس بھرپور کتاب کا حصہ دوم ابھی منتظر اشاعت ہے، لہٰذا کافی گنجائش ہے اضافوں کی، نیز تصحیح

اغلاط کی... سرِ دست کچھ اضافے تجویز کرتا ہوں:

۱۔ قمرؔ جلال آبادی (اصل نام غیر مذکور)۔ ۱۹۱۷ء تا ۲۰۰۳ء (بمبئی)

نمونہ کلام : دینا خوشی سے جو دے دے اے ربّ عالم کیا مانگوں
رحمت سے زیادہ کیا مانگوں اور بخشش سے کم کیا مانگوں
پیری کی آمد آمد ہے، توبہ کی گھٹائیں چھائی ہیں
یادوں کی بہاریں کیا مانگوں، وعدوں کا موسم کیا مانگوں
تو لاکھ خزانوں کا مالک، میرا چھوٹا سا دامن ہے
دل ہی دل میں شرمندہ ہوں، ساگر سے شبنم کیا مانگوں

۲۔ آزادؔ گلاٹی۔ نمونہ کلام:

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے، گناہ نہیں

۳۔ ڈاکٹر وِدّیا ساگر آنندؔ۔ نمونہ کلام : ''بعنوان اردو''

بہتر نہیں اس سے کوئی دنیا میں زباں === اللہ کی بھیجی ہوئی اک دولت ہے
داتا نے جو عزت دی، وہ بس ہے مجھے === اردو نے جو شہرت دی، وہ بس ہے مجھے
محتاج نہیں ہوں میں کسی کا بھی یہاں == قسمت نے جو دولت دی، وہ بس ہے مجھے

۴۔ آزادؔ عظیم آبادی، بھِوانی پرشاد (تلمیذ شادؔ عظیم آبادی)۔ ۱۸۷۵ء تا ۱۹۳۵ء

نمونہ کلام: کیوں کریں سجدہ بتوں کا بے سبب، جب ہمیں اللہ ہی سے کام ہے
(مصرع اولیٰ میں لفظ 'کو' کی بجائے 'کا' خود شاعر نے رقم کیا)

۵۔ عاجزؔ گیاوی، منشی میوالال (تلمیذ شادؔ عظیم آبادی): ۱۸۸۷ء۔ دورِ عروج۔ صوفی مشرب۔ مجموعہ ہائے کلام: 'کلید گنجینۂ توحید' (۱۹۲۷ء) اور 'سرّ توحید' (۱۹۳۰ء) ... نمونہ کلام:

؎ عالم غیب سے عاجزؔ یہی آتی ہے صدا کچھ نہیں ہے کہیں مجھ واحد مطلق کے سوا

۶۔عارف عظیم آبادی، شیونرائن چودھری(تلمیذ شادؔ عظیم آبادی): ۱۸۸۰ء تا (اندازاً) ۱۹۶۰ء۔تصوف میں ہمہ اوست کے قائل

نمونہ کلام: ؎

ازل سے لائے جو مستی تھے، اُس کی خونہ گئی　　جو تھی خمیر کے اندر وہ رنگ و بونہ گئی

میں رو کے اشکوں سے خود اپنے ہو لیا طاہر　　حریم دل میں تری یاد بے وضونہ گئی

۷۔عطاؔ عظیم آبادی، رائے اسیری پرشاد(تلمیذ شادؔ عظیم آبادی): ۱۸۵۵ء تا ۱۹۲۵ء۔صوفی مشرب۔نمونہ کلام: ؎

کس مپُرسی کے زمانے میں خدا یاد آیا /// آخرش کام مرے آئی یہ غربت میری

۸۔مستؔ گیاوی، بابو نند کشور لال(تلمیذ شادؔ عظیم آبادی): ۱۸۵۰ء (اندازاً) تا ۱۹۰۵ء

نمونہ کلام: ؎

واہ! خالق نے دیا کیا آپ کو نورِ نظر　　خوش کلام و خوش بیاں، شیریں زباں، شیریں سخن

(بحوالہ تلامذہ شادؔ عظیم آبادی از سید نعمت اللہ۔مطبوعہ جون ۲۰۰۴ء)

۹۔رائے سنگھ عاقل(سوداؔ کے دوست): سنین غیر مذکور۔تعلق: پنجاب

نمونہ کلام: ؎

نہ بس اپنے سے کیا اُس کو مَیں رخصت عاقلؔ

جب میرا بس نہ چلا، تب مَیں خدا کو سونپا

(بحوالہ پنجاب کے قدیم اردو شعراء از خورشید احمد خان یوسفی۔مطبوعہ ۱۹۹۲ء)

۱۰۔شورؔ، جارج پیش: پ۔۱۸۲۳ء بمقام کوئل، علی گڑھ۔سن وفات غیر مذکور۔

فرنچ نژاد عیسائی، اسلامی طرز معاشرت کا دل دادہ، والدہ جرمن نژاد اور مشہور اردو شاعر فراسو کین کی دُختر۔چھے (۶) دواوین، ایک مثنوی اور بیاض یادگارِ شورؔ۔مشورہ سخن از رحیم بیگ میرٹھی و مُشیر دہلوی۔داغؔ کی جانب سے لقب: ''مالکِ سخن''

قطعہ: کعبے میں توصدق وصفا کو پایا
بُت خانے میں نازوادا کو پایا
حاصل نہ ہوا کہیں سے دل کا مقصد
جب خود ہی ڈھونڈا تو خدا کو پایا

۱۱۔موزوںؔ، مہاراجہ رام نرائن: نواب سراج الدولہ کے مصاحب۔مشہور زمانہ شعر ؎ دِوانہ(دیوانہ) مر گیا.....کے خالق۔نمونہ کلام:

بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

۱۲۔کنورؔ، راجہ اپور بو کرشنا بہادر: ۱۸۰۷ء تا ۱۸۶۸ء۔والد اور دادا قادرالکلام سخنور۔دواردو دواوین اور بہت سا علمی کام۔تصوف کے شائق۔غزل اور رباعی میں خاص کر ملکہ حاصل تھا۔تعلق: کلکتہ حمد رب جلیل:

کروں حمد طاقت مجھے ہے کہاں بڑا سب سے ہے وہ خدائے مہرباں
ہوئے اُس کی قدرت سے سب آشکار زمین و زماں اور ہفت آسماں
ستارے ، قمر اور تابندہ طُور کیا اِک کرشمے سے اُس نے عیاں
سبھی نیست نابود آخر کو ہیں تنزل نہیں اُس کو ہے جاوداں

۱۳۔دیبؔ، دیناناتھ: اواخر انیسویں صدی کے ماہر اردو ، فارسی ، سنسکرت و انگریزی۔مصنف،مؤلف،مترجم وشاعر۔تعلق: کلکتہ۔ مناجات:

جہاں پرَوَرا ہے تُو رب کریم عجیب وعلیم و رَؤف ورحیم
یہ ہے تجھ سے یارب مری التجا کہ تیرا ثناء خواں رہوں مَیں سدا
زباں کو رہے ذکر سے تیرے کام رہے تیری ہی یاد، دل میں مدام
مجھے اپنی رحمت سے کرشاد کام بخوبی ہو شایع یہ میرا کلام
ترِے ہاتھ ہے سب سیاہ سفید نہ کرنا تو نومید کو ناامید

.........(جواہر التعلیم کے آغاز میں مندرج.........

[کلکتے کی ادبی داستانیں از ڈاکٹر وفاؔ راشدی۔ مطبوعہ ۱۹۹۹ء]

'گلشن حمد' کی بعض اغلاط کا ذکر ہو جائے۔ بھگوان داس برقؔ کا سن پیدائش سہوِ کتابت سے ۱۸۸۱ء کی بجائے دو مرتبہ ۱۹۸۱ء درج ہوا۔ سن وفات درکار۔ جوشؔ ملسیانی کا صرف سن پیدائش درج ہے، وفات کا سن تلاش کر کے شامل کرنا لازم۔ جگت موہن لال رواںؔ کی ولدیت سہواً جگت موہن لال ہی درج ہے۔ کنور مہندر (نہ کہ مہیندر) سنگھ بیدی سحرؔ کی وفات ہو چکی، سن درکار۔ عرش ملسیانیؔ کا سن وفات (۱۹۷۹ء۔ بحوالہ نقوش رسول نمبر جلد دہم)) غیر مذکور.....دو باتیں برائے اضافہ:

تلوک چند محرومؔ رباعی کے لیے بھی معروف ہوئے۔ منشی بنواری لال شعلہؔ کا سن ولادت سہ ماہی اسباق، پونہ (حوالہ سابق) میں ۱۸۴۲ء اور سن وفات ۱۹۰۳ء درج ہے، تحقیق مزید ہو سکتی ہے۔

طاہرؔ سلطانی کی بیش بہا کتب میں بہ ذیل تذکرہ 'حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر' (سن اشاعت ۲۰۰۰ء)، 'گلشن حمد' (۲۰۰۵ء)، 'خوشبوؤں کا سفر (۲۰۰۷ء) اور نعت کی بہاریں (۲۰۱۲ء) شامل ہیں۔ وہ حمد کے انتخاب، خزینہ حمد (۱۹۹۶ء) اور انتخاب مناجات (۲۰۰۳ء) کے علاوہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲۰۰۴ء)، سلام بحضور خیرالانام ﷺ (۲۰۰۷ء)، ذکر آمد مصطفی ﷺ (۲۰۰۷ء) اور نعت رحمت (۲۰۱۳ء) جیسے وقیع انتخابات نعت بھی مرتب کر کے شایع کر چکے ہیں۔

نعت رحمت اس وقت تک شایع ہونے والے انتخابات نعت میں کئی اعتبار سے ممتاز ہے۔ اردو کے ۴۸۶ متوفی شعراء کی ۷۶۲ نعت، حروف تہجی کی ترتیب سے شامل کتاب ہیں، جن میں بعض اسماء غیر معروف یا کم مشہور بھی ہیں۔ اس وقیع کتاب کی حاشیہ نگاری بھی جداگانہ اہمیت کی حامل ہو سکتی ہے۔

غرض طاہر سلطانی کی خدمات کا احاطہ ایک مضمون میں کرنا محال ہے، اس کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

***

ڈاکٹر شمس کمال انجم

صدر شعبۂ عربی بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی، راجوری، جموں وکشمیر

حماد انجم ایڈووکیٹ : غزل کی ہیئت میں حمد ونعت کا منفرد شاعر

عربی کی کلاسیکی شاعری میں یہ روایت رہی ہے کہ مدح، فخر، ہجو، مرثیہ وغیرہ اصناف میں کہے گئے قصیدوں کا آغاز تشبیب ونسیب کے اشعار سے کیا جاتا تھا۔ شاعر کا اگر کوئی حقیقی محبوب نہیں ہوتا تو وہ ایک فرضی محبوب گھڑتا تھا۔ اس کے جسمانی واخلاقی خصائل وفضائل، خوبیوں اور رعنائیوں کی تصویر کشی کرتا تھا۔ یا پھر اس کے ساتھ گزارے ہوئے حسین لمحات کو اپنی یادوں میں اجالتا تھا۔ اس کے دیار میں جا کر ٹھہرتا تھا۔ اس کے ساتھ گزارے ہوئے ایام کی تلخیوں کے گھونٹ پیتا تھا اور اپنی یادوں کا غم غلط کرتا تھا۔ حتی کہ اسلامی دور میں بھی جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گرامی میں نعتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو شعرائے کرام نے اس شعری روایت کا احترام کرتے ہوئے نعتیہ کلام سے قبل اپنے قصیدے کو تشبیب یا نسیب سے شروع کیا۔ مشہور جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کے فرزند کعب بن زہیر کی شان رسول گرامی میں گستاخی کی وجہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خون ہدر کر دیا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ بالاخر انھوں نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا اور یار غار حضرت ابو بکر صدیق کے توسط سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا قصیدہ پیش کر کے معافی کے خواستگار ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف کر دیا اور وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس قصیدے میں کل اٹھاون شعر ہیں۔ قصیدے کو انھوں نے تشبیب سے شروع کیا ہے۔ اس کا مطلع ہے ؎

بانتْ سُعادُ فقَلبی الیَومَ مَتبُولُ
مُتیّمٌ اِثرَھا لَم یُفدَ مَکبُولُ

یہ تشبیب تینتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد ۳۴ ویں شعر سے لے کر ۵۸ ویں شعر تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پیش کی گئی ہے۔ بعض ناقدین نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تشبیب ونسیب کے اشعار پیش کیے جائیں اور آپ سن بھی لیں۔ بہر حال یہ روایت کلاسیکی شعراء کے یہاں قائم و دائم رہی۔ یہاں تک کہ شاعر رسول حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نعتیہ قصیدۂ ہمزیہ کے بھی ابتدائی اشعار نسیب پر مشتمل ہیں۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ نسیب والے اشعار حسان نے جاہلیت میں کہے تھے اور بعد میں نعتیہ قصیدے کے ساتھ شامل کر لیے تھے۔ یہ ریت بعد کے نعتیہ قصیدوں میں بھی قائم رہی۔ امام بوصیری اور احمد شوقی کے قصید ہائے بردہ بھی کلاسیکی روایت کے مطابق غزلیہ اشعار سے شروع ہوتے ہیں۔

جس طرح عربی میں نعتیہ شاعری کی ایک تاریخ ہے فارسی میں بھی نعت گوئی کی ایک طویل تاریخ ہے۔ اور اسی طرح اردو میں بھی نعت گوئی کی سنہری تاریخ رقم ہوئی ہے۔ بیشمار شعراء نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل، عادات وکردار، اوصاف وکمالات اور سیرت نبیلہ کو اپنی نعتوں کا حصہ بنایا ہے۔ حماد انجم ایڈووکیٹ بھی انہی شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے بڑی عقیدت ومحبت سے نعت کے دریا بہائے ہیں۔ آپ مشرقی اتر پردیش کے ضلع سنت کبیر نگر میں ۱۹۵۶ء میں ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جسے ''شعری وادبی گھرانہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد محترم مولانا ڈاکٹر حامد الانصاری انجم (۱۹۳۲ء۔ ۲۰۱۳ء) ایک متنوع الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت شاعر، ادیب، عالم، خطیب، صحافی اور طبیب تھے۔ شاعری میں آپ سرشار کسمنڈوی اور مولانا لطافت علی ہما صدیقی کے شاگرد تھے۔ یہ دونوں حضرات علامہ محوی لکھنوی کے شاگرد تھے۔ حماد انجم نے اپنے والد کے زیر سایہ ۱۹۷۲ء میں اس وقت میدان شعر وسخن میں قدم رکھا جب وہ ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ شاعری کا آغاز حمد ونعت سے کیا۔ اس کے بعد شاعری کی منجملہ اصناف میں طبع آزمائی کی۔ بہار حمد کے نام سے آپ کا سب سے پہلا شعری مجموعہ دسمبر ۱۹۸۱ء کے اخیر میں منظر عام پر آیا۔ اس کے بعد شمع حرا کے عنوان سے ۱۹۸۹ء میں ان کا دوسرا مجموعہ منظر عام پر آیا جو نعتوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد ''خوشۂ کشت حرم'' کے عنوان سے حمد ونعت اور نظموں کا تیسرا مجموعہ ۲۰۰۶ء میں اور ''شاخ گل تر'' کے نام سے ۲۰۰۸ء میں ایک اور شعری مجموعہ منظر عام پر آیا جس میں حمد ونعت کے علاوہ میرؔ وغالبؔ کی زمینوں میں کہی گئی غزلیں شامل ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں آپ کی نظموں کا ایک مجموعہ ''نور نا دیدہ'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ آپ پیشے سے وکیل تھے مگر شعر وسخن ہی آپ کی اصل شناخت تھے۔ آپ کے مقالات کا مجموعہ ''مقالات حماد انجم'' کے نام اسی سال ۲۰۲۰ء میں منظر عام پر آیا ہے۔ فروری ۲۰۱۵ء میں مختصر علالت کے بعد انسٹھ سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہوجانے سے آپ کا انتقال ہوا۔

آپ نے حمد و نعت، غزلیں، نظمیں (پابند اور آزاد)، گیت، رباعی، قطعات، ثلاثی، دوہے، ہائیکو، ماہیے اور ترانے جیسے اصناف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن حمد و نعت کے آپ منفرد و بے مثال شاعر تھے اور خوب ڈوب کر محامد اور نعتیں کہتے تھے۔ بہار حمد، خوشۂ کشت حرم اور شاخ گل تر میں شامل محامد اور نعتیں حماد انجم کی فنکاری کا واضح ثبوت ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حماد انجم کا شعری مجموعۂ محامد ''بہار حمد'' بر صغیر میں محامد کا پہلا شعری مجموعہ ہے تو یہ بھی غلط نہ ہوگا۔ دراصل پاکستان میں مظفر وارثی کے مجموعے ''الحمد'' کو محامد کا پہلا شعری مجموعہ مانا جاتا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۸۴ء میں حسیب عرفی کے اہتمام سے منظر عام پر آیا۔ ہندوستان میں ابرار کرت پوری کے مجموعۂ محامد ''خالق ذوالجلال'' کو محامد کا پہلا مجموعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی اشاعت الحمد کے دس سال بعد ۱۹۹۴ء میں عمل میں آئی جب کہ ''بہار حمد'' کی اشاعت دسمبر ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔

حماد انجم کے شعری مجموعے ''شمع حرا''، ''خوشۂ کشت حرم'' اور ''شاخ گل تر'' میں ان کی نعتیں بکھری پڑی ہیں۔ میں ان کی نعتیں پڑھ رہا تھا تو مجھے لگ رہا تھا کہ یہاں تو معاملہ ہی مختلف ہے۔ ان کی بہت ساری نعتیں نعت کی مروجہ لیک سے ہٹ کر کہی گئی ہیں۔ یہاں تو غزل فارمیٹ میں نعت چل رہی ہے۔ یہاں تو حبیب کائنات سراپا محبوب بن گئے ہیں اور ان کے سراپا کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ اگر ان نعتوں کو نعتیہ مجموعے سے نکال کر دیکھا جائے یا ان مجموعوں میں مذکور بہت ساری نعتوں سے بہت سارے اشعار کو الگ کر کے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ نعت کے شعر ہیں یا غزل کے۔ بالکل غزل کے لفظی معنی میں نعت کہی گئی ہے۔ حماد انجم کی نعت کا ایک شعر ملاحظہ کریں ؎

شباب تیرا ، بدن تیرا ، پیرہن تیرا
گلاب کی طرح چہرہ ہے ضو فگن تیرا

یہ شعر ان کے مجموعے ''شاخ گل تر'' میں وارد ان کی ایک نعت کا مطلع ہے۔ کیا یہ تشبیب کا شعر نہیں؟ اگر اسے یوں ہی ایک الگ وحدت میں دیکھیں تو کیا آپ اسے نعت کا شعر کہیں گے؟ اس شعر کو اگر نعت سے الگ کر کے دیکھا جائے تو یہاں ہمیں کوئی ایسا لفظی قرینہ نظر نہیں آتا جو ہمیں اسے نعت کا شعر کہنے پر مجبور کرے۔ مجھے مرزا غالب کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

جان تجھ پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا وفا کیا ہے؟

قارئین بتائیں یہ غزل کا شعر ہے یا حمد کا یا نعت کا؟ ظاہر ہے یہ مرزا غالبؔ کی اس مشہور غزل کا مشہور شعر ہے جس کا مطلع ہے ؎

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

بلکہ اس غزل کا ایک شعر اور بھی ملاحظہ کریں۔ غالبؔ کہتے ہیں ؎

شکنِ زلف عنبریں کیوں ہے؟
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے؟

آپ مرزا غالب کے پہلے شعر پر غور کریں اور دیکھیں اس میں کتنی معنویت ہے۔ کیا اللہ اور اس کے رسول پر جاں نثار کرنا ایمان کی معراج نہیں؟ کیا ان کی خدمت میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ان سے وفا کی متنہا نہیں؟ کیا اس کا عمومی آہنگ اسے نعت کا شعر ہونے کی سند عطا نہیں کرتا۔ حماد انجمؔ کی نعت کا ایک شعر ہے ؎

جب جان لٹا بیٹھے تو آسان ہے سب کچھ
دل کو کبھی دشوار مراحل میں نہ رکھا

دوسرے شعر میں جس سوالیہ آہنگ میں غالب نے محبوب کی زلف عنبریں میں پائی جانے ولی شکن اور اس کی آنکھوں میں پائی جانے والی سرمگی کی تصویر کشی کی ہے کیا اس نے شعر میں بلا کی جامعیت نہیں پیدا کر دی ہے؟ احادیث مبارکہ میں حبیب کائنات کی زلفوں کی کیا خوب عکاسی کی گئی ہے۔ شعرائے نعت نے آپ کے گیسوئے تابدار کو کیسے کیسے زاویے سے دیکھا ہے اور کس کس انداز میں اس پر اپنے تخیل کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ آپ کی سیاہ زلفیں کبھی کانوں کی لو تک لٹکتیں تو کبھی کانوں کی لوؤں سے تجاوز کرتیں اور آپ کے سراپا کی جمالیات میں بلا کا اضافہ کرتیں۔ اسی طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سرمگی آنکھوں کی بھی احادیث میں تشریح کی گئی ہے۔ اس نگہ چشم میں پائی جانے والی سرمگی سے شاعروں نے نعت کی دنیا بسائی ہے۔ پوری نعتیہ شاعری حبیب کائنات کی زلفوں کی لٹوں سی تہ دار ہو گئی ہے۔ ساری نعتیں آپ کی آنکھوں کے کٹورے میں سمائی نظر آتی ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے زیادہ حسین و جمیل اور خوب صورت آنکھ کسی محبوب نے حاصل ہی نہیں کی۔ بڑی بڑی، کالی کالی سرمگی آنکھیں جیسے کہ بقول حماد انجم ؎

یہ آنکھ ہے یا بند ہے کوزے میں سمندر
میخانے کی مے ایک پیالی میں بھری ہے

یہ وہ نگاہ ناز ہے کہ جب کسی کی طرف اٹھ جاتی تھی تو اس کے دل کی دنیا بدل جاتی تھی۔ وہ اپنا سب کچھ اس سرمگی آنکھوں والے پر نچھاور کر بیٹھتا تھا۔ وہ اپنا دین وایمان ہار بیٹھتا تھا۔ پتھر میں شیشے کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی۔ شعلہ پھول بن جاتا تھا۔ قطرہ دریا میں تحویل ہوجاتا تھا۔ رائی میں پربت کی اور پربت میں رائی کی صفت تخلیق پاجاتی تھی۔ بقول حماد انجم ؎

تیری نظر کا معجزہ ایسا، پتھر چمکا شیشے جیسا
قطرے میں بھی دریا دیکھا، پربت دیکھا رائی کا

....

سمٹا ہے تو دریا قطرہ ہے، پھیلا ہے تو قطرہ ہے دریا
رحمت ہے کہ شعلہ پھول بنا، ہیبت ہے کہ پربت رائی ہے

....

ترا چہرہ تری آنکھیں تری زلفیں ترے لب
حسن ترتیب کروں دل میں بٹھاؤں تجھ کو

دراصل حماد انجم کی نعتوں کا معاملہ ہی کچھ عجیب سا ہے۔ یہاں حبیب کائنات سراپا محبوب ہیں۔ وہی ان کی نعتوں کا استعارہ اور ان کی غزلیہ نعتوں کی جان ہیں ؎

ہے ادب میں مرا استعارہ الگ
میری جان غزل مصطفی آپ ہیں

یہاں مصطفی ''جان غزل'' بن کر نعتوں کے ردیف وقافیے میں ڈھلتے نظر آتے ہیں ؎

وہ لالہ وگل سرو سمن کچھ بھی نہیں ہے
کیا گل بدنی ہے کہ چمن کچھ بھی نہیں ہے
رخسار نبی دیکھ کے شرمائیں نظارے
مہر و مہ و انجم کی پھبن کچھ بھی نہیں ہے

حماد انجم کی غزلیہ نعتوں کے ''حلقۂ دام خیال'' میں جو سراپا ابھرتا ہے وہ حبیب کائنات کی تابانیوں میں ڈھل کر نعت کے شعروں کا خیال بن جاتا ہے۔ یہاں ان کی غزل نعت اور ان کی نعت غزل بن جاتی ہے اور یہی فنکاری حماد انجم کی نعتوں میں ایسی ''ادائے خاص'' کی کیفیت پیدا کردیتی ہے جو ان کی نعتوں پر ان کی اپنی اختراع کی مہر ثبت کرتی ہے۔ آپ ان کی درج ذیل نعت دیکھیے، اسے

پڑھیے۔ اس کی تہوں میں اتریے اور پھر بتایئے کہ یہ نعت غزل ہے یا غزل نعت ؎

برپا ہے دل میں شورش و ہیجان آرزو
اب جان ہی نہ لے لے یہ طوفان آرزو
ڈھائی جنوں نے ایسی قیامت نہ پوچھیے
باقی بچا نہ تار گریبان آرزو
بیٹھے بٹھائے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
بیتاب ہوگئے تھے سفیران آرزو
اب تو یہ لگ رہا ہے کہ سب خواب ہوگیا
کچھ اس طرح بکھر گیا سامان آرزو
ہم کب سے تیری راہ گزر دیکھتے رہے
محتاج چشم و لب تھے حدی خوان آرزو
نظارۂ جمال حرم سے نظر نہ پھیر
آنکھوں میں آنے دے دم جان آرزو
جان بہار کون یہ منظر میں آ گیا
جیسے گلاب خار مغیلان آرزو
وہ شہر وہ فضا وہ نظارہ کہ ہائے ہائے
کیا ہوگئے ہیں بے سرو سامان آرزو
آرام گاہ جان مدینہ تو دیکھ لوں
دل ہے کہ ہے چراغ شبستان آرزو
انجم کچھ آنسوؤں کی جھڑی ایسی لگ گئی
اتری ہے کہکشاں سر دامان آرزو

اس نعت میں وارد ''نظارۂ جمال حرم''، ''آرام گاہ جان مدینہ''، ''وہ شہر وہ فضا وہ نظارے'' جیسی ترکیبوں کے علاوہ بظاہر اس میں کوئی ایسا لفظی قرینہ نظر نہیں آتا جس سے اس پوری نعت کو نعت کی فضا میں مقید رکھا جائے۔ ہاں ان اشعار کی تہ میں اتریے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں شاعر کے دل میں محبوب کی دید، اس کی زیارت، اس کی ملاقات ووصال کی آرزو نے شورش و ہیجان وطوفان بپا کیا ہوا

ہے۔ آنکھیں ''نظارۂ جمال حرم''، ''آرام گاہ جان مدینہ'' اور ''وہ شہر وہ فضا وہ نظارے'' دیکھنے کو تڑپ رہی ہیں جہاں محبوب خدا آرام فرما ہیں۔ وہ اپنے تصورات کی دنیا میں محبوب سے ملاقات کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی چشم ولب حدی خوانی کرتے ہیں۔ اس کا دل چراغ شبستان آرزو بن کر راہوں کو منور کرتا ہے۔ وہ ''نظارۂ جمال حرم'' اور ''آرام گاہ جان مدینہ'' کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا چاہتا ہے لیکن جب اس کی آرزوئیں منزل آشنا نہیں ہوتیں تو وہ رنج والم کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔ قلق واضطراب کے صحرا میں کھو جاتا ہے اور حبیب پاک کے فراق میں اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی کہکشاں سج جاتی ہے ؎

انجم کچھ آنسوؤں کی جھڑی ایسی لگ گئی
اتری ہے کہکشاں سر دامان آرزو

در اصل مصطفی کی شان جلالت میں کہی گئی حماد انجم کی تمام نعتوں کی لفظیات، تشبیہات واستعارات کو پورے فنکارانہ شعور کے ساتھ برتا گیا ہے۔ اپنی فکری رفعتوں میں وہ ''شیدائے جمال نادیدہ'' بن کر نظارۂ جمال کرتے ہیں۔ اور اس نظارۂ جمال کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ شروع سے آخر تک غزل کے آہنگ میں نعت کا حسن و جمال دو آتشہ رہتا ہے ؎

نعت انجم ہے جیسے غزل
کیف دو آتشہ دیکھیے

ان کی ایک اور غزل رنگ نعت ملاحظہ کریں۔ پوری نعت کو ایسے ماحول میں تخلیق کیا گیا ہے جس نے شاعر کی عقیدت اور محبت کو عظمت کی معراج پر فائز کر دیا ہے۔ اشاریت و رمزیت کے آرٹ نے نعت غزل میں آفاقیت کا لازوال حسن پیدا کر دیا ہے ؎

ایک آسان سی صورت ہے کہ سوچوں تجھ کو
''سیرت پاک'' کے آئینے میں دیکھوں تجھ کو
کاش مجھ کو ترا دیدار میسر ہوتا
تجھ کو میں کیسے پڑھوں کیسے میں لکھوں تجھ کو؟
میرے کشکول میں ''نقد زر جاں'' ہے سب کچھ
اپنی محبوب متاع دل و جاں دوں تجھ کو

تیرا نقش خد و خال ہے موضوع میرا
میری خواہش ہے کما حقہ سوچوں تجھ کو

تجھ سے اچھا کوئی دیکھا نہ سنا ہے میں نے
جان بھی جائے تو سو جان سے چاہوں تجھ کو

تیرا چہرہ تری آنکھیں ، تری زلفیں، ترے لب
حسن ترتیب کروں دل میں بٹھاؤں تجھ کو

سوچتا ہوں کوئی خامی نہ رہے نقص نہ ہو
اپنے شیشے میں سلیقے سے اتاروں تجھ کو

یہ تمنا مری اے کاش! ہو پوری انجم
حاصل نعت کہوں اور سناؤں تجھ کو

یہاں بھی وہی حال ہے۔مطلع اور مقطعے میں وارد لفظی قرینوں کے علاوہ یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو اس نعت کے باقی اشعار کو غزل رنگ میں رنگ جانے سے روکے۔یہاں شاعر اپنے محبوب کو ہر زاویے سے سوچتا ہے۔اس کے سراپا پر غور کرتا ہے۔اس کے چہرے،اس کی آنکھیں،اس کی زلفیں،اس کے لب اور اس کے خد و خال کا نقشہ گھڑتا ہے۔پھر اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں تجھے کیسے اپنے شعروں میں مجسم کروں میں نے تو تجھے دیکھا بھی نہیں ہے۔تیرا دیدار تو کبھی مجھے میسر نہیں آیا۔پھر کہتا ہے کہ تجھے نہ دیکھنے سے ہی میرے تصورات کی دنیا میں وسعت ہے۔میری محبت میں کشش اور جامعیت ہے۔چنانچہ وہ کہتا ہے کہ میری محبت کی منتہا یہ ہے کہ تیری راہ میں اپنے ما ل وزر اور دولت وثروت سب کچھ لٹادوں۔پھر اسے یاد آتا ہے کہ وہ تو فقیر ہے،محتاج ہے۔اس کے پاس تو ''نقدِ زرجاں'' کے سوا کچھ بھی نہیں ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اپنی جان کو تجھ پر نثار کردینا چاہتا ہوں اور یہی مردِ مومن کی معراج ہوتی ہے۔حبیب پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ عمر(رضی اللہ عنہ) تم اس وقت تک مکمل مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔یہی کیفیت شاعر نے نعت غزل کے ان شعروں میں پیدا کی ہے اور یہی شاعر کے ایمان کی معراج ہے جو اس کی مغفرت کے لیے روزِ محشر شفاعت اور بخشش کا موجب ہوجائے گی ۔

محشر میں لے کے جاؤں گا انجم میں کیا بھلا
فردِ عمل میں ہیں یہی اشعار کیا کروں؟

کچھ اور غزل رنگ نعتیہ اشعار ملاحظہ کریں جنھیں میں نے شاعر کے چمنستان نعت سے چن چن کر گل و لالہ کی طرح آپ کے لیے بکھیرا ہے ؎

تیرے انجم نے بہت دیکھی ہے دنیا لیکن
اس نے دنیا میں کوئی ثانی نہ دیکھا تیرا

....

کہاں مجال ہے جلوؤں کے تاب لانے کی
مقامِ فکر تو یہ ہے کہ روبرو ہوجاؤں
جنوں میں کام لیا ہے خرد سے یوں میں نے
ادھر ہو چاک گریباں ادھر رفو ہو جاؤں
میں قطرہ قطرہ بڑھا ہوں سمندروں کی طرح
یہ آرزو ہے فنا تجھ میں جو بہ جو ہو جاؤں
ہر چیز ترے نام پہ قربان ہے میری
دنیا کو تو میں نے کبھی اس دل میں نہ رکھا

....

ہم خوش ہیں تیرا تیر ٹھکانے پہ آلگا
ناوک کماں سے نکلا جگر میں اٹک گیا

....

محبت کی زباں میں لفظ و معنی کچھ نہیں انجم
یہ دل کی گفتگو ہے اس کو دل والے ہی سمجھیں گے

ان تمام نعتیہ اشعار میں غزل کی دھنک مقید ہے۔ ظاہر ہے انسان جس سے محبت کرتا ہے اس

کی آنکھوں کو کسی اور کا حسن جنچتا ہی نہیں۔ پہلی مرتبہ جب کوئی اپنے محبوب سے ملنے والا ہوتا ہے تو سو سو انداز میں وہ اس نادیدہ محبوب کے سراپا میں رنگ بھرتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ جب وہ اس سے ملے گا تو اس کے جلوؤں کی تاب کیسے لائے گا۔ مگر اس کی چاہت ہے کہ اس کی محبت میں فنا ہو جانا چاہتی ہے۔ وہ اپنی ہر شے کو اس پر فدا کر دینا چاہتا ہے۔ اس کے عشق کے تیر سے اس کا جو جگر زخمی ہوا ہے اس سے وہ یک گونہ فرحت و مسرت کا احساس کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ یہ سب عشق و مستی کی باتیں ہیں۔ ان باتوں کو وہی سمجھیں گے جو دل والے ہیں۔ بیدل لوگ ایسی باتیں سمجھ نہیں سکتے نہ ہی ان کا ادراک کر سکتے ہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ دل کی انہی باتوں نے اسے زندگی دی ہے۔ اسے جینے کا حوصلہ دیا ہے۔ اسے ساری دنیا کی دولت سے نوازا ہے۔ سو وہ اس جان پاک مدینہ پر لاکھوں کروڑوں درود وسلام کی ڈالیاں پیش کرتا ہے ؎

دلِ انجم صنم آشنا ، ہوا ان سے ہی حرم آشنا
عرب آشنا، عجم آشنا، سو درود ہے سو سلام ہے

یہ نظام فکر، یہ انداز بیاں، یہ زبان واسلوب اور یہ اظہار حماد انجم کی بیشتر نعتیہ شاعری کا ایسا آرٹ ہے جس پر ان کی اپنی اختراع و ایجادات کی مہر لگی ہوئی ہے۔ جو اس قدر جاذب نظر، پرکشش، دلکش اور رعنائی آمیز ہے کہ جو اسے پڑھتا ہے وہ ان کے محبوب کے سراپا میں گم سا ہو جاتا ہے۔ اسے بھی جان پاک مدینہ سے عشق اور محبت کی سرشاری کا احساس ہونے لگتا ہے اور یہی حماد انجم کی غزل آہنگ نعتوں کی معراج ہے ؎

اس دور میں تو اور بھی ہیں نعت گو مگر
انجم تمہارا رنگ جدا گانہ اور ہے

....

آخر کو نعت پاک پہ ٹوٹی تمہاری تان
انجم ہو تم بھی یار بہت ہی کمال کے

❋❋❋

ڈاکٹرمحمدکلیم محی الدین

تلوک چند محروم کی حمدیہ شاعری

تلوک چند محروم اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کی پیدائش یکم جولائی 1887 کو ضلع میاں والی (پنجاب، پاکستان) میں ہوئی۔ بی، اے تک تعلیم حاصل کی اور پھر مختلف مقامات پر درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ملک کی تقسیم کے وقت بھڑک اٹھنے والے فسادات کی بنا پر راولپنڈی سے دہلی ہجرت کر گئے۔ محروم کے یہاں شاعری کا جذبہ بہت فطری تھا وہ بہت چھوٹی سی عمر ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ ۱۹۰۱ میں جب مڈل اسکول کے طالب علم تھے تو ملکہ وکٹوریہ کا مرثیہ لکھا۔ ہائی اسکول کی طالب علمی کے دور میں رسالہ 'زمانہ' اور 'مخزن' میں ان کی نظمیں شائع ہونے لگی تھیں۔ تلوک نے تمام اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کی نظموں میں قومی جذبات بہت شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ محروم نے بچوں کے لیے بھی لکھا، بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی نظمیں بچوں میں قومی جذبات کو ابھارنے اور ان کو زندگی کی مثالی اقدار سے متعارف کرانے کے لیے مؤثر ہیں۔ زندگی کی بے ثباتی پر ان کا یہ شعر کافی مشہور ہے۔

اے ہم نفس نہ پوچھ جوانی کا ماجرا
موج نسیم تھی ادھر آئی ادھر گئی

گنج معانی، رباعیات، کاروان وطن، نیرنگ معانی، بچوں کی دنیا، بہار طفلی، ان کے شعری مجموعے ہیں۔ 6 جنوری 1966 کو دہلی میں انتقال ہوا۔

تلوک چند محروم نے خدا کی حمد میں بھی شاعری کی ہے۔ غیر مسلم حمد ونعت گو شعرا میں ان کا نام شامل ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں صرف تبرکاً ہی نہیں بلکہ کافی تعداد میں حمدیہ اشعار کہے ہیں۔ ان کے دیوان میں تقریباً چار پانچ حمد شامل ہیں۔ جو مختصر غزل کی شکل میں نہیں بلکہ 6 اشعار کے ایک بند کی شکل میں لکھی گئی ہے اور کئی کئی بند پر حمد مشتمل ہے۔ انہوں نے خدائے واحد کی مختلف صفات کو بڑے پُر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔

تلوک چند محروم نے زمزمہ توحید کے عنوان سے حمد میں ربِ کائنات کی توصیف بیان کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہر ذرہ میں ہے ظہور تیرا === ہے برق و شرر میں نور تیرا
افسانہ تیرا جہاں نہاں ہے === چرچا ہے قریب و دور تیرا
ہر ذرہ خاک میں ہے لمعاں === مخصوص نہیں ہے طور تیرا
محتاج شراب و جام کب ہے === جس کو ہوا سرور تیرا
گاتے ہیں سحر ہوا میں کیا کیا === دم بھرتے ہیں سب طیور تیرا
تو جلوہ فگن کہاں نہیں ہے === وہ جا نہیں تو جہاں نہیں ہے

(زمزمہ توحید، گنج معانی محروم، ناشر محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، صفحہ 35، نئی دہلی)

تلوک چند محروم نے ''ترانۂ وحدت'' کے عنوان سے مناظر قدرت کو پیش کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور حمد وثنا پیش کی ہے۔ ایک جھلک ملاحظہ کیجیے

ہے نظارہ محو حیرت کہ جہاں میں تو ہی تو ہے
کہیں آب ہے گہر میں، کہیں گل میں رنگ و بو ہے
مہ و مہر میں درخشاں تو نجوم میں ہے تو باں
ترا نور ہر طرف ہے ترا جلوہ چارسو ہے

(ترانہ وحدت، گنج معانی محروم، ناشر محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، صفحہ 39، نئی دہلی)

ایک حمد انہوں نے ''تو ہی تو ہے'' کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس میں تضمین بھی ہے۔ ''جدھر دیکھتا ہوں ادھر تُو ہی تُو ہے'' اس مصرعے کو انہوں نے اپنی حمد میں بطور تضمین استعمال کیا ہے۔ چھوٹی بحر اور قافیہ، ردیف کا بہترین استعمال کیا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

نہ دل میں وہ ہنگامۂ آرزو ہے === نہ آنکھوں میں بیتابی جستجو ہے
نہ لب پر غم ہجر کی گفتگو ہے === نہ وحشت نہ وہ شورش ہا و ہُو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

مذکورہ بالا اشعار میں دل کی کیفیت بیان کرنے کے بعد انہوں نے اسی حمد میں گلستان اور برگ و بہار کا خوبصورت نقشہ پیش کیا ہے۔ دیکھیے۔

شجر میں حجر میں گل و خار میں تُو === گلستاں میں تُو، برگ اور بار میں تُو
بیابان و صحراو گلزار میں تُو === عیاں وادی و دشت و کہسار میں تُو

جدھر دیکھتا ہوں، ادھر تو ہی تو ہے

(تو ہی تو ہے، گنجِ معانی محروم، ناشر، محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، صفحہ 40 نئی دہلی)

مذکورہ اشعار میں انھوں نے دلی جذبات کے اظہار اور خدا کی شان کا اظہار کیا ہے۔

انھوں نے ''یہ کس کے جلوے ہیں سارے'' کے عنوان سے ایک حمد لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے خدا کی نشانیاں دکھائی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے ۔

فلک پہ مہرومہ پُر ضیا کے جلوے ہیں === زمین پہ لالہ وگل کی ادا کے جلوے ہیں

بُتانِ مہر وش و مہ لقا کے جلوے ہیں === قسم خدا کی، غضب کے بلا کے جلوے

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کے جلوے ہیں

(یہ سارے جلوے ہیں سارے، گنجِ معانی محروم، ناشر، محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، صفحہ 42، نئی دہلی)

زمین ولالہ وگل کے علاوہ انھوں نے اس حمد میں مختلف مناظر کو پیش کیا ہے ذیل میں دیکھیے ۔

چاندنی تیرے لیے اس نے بنائی === خاک کے فرش پہ چادر یہ بچھائی کیسی

چرخ پر ماہ کی ہے جلوہ نمائی کیسی === رخ پر نور میں اس کے ہے صفائی کیسی

دیکھ! صانع نے یہ صنعت ہے دکھائی کیسی === اب بھی شاداں نہ ہوا اے دل! تو خطا کس کی ہے

ایک اور جگہ تلوک چند محروم نے حمد کے مقطع میں لکھا ہے:

روز محرومؔ یہی درس پڑھاتا ہے تجھے === سیکھنے کی ہیں جو باتیں وہ سکھاتا ہے تجھے

لے کے ہر روز جو ویرانے میں جاتا ہے تجھے === مرحلے راہ حقیقت کے دکھاتا ہے تجھے

الغرض تلوک چند محروم نے اپنے دیوان میں جہاں سبھی طرح کی اصناف شعر میں طبع آزمائی کی ہے وہیں پر انھوں حمدیہ اور نعتیہ شاعری کے بھی بہترین نمونے بعد والوں کے لیے چھوڑے ہیں۔ اردو شاعری کے حمدیہ شعرا میں تلوک چند محروم کا نام ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔

***

ڈاکٹر داؤد رہبر
بوسٹن یونیورسٹی

داغ دہلوی کے کلام میں حمد و نعت

داغ کے وسیع المشرب اور عالی ظرف ہونے کی شہادت ان کے کلام میں نہیں، ان کی حیات کے قصے میں ملے گی۔ ان کا سلوک ہم جنسوں سے کیسا رہا اور ہم جنسوں نے ان سے جو اچھے اور برے برتاؤ کیے، ان سے یہ کس طرح نپٹے؟ بالعموم ان کا حال شکرانے کا تھا یا کفرانِ نعمت کا۔ انہی باتوں سے ایمان کا حال معلوم ہوگا۔ کلام پر جائیں تو ایک طرف داغ کا شعر ہے:

روزے رکھیں، نماز پڑھیں، حج ادا کریں
اللہ یہ ثواب بھی ہے کس عذاب کا

اور دوسری طرف یہ امر واقعی کہ داغ روزہ بھی رکھتے تھے، نماز بھی پڑھتے تھے اور حج بھی کر آئے۔ اُدھر داغ نے اپنے ہر دیوان کی تمہید حمد اور نعت سے باندھی۔ حمد اور نعت روایتی اصناف ہیں۔ ان کے بغیر دیوان ٹھیک سے مرتب نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حمد اور نعت سے شاعر اپنے دھرم کا اعلان کرتا ہے۔ ایسے کلام سے اس کے ایمان کا حال بخوبی معلوم نہیں ہوسکتا۔ البسۂ فاخرہ سے پہننے والے کے کردار کی خوبی ثابت نہیں ہوتی۔ کلمۂ شہادت کا زبان پر لانا اچھی بات ہے، لیکن اسے بول دینے کے یہ معنی نہیں کہ بولنے والے کے سینے میں اب یقین ہی یقین ہے۔ گمان کا شائبہ تک نہیں۔

لاکھوں صوفی ایسے ہوگزرے ہیں کہ انہوں نے لا الہ الا اللہ بھی کہا اور لاموجود الا اللہ بھی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا اس دوسرے کلمہ میں انبیاء کے وجود سے انکار نہیں؟ عقیدے کا اظہار بہر حال عجیب وغریب پہیلی ہوتا ہے۔

عقیدہ اور عقیدت کے اظہار سے ایک مقصد تو بہر حال پورا ہوتا ہے۔ دیوان کے آغاز میں

حمد اور نعت شامل کر کے صاحبِ دیوان ملت سے اپنی یگانگی جتاتا ہے۔اس سے تپاک حاصل ہوتا ہے۔حمد اور نعت کو پڑھ کر مسلمان قارئین جی میں کہتے ہیں ہاں یہ ہمارا اپنا آدمی ہے۔ با قاعدگی سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں بھی ہم سوچتے ہیں خدا جانے اس نمازی کی دیانت کا درجہ کیا ہے۔میں نے لڑکپن میں برسوں مغرب کی نماز بغیر نماز کے الفاظ کو سمجھے پڑھی۔ عربی کی سُدھ بُدھ ہو جانے کے بعد معانی سمجھ میں آئے تو بھی حضورِ قلب کی صورت کم ہی ہوئی۔ نماز کے الفاظ ستّر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑائے۔سبحان ربی العظیم تین دفعہ اور سبحان ربی الاعلیٰ تین دفعہ۔یہ بھی اُسی بھاگڑ میں۔آخری رکعت ختم کر کے سلام پھیرا تو فرشتوں کو ہنسی آئی۔

ایک غزل کے مقطع کو نعتیہ کر کے داغؔ نے دعا کی۔ظاہر ہے کہ اسلام کے قافیہ سے یکا یک دھیان اُدھر کیا۔دعا میں اس اچانک پن سے لطف پیدا ہوا۔ بیساختہ مقطع نے غزل کی تاثیر بڑھا دی:

داغ عاصی کو ملے نعمتِ فردوس و نعیم == یا نبی دولتِ اسلام کے دینے والے

مسلمان کا ایک تعلق اللہ سے ہے اور ایک محمد سے۔اللہ کی محبت کے ساتھ خوف خدا بھی لگا ہوا ہے۔محمد کی محبت میں خوفِ محمد شامل نہیں۔اس دعا میں خطاب اللہ سے نہیں، شفیع المذنبین سے ہے: جس غزل کا یہ مقطع ہے،اس کے موڈ کا اندازہ ان دو شعروں سے کیجیے:

میرے قاصد کو دیا اس نے یہ جھنجلا کے جواب
کون ہوتے ہیں وہ پیغام کے دینے والے
جاں نثاروں کو ملا کرتے ہیں اکثر دشنام
تم سلامت رہو انعام کے دینے والے

خوش طبعی والے ان غزلیہ اشعار کے آخر میں مقطع نعتیہ ہوا تو سرخوشی اس میں بھی موجزن رہی اور یوں لگا کہ دعا کرنے والے کو نبی کریم اور پروردگار کے لطف و کرم کا یقین اسی طرح ہے جس طرح ایک لاڈلے بچے کو ماں باپ کے لاڈ پیار کا یقین ہوتا ہے۔یہ مقطع قوالوں کے کام

کا ہے۔ایک بار پھر سنیے:

داغؔ عاصی کو ملے نعمتِ فردوس ونعیم == یا نبی دولتِ اسلام کے دینے والے

دیوان مرتب کرنے کا وقت آیا تو داغؔ کو خدا اور رسول ایک خاص ضرورت سے یاد آئے۔ دیوان کے آغاز میں حمد اور نعت کا شامل کرنا ضروری ہوا۔اب دیکھتے ہیں کہ اس طرح کی رسمی یاد کی کیفیت کیا ہے۔''گلزارِ داغؔ'' والی حمد میں غالباً مطلع ہی پہلے کہا گیا اور مطلع کا بھی دوسرا مصرع پہلے اور اسی سے حمد کی زمین طے ہوئی:

ع عصائے موسوی ہے حمدِ خالق میں قلم میرا

اللہ کو شاعر نے خالق کہہ کر آفرینش کا اشارہ کیا یعنی انتہائی اجمال کے ساتھ یاد کیا۔بارہ اشعار کی حمد میں اتنی گنجائش کہاں تھی کہ ساری کائنات کی آفرینش کی کہانی اس میں کہی جاتی۔

متکلمین نے کہا ہے کہ جمہور کا ایمان اجمالی ہوتا ہے غور کریں تو ماننا پڑے گا کہ بڑے سے بڑے مفکر کا ایمان بھی اجمالی ہی ہوگا۔اس حمد کے مطلع کی شرح لکھی جائے تو لفظ خالق پر جو کچھ کہا جائے،وہ بھی اجمالی ہی رہے گا۔

تحت الشعور خدا کو ہر لحہ یادرکھتا ہے،شعور گاہے گاہے۔گفتگو میں بعض جملے ہم واللہ(خدا کی قسم)کہہ کر بول جاتے ہیں۔اُف اللہ یا ہائے اللہ بول اُٹھتے ہیں۔کبھی کہتے ہیں اللہ کرے،کبھی کہتے ہیں اللہ کا نام لو۔استعجاب کے حال میں اللہ اللہ زبان پر آتا ہے۔یہ سب کہتے ہوئے شعور کو اعتراف رہتا ہے کہ سِرِّ اعظم اللہ ہی ہے۔

اللہ سے خطاب کرتے ہوئے یا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ننانوے ناموں میں سے چند تحت الشعور میں ہوتے ہیں۔علیم،خبیر،بصیر،غفار،قہار،مالک یوم الدین،رحیم،کریم،عادل، لیکن مسلمان کے ذہن میں اللہ کا تصور(معاذ اللہ)ایک بزرگوار بابا کی صورت سے آئے تو اس کا ہوش چوکنا ہوکر کہے گا۔خبردار،اللہ تجسم سے بری ہے،اللہ کو نور السموٰات جان کر یاد کرو۔

داغؔ کے ہاں اللہ کے دھیان میں چند باتیں قصص القرآن کی شامل ہوں گی،لیکن اللہ کا

سجھاؤ کیا ہے اس کا احساس داغؔ کے احوالِ زندگی سے متعین ہوگا۔ داغؔ نے خدا کو یاد کیا تو قسّام جان کر۔ یعنی یہ سوچ کر کہ اللہ نے مجھے کس حال میں رکھا، اللہ نے مجھے آرام کی زندگی عطا کی یا متواتر میرا امتحان لیا؟ اسی سوچ سے احساس کی کیفیت پیدا ہوئی۔

ساری دنیا کے حق میں اللہ کی مرضی کیا ہے، اس کی سوچ داغؔ کی بساطِ خیال پر مرکزی نہیں۔ داغؔ کو تو یہ جاننا ہے کہ داغؔ کے حق میں اللہ کی مرضی کیا تھی، ہے اور ہوگی۔ زیادہ تر اسی مرضی کے خیال میں رہ کر داغؔ نے اللہ کے سجھاؤ کو (حیرت کے عالم میں) جانا۔

حمد کا پہلا شعر خم ٹھونک کر کہا۔ ایسی ایکٹنگ بچے خوب کرتے ہیں۔ ہٹ جاؤ، رستم کے راستے سے ہٹ جاؤ ۔

عدوئے سامری فن دیکھے اعجازِ رقم میرا == عصائے موسوی ہے حمدِ خالق میں قلم میرا

کہتے ہیں میرا قلم حمدِ خالق میں عصائے موسوی ہے۔ میں اپنے دشمن کو جو سامری کا سامداری ہے، اپنی تحریر کا ایسا معجزہ دکھاؤں گا کہ وہ منھ دکھانے کے قابل نہ رہے گا۔

شاعر نے جو دعویٰ کیا، اس پر شاعر کو یقین ہے کہ سامعین اسے سن کر خوش ہوں گے، لیکن یہ شعر تو شاعر نے اللہ میاں کو سنانے کے لیے کہا۔ کیا شاعر کو یقین ہے کہ اللہ میاں نے یہ شعر سنا اور وہ خوش ہوئے؟ یہاں یہ کہنا بے جا نہیں کہ شاعر صرف امید ہی رکھ سکتا ہے کہ اللہ میاں یہ مصرع سن کر ملتفت ہوئے۔ یہاں سرِّ اعظم کی سوچ ہے۔ اس میں عقیدہ کے ساتھ لاادریت کی کچھ آمیزش ضرور ہوگی۔ داغؔ کو بہر حال امید ہوئی کہ ان کی شاعرانہ شوخی سے خدا اور حضرت موسیٰؑ نے مل کر لطف اٹھایا۔ دوسرا شعر ۔

برنگِ بوئے گل ہے ہر نفس یادِ الٰہی میں == قیامت تک بھرے گی دم نسیمِ صبح دم میرا

میرا ہر نفس یادِ الٰہی میں گل کی سی خوشبو رکھتا ہے۔ نسیم سحری قیامت تک میرا دم بھرے گی، شاعرانہ مبالغہ کی حد ہے۔ اس مبالغہ کو جذبۂ عبودیت کے وفور کا اظہار جان کر ہی اس کی داد دی جائے گی۔ گو وفور کے اظہار سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ایسا وفور شاعر کے دل میں واقعی ہے بھی

یا نہیں۔ قصیدہ گو ممدوحوں کی ثنا میں ایسے مبالغے صدیوں کرتے رہے۔

اگلا شعر دعا ہے:

سلامت منزلِ مقصود تک اللہ پہنچا دے == مجھے آنکھیں دکھاتا ہے ہر اک نقشِ قدم میرا

شعر کا مضمون قافیہ سے تحریک پذیر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس شعر کا مضمون نقش قدم کی سوچ سے نکلا۔ یا اللہ مشکل آسان کر، یہ نہیں بتایا کہ مشکل ہے کیا۔

اگلے دو شعروں کا حمد سے صریحاً کوئی تعلق نہیں:

یہ دودِ شمع دل راتوں کو لیتا ہے تعلّی کی == خجل کرتا ہے زلفِ حور کو بھی پیچ و خم میرا

کہیں سودائیانِ عشق کو تفریح ہوتی ہے! == بہت چھانا ہوا ہے باغِ فردوس و ارم میرا

یہ دو شعر تشبیب (تغزل) کا مضمون رکھتے ہیں۔ یہ درمیان میں کہاں سے آ ٹپکے۔ صاف ظاہر ہے کہ داغ کی عادت غزل کہنے کی ہے۔ حمد کہتے ہوئے انہوں نے تغزل پر بند باندھا تھا۔ بند ٹوٹ گیا۔ دو شعر غزل کے آداخل ہوئے۔ پھر احساس ہوا کہ یہ تو حمد کا سلسلہ ہے۔ اللہ کی طرف دھیان پھر سے جما کر کہا:

الٰہی کعبۂ تسلیم میں یوں باریابی ہو == بڑھے لبیک کہہ کر پیشتر سب سے قدم میرا

الٰہی! دوسروں سے پہلے مجھے باریاب کیجیو۔ شاہی درباروں کا پروردہ ایسا شعر کہے گا۔ ماوشما ایسی بات نہ کہیں گے۔ ہم تو کہیں گے الٰہی! جب دربار لگے تو ہمیں بھی باریاب کیجیو، یہ نہ کہیں گے ہماری باری پہلے ہو:

مجھے آباد کرتا ہے مجھے برباد کرتا ہے == خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا

مضمون عجلت میں ملا۔ ''ستم میرا'' قافیہ ذہن میں آیا تو ''کرم تیرا'' بھی آیا۔ تیرا کرم مجھے آباد کرتا ہے یہ خیال تو درست ہے۔ میرا ستم مجھے برباد کرتا ہے، کون سا ستم؟ شاید یہ کہ فاطمہ بیگم سے پوشیدہ رکھ کر مُنی بائی کو بار بار گلے لگایا۔ اور تو کوئی ستم ایسا ہمیں معلوم نہیں جو داغ نے کسی پر کیا ہو۔ شعر میں کوئی بات پیدا نہ ہوئی۔ خانہ پُری رہی۔ ساز سنگت مہیا ہوا اور کوئی طبیعت

دار قوال اس شعر کو گائے تو اس میں جان ڈالے۔

اگلا شعر آمد سے کہا گیا۔طبیعت حاضر ہوئی اور موج میں آئی۔

تری بندہ نوازی ہفت کشور بخش دیتی ہے == جو تو میرا جہاں میرا، عرب میرا، عجم میرا

اللہ کی مہربانی شامل حال ہو تو واقعی بندہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے دنیا فتح کر لی۔عدم کے قافیہ نے پھر یہ شعر کہلوایا:

فنا فی اللہ ہو کر پاؤں عمرِ جاوداں ایسی == مسیح و خضر کی ہستی سے بڑھ کر ہو عدم میرا

سوچ نے کرتب دکھانا چاہا، صوفیوں سے محاورہ مستعار لے کر شعر میں جڑ دیا گیا۔فنا فی اللہ ہونے کی اس آرزو میں صدق ہے یا نہیں کون جانے۔ یہ محاورہ وحدت الوجود والوں کا محاورہ ہے۔محاورے کہنے کی باتیں ہو کر رہ جاتے ہیں۔داغؔ کے مشاغل صوفیوں کی چلہ کشی کے مشاغل نہ تھے۔ داغؔ کا رہن سہن خانقاہی نہ تھا۔ان کا مزاج بقا باللّٰہی تھا نہ کہ فنا فی اللّٰہی۔صوفیوں کا سنا سنایا، بنا بنایا محاورہ بلاتوقف عدم کے قافیہ کی مناسبت سے استعمال کیا۔

اس شعر میں عمرِ جاوداں کی خواہش کا اظہار ہے۔ یہ خواہش فطری نہیں لگتی۔غالبؔ نے سچ کہا:

ع نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

میں نے ایک روز ڈیڑھ سو طلبہ کی ایک کلاس سے کہا تم میں سے جس پسر یا دختر کو کوئی جنم لے لے کر بار بار پیدا ہونے کی خواہش ہے، ہاتھ کھڑا کرے۔کسی نے بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔پھر میں نے کہا تم میں سے اگر کسی کو ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش ہے تو ہاتھ بلند کرے۔اب کے بھی کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ اس سے میرے خیال کی تصدیق ہوئی کہ عمرِ جاوداں کی خواہش فطری نہیں۔ عمر جاوداں کے خیال سے طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے۔

اگلے شعر میں شکر اور شکایت کی گنگا جمنی ہے۔لطیف طنز کا شبہ ہوتا ہے:

سنا جب سے یہ دولت آدمی کو تو نے بخشی ہے == نہیں پھولا سماتا خاطرِ غمگیں میں غم میرا

کہا گیا ہے: ع با خدا دیوانہ باش و با نبی ہشیار باش

اللہ سے صوفی اور غزل گو چُہل اور شوخی سے بات کریں گے۔ رسولؐ کی یاد میں ایسا احترام ہوتا ہے کہ سب سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بیبیاں سروں کو دوپٹوں سے ڈھانک لیتی ہیں، مردوں کے چہرے مؤدب ہو جاتے ہیں۔ داغ نے اگلا شعر ایسے ہی حال میں کہا ہوگا:

الٰہی نقش ہو کلمہ رسول اللہ کا دل پر == چلے کونین میں نامِ محمد سے درم میرا

حمد کے مقطع میں تغزل نے پھر زور مارا۔ رندانہ جسارت کی رگ پھڑکی۔ شطحات گوئی کی عادت نے یہ شعر کہلوایا:

جلوں گا حشر تک اے داغ میں سوزِ محبت میں == نہ دے گی ساتھ تا روز جزا شمعِ حرم میرا

میری محبت کے سوز کا ساتھ شمع حرم نہ دے گی۔ اس شعر میں حمد کا پہلو کیا ہے؟

یہ جو کہتے ہیں الحمد اللہ علیٰ کلِ حال، آہ بھر کر کہتے ہیں۔ اس کی تہہ میں ذرا سی سرکشی ضرور ہوتی ہے۔ حمد میں داغ نے کچھ دُکھڑا شامل کر دیا۔ داغ بھی ہماری مانند عاجز تھے۔ خدا کے ساتھ ہمارے تعلقات کی صورت یہی ہے کہ شکر کے ساتھ شکایت بھی ہوگی۔ خلوص میں ریا کی ایک لہر بھی ہوگی۔ یقین میں تھوڑا سا شائبہ شبہ کا ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ میاں:

ع صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

''گلزارِ داغ''میں حمد کی دو نظمیں ہیں۔ پہلی کی ردیف ہے میرا، دوسری کی ردیف ہے تیرا۔ دوسری ردیف سے حمد میں بہتر اشعار نکلے۔ قوالی میں اس کا مطلع دُہرا کر گایا جائے تو سماں بندھے:

یہاں بھی تُو وہاں بھی تُو، زمیں تیری، فلک تیرا == کہیں ہم نے پتا پایا نہ ہرگز آج تک تیرا

اس مطلع کے بول تو شاعرانہ اور والہانہ ہیں۔ دوسرے شعر میں راسخ عقیدہ نظم ہوا ہے۔ شاعر نے اس میں طبعزاد بات نہیں کہی۔ علمائے دین بھی عین یہی کلمہ پڑھیں گے۔ فرق یہ ہے کہ ان کی زبان سے یہ نثر ہو کر بولا جائے گا:

صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے قادرِ مطلق == نہ تیرا کوئی ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

نثر میں مشترک کی جگہ شریک کہا جائے گا۔ یہاں قافیہ نے مجبور کیا تو مشترک کہنا پڑا۔ سچ تو

یہ ہے کہ قافیہ ہی سے خیال اس مضمون کی طرف دوڑا۔اس کے بعد کہتے ہیں:

جمالِ احمد و یوسفؑ کو رونق تو نے بخشی ہے == ملاحت تجھ سے شیریں، حسنِ شیریں میں نمک تیرا

نمک کے قافیہ سے خیال ملاحت کی طرف گیا۔وہاں سے حسن کی طرف، حسن سے یوسفؑ کی طرف۔احمدؐ کے جمال کا ذکر شامل کیا کہ حمد کے ضمن میں نعت کی بات بھی ہو۔دونبیوں کے جمال کے ذکر سے شعر میں قوالی والی بات پیدا ہوئی۔دیگر جو قافیے ذہن میں گھومے،ان میں سے ملک کو چن کر ایک اور مضمون موزوں ہوا:

ترے فیض و کرم سے ناز و نور آپس میں یکدل ہیں == ثنا گر یک زباں ہر ایک ہے جنّ و مَلک تیرا

پہلے مصرع میں طبعزاد خیال لائے ہیں۔دوسرے میں قرآن مجید کی آیات کی گونج ہے۔

ایک اور قافیہ ابھرا (شک) تو اس سے جو خیال چھڑا، وہ صوفیانہ آزادخیالی کا نمائندہ ہے۔ متکلمین کے ہاں یہ نزاعی مسئلہ ہے:

کسی کو کیا خبر کیوں خیر وشر پیدا کیے تو نے == کہ جو کچھ ہے خدائی میں وہ ہے لاریب وشک تیرا

اگلے شعر میں اپنی طرف سے کچھ نہیں، مشہور قصہ شعر میں باندھا ہے:

نہ جلتا طور کیوں کر، کس طرح موسیٰ نہ غش کھاتے == کہاں یہ تاب وطاقت جلوہ دیکھے مردمک تیرا

مقطع میں جو دعا کی ہے، ضرور دل سے نکلی ہے:

دُعا یہ ہے کہ وقتِ مرگ اس کی مشکل آساں ہو == زباں پر داغ کے نام آئے یارب یک بیک تیرا

اب ''گلزارِ داغ'' والی نعت پڑھیے:

اللہ شوق دے مجھے نعتِ شریف کا == شہرہ ہو خوب میرے کلامِ لطیف کا

سرسبز کشتِ دل ہے محمدؐ کے عشق میں == کیا اس زمیں میں کام ربیع و خریف کا

اللہ رے اس کے علمِ لدنّ کا معجزہ == اُمیّ سبق پڑھائے کتابِ شریف کا

حسرت جس آبرو کی سلیمان کو رہی == یثرب میں ہے وہ مرتبہ مورِ ضعیف کا

شیطان بھاگتا ہے محمدؐ کے نام سے == کیا خوف اس پلید و خبیث و کثیف کا

مداحِ مصطفےٰ سے کرے کوئی بحث کیا == سحباں ہے خوشہ چیں مری طبعِ ظریف کا
ادنیٰ شجاعت احمد مرسل کی دیکھنا == کیاحال جنگِ بدر میں تھا ہر حریف کا
ہے ناتوان عشقِ محمد میں پہلواں == رستم سے ہو مقابلہ کب اس نحیف کا
صبر جمیل تھا کہ ستم پر ستم سہا == بوجہل وبولہب سے ذلیل و خفیف کا
اے داغؔ شعر ڈھل گئے نعتِ شریف میں == ہے فکرِ قافیہ نہ تردد ردیف کا

اس نعت کے مقطع سے یوں لگتا ہے کہ نعت آمد کے بغیر کہی گئی، بلکہ مطلع بھی کہے دیتا ہے کہ کہنی پڑی تو کہی۔ اللہ سے دعا کی ہے یا اللہ! مجھے نعتِ شریف کا شوق دے۔ اگر طبیعت میں جوش ہوتا تو شوق کے ہونے نہ ہونے کا خیال ہی کیوں آتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ داغؔ کو رسول اکرمؐ سے محبت نہ تھی۔ آمد اس لیے نہ ہوئی کہ نعت گوئی داغؔ کا میدان نہ تھی، جیسے مرثیہ گوئی غالبؔ کا فن نہ تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ محبت اللہ سے ہو یا رسول اللہؐ سے ہو یا محبوب سے ہو، پرائیوٹ ہوتی ہے۔ اس کے اعلان کا پیرایہ کیسا ہونا چاہیے، عجیب سوال ہے۔ قیافہ سے یا لہجہ سے رازِ محبت کا کھل جانا اور بات ہے، لیکن محبوب کا نام لے کر محبت کا ڈھنڈورا پیٹنا ایسا فعل ہے کہ شائستہ آدمی اس سے بخوبی نپٹ نہیں سکتا۔ اس عجز کا اعتراف غالبؔ نے اس مقطع میں کیا:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم == کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

پہلے دیوان (''گلزارِ داغ'') کی ترتیب کے ایام میں داغؔ کی خاطر جمع نہ تھی۔ رامپور کی نوکری تھکانے والی تھی۔ جوانی ڈھلنے لگی۔ صدق دلی سے یہ کہنا شاید ان کے لیے ان دنوں آسان نہ تھا کہ اللہ تیرا ہزار شکر ہے، اس لیے حمد اور نعت دونوں آورد سے کہی گئیں۔ دوسرا دیوان (''آفتابِ داغ'') اس کے چھ سال بعد مرتب ہوا۔ اس زمانے میں رامپور کے نواب کی عنایات سے ناراحتی کم ہوئی، عمر اور کلام کی پختگی سے استادی کا مرتبہ مسلم ہوا، سارے ملک میں کلام کی دھوم مچی، طبیعت میں شکر کی مٹھاس آئی۔ ''گلزارِ داغ'' والی حمد میں اللہ سے من وتو کا رشتہ تھا:

ع عصائے موسوی ہے حمدِ خالق میں قلم میرا

''آفتابِ داغ'' میں شامل کرنے کو جو حمد کہی، اس میں رشتہ من و تو ہو کر آیا۔ عشقِ مجازی سے سوز حاصل کرنا داغ کا خاص مشغلہ رہا۔ جتنا سوز حاصل ہوا اس کا نذرانہ لے کر اب یہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے ہیں۔ اب کے حمد میں اللہ سے سچی دوستی کی باتیں ہیں۔ عرضِ نیاز کا آغاز کیسی بے تکلفی سے کیا ہے:

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا == گویا جواب ہے یہ تیرے کبر و ناز کا

دے مجھ کو داغِ عشق کہ احسان مان لوں == اس دردِ جانفزا و غمِ دلنواز کا

''گلزارِ داغ'' والی حمد سپاٹ سی ہے۔ اسے سن کر اللہ میاں کو ضرور رحم آیا ہوگا۔ اب کے جو مضمون آفرینی ہوئی تو آسمان سے ندا آئی عش عش، جیو، جیو:

کھا کھا کے رشک تیرے شہیدانِ عشق کا == غم کھا نہ جائے خضر کو عمرِ دراز کا

بگڑے ہوئے بھی تیغِ حقیقت کے زخم زخم == ہنس ہنس کے مُنھ چڑاتے ہیں عشقِ مجاز کا

نہیں معلوم اگلے شعر میں خود اپنے آگاہِ راز ہونے کا دعویٰ کیا ہے یا عارفوں کے عرفان کو مانا ہے۔ شعر کا لہجہ بہر حال والہانہ ہے:

گو مہرِ لب ہے حکم ترا اس کا کیا علاج == دل بولتا ہے خود بخود آگاہِ راز کا

اگلا شعر کہنے کو خیال کی اُلٹ پلٹ میں رہنا نہ پڑا۔ یہ شعر ترشا ترشایا ذہن پر اُترا:

عالم تمام چشمِ حقیقت نگر بنا == مُنھ دیکھتا ہے آئنہ آئینہ ساز کا

اس کے بعد چار شعروں میں قافیہ پیمائی تو ہوئی، لیکن خیال میں چمک نہ آئی:

یوسف کو چاہ میں تو مسیحا کو چرخ پر == عالم دکھا دیا ہے نشیب و فراز کا

ہر چند راہِ کعبہ و بُت خانہ ایک ہے == اے راہ رَو ہے کام یہاں امتیاز کا

جل جل کے تیرے عشق میں گھل جائیں استخواں == مانندِ شمع لُطف ہے سوز و گداز کا

ناکامئ دوام بھی ہو عیشِ جاوداں == ایسا اسیر ہوں ہوس و حرص و آز کا

اب خیال شکر آمادہ ہوا۔ ایک شعر بیساختہ نکلا، ایسا کہ کہاوت بن جانے کے لائق ہے:

دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم == کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

پھر زور لگانا پڑا۔ دو شعر کہے۔ مبالغہ سے کام لے کر شاعرانہ بات پیدا کرنے کی کوشش کی ۔بات بنی تو بناوٹی سی:

رُتبے سے میرے، قیصر و سنجر کو رتبہ کیا == میں ہوں غلام شاہِ عراق و حجاز کا

مجھ کو نہ کیوں کر اس کی غلامی سے فخر ہو== محمود ایک بردہ ہے جس کے ایاز کا

مقطع اچھا ہاتھ آیا۔

کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغؔ == میں ہوں نیاز مند اُسی بے نیاز کا

دفترِ اعمال میں ثواب درج ہوا۔ کتنا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں۔

''آفتابِ داغ'' میں جو نعت ہے، اس کا مطلع سنتے ہی بے اختیار اس کے ساتھ تالی بجانے کو جی چاہتا ہے:

تُو جو اللہ کا محبوب ہوا، خوب ہوا == یا نبی خوب ہوا، خوب ہوا خوب ہوا

داغؔ کے تیسرے دیوان (''مہتابِ داغؔ'') کے آغاز میں حمد کی دو نظمیں ہیں۔ ان دونوں میں ثنائے پیمبر حمدِ الٰہی کے ضمن میں منظوم ہوگئی ہے۔ نعت جداگانہ نہیں کہی گئی:

میں کلمہ گو ہوں خاص خدا و رسول کا == آتا ہے بامِ عرش سے مژدہ قبول کا

وہ پاک ، بے نیاز، تجسم سے ہے بری == محتاج فوق و تحت، نہ وہ عرض و طول کا

انسان سے بیان ہوں کیوں کر صفاتِ ذات == ایسا کہاں ہے ذہن ظلوم و جہول کا

دونوں جہاں میں بوئے محمد ہے عطر بیز == کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا

صلِ علیٰ! ہے نام محمد میں کیا اثر == درماں دلِ علیل و حزین و ملول کا

طاعت خدا کی اور اطاعت رسول کی == یہ ہے طریق ، دولتِ دیں کے حصول کا

یہ داغؔ ہے صحابہ عظّام کا مطیع == یہ داغؔ جاں نثار ہے آلِ رسول کا

مقطع میں آلِ رسول سے اپنی شیفتگی کے ساتھ صحابہ عظّام کا احترام بھی جتایا ہے۔ اس سے

داغؔ کی صلح پسندی اور وسعت قلب کا پتا ملتا ہے۔ داغؔ کے باپ دادا سنّی (حنفی) تھے۔ رامپور اور حیدرآباد میں ان کے مربّی شیعہ تھے۔ اس شعر سے آشکار ہے کہ شاعر کو محتاط رہنا پڑا۔ البتہ غور کا مقام ہے کہ داغؔ کے تین دیوان جو میرے سامنے ہیں، ان میں منقبت حضرت علیؓ شامل نہیں۔ حمد اور نعت کو یکجا کر کے دوسری نظم جو ''مہتابِ داغؔ'' کے لیے کہی گئی، نقل کی جاتی ہے:

یا رب ہے بخش دینا بندے کو کام تیرا == محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام میرا
جب تک ہے دل بغل میں ہر دم ہو یاد تیری == جب تک زباں ہے مُنھ میں جاری ہو نام تیرا
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے ہمارا == احمد رسول تیرا مصحف کلام تیرا
شمس الضحیٰ محمد بدر الدجیٰ محمد == ہے نورِ پاک روشن ہر صبح و شام تیرا
اُس شاہِ انبیا کے در کا ہوں میں سلامی == آیا سلام جس کو پہنچا پیام تیرا
ہے تو ہی دینے والا پستی سے دے بلندی == اسفل مقام میرا اعلیٰ مقام تیرا
بے چون و بے چگوں ہے بے شبہ ذات تیری == واحد اَحد صمد ہے اللہ نام تیرا
محروم کیوں رہوں میں جی بھر کے کیوں نہ لوں میں == دیتا ہے رزق سب کو ہے فیض عام تیرا
یہ داغؔ بھی نہ ہوگا تیرے سوا کسی کا == کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

داغؔ کے کہے ہوئے دو سلام جو ''مہتابِ داغؔ'' میں شامل ہیں، غالباً حیدرآباد ہی میں کہے گئے۔ سلام کہنے کا خود نظام دکن محبوب علی خاں کو بھی شوق تھا۔ اس فضا میں رہ کر داغ کی طبیعت کو بھی تحریک ہوئی۔ ان دو سلاموں کی زمینیں نہایت مؤثر ہیں۔ ان میں شعر کہتے ہوئے داغؔ کا اخلاص ایسا گہرا اور احساس ایسا نازک اور اظہار ایسا بلیغ ہے کہ ان سلاموں کو ان کی شعر گوئی کا اوجِ کمال کہنا چاہیے:

سلام

اُن کو مجرا تھے جو زیرِ آسماں بیٹھے ہوئے == بھوکے پیاسے بے وطن بے خانماں بیٹھے ہوئے

شورِ ماتم سن کے اہلِ بیت کا سب اہلِ شام == شادیاں کرتے تھے گھر میں شادماں بیٹھے ہوئے
شاہ اس پر بھی اُٹھا دیتے تھے اعدا کے قدم == تیر تن پر دل پہ داغِ جاں ستاں بیٹھے ہوئے
وا دریغا دستِ عابد میں تو ہو اُن کی مہار == اور اونٹوں پر چلیں کچھ سارباں بیٹھے ہوئے
کربلا سے شام تک دم دم کی جاتی تھی خبر == جا بجا تھے ڈاک پر سب خط رساں بیٹھے ہوئے
اُمتِ عاصی کے حق میں شاہ نے مانگی دعا == جانبِ قبلہ زمیں پر نیم جاں بیٹھے ہوئے
جب مدینے میں شہادت کی خبر اُڑ کر گئی == کچھ کھڑے روتے تھے کچھ پیر و جواں بیٹھے ہوئے
کوفیوں نے خود بُلا کا یہ ستم برپا کیا == اپنے گھر تھے چین سے یہ شادماں بیٹھے ہوئے
حلق پر خنجر چلا سبطِ رسول اللہؐ کے == کھائی ہیں عابد نے غم کی برچھیاں بیٹھے ہوئے
بیٹھے بیٹھے پشتِ زیں پر ہی پڑھی شہ نے نماز == زخم کاری تھے بہت تا استخواں بیٹھے ہوئے
راہِ تسلیم و رضا میں اہلِ بیت مصطفیٰ == صبر کا کرتے تھے باہم امتحاں بیٹھے ہوئے
کہہ رہے تھے العطش جس وقت اہلِ حرم == سب کی سنتے تھے شہِ کون و مکاں بیٹھے ہوئے

قطعہ

حضرتِ عابد کو زنداں میں بھی تھا اتنا لحاظ == ہم سے غافل ہوں نہ در پر پاسباں بیٹھے ہوئے
رات کو جب چاپ ہوتی تھی کوئی دم کو اگر == پھر ہلا دیتے تھے اپنی بیڑیاں بیٹھے ہوئے
شاہ کے ماتم میں روئے ہیں بہت حور و ملک == دیکھنا جنت میں بھی ہوں گے مکاں بیٹھے ہوئے
حج زیارت کر چکے اب کربلا کو بھی چلو == داغ مدت ہوگئی تم کو یہاں بیٹھے ہوئے

سلام

سلام اس کو کیا جس کے نام چار طرف == اسی کے نام درود و سلام چار طرف
پڑی تھی گھیرے ہوئے فوجِ شام چار طرف == حسینؓ بیچ میں تھے روک تھام چار طرف

خضر بھی لا نہ سکے ایک بوند پانی کی == یہ اشقیا کا رہا انتظام چار طرف

نکل کے جائیں شہِ دیں نہ کربلا سے کہیں == پہنچ گیا تھا یہی حکمِ عام چار طرف

جب ایک بار ہی ساری سپاہ ٹوٹ پڑی == کیا ہے شاہ نے کیا قتلِ عام چار طرف

مدد کہیں سے نہ پہنچے یہ سب کو دھڑکا تھا == حسینؓ ابنِ علیؓ کا تھا نام چار طرف

یہ عرض شاہ سے کی حُر نے کیجیے اپنا == نہ بھٹکے یا مرے مولا غلام چار طرف

عدو کی جان پہ گرتی تھی ہر طرف بجلی == چمک رہی تھی جو تیغِ امام چار طرف

اِدھر تو خیمۂ اطہر میں ہر طرف ماتم == اُدھر خوشی کی پڑی دھوم دھام چار طرف

قضا بھی آئی تو مر مر کے آئی مقتل میں == عجب طرح کا رہا اژدہام چار طرف

در آیا جب صفِ اعدا میں ابنِ شیر خدا == تو بھاگتے نظر آئے تمام چار طرف

بلا بلا کے کریں کربلا میں شہ کو شہید == پہنچ گئے تھے یہ خفیہ پیام چار طرف

ہزار قتل کیے ذوالفقار حیدرؓ نے == قضا نے خوب کیا اپنا کام چار طرف

کھڑی ہوئی تھیں شہیدوں کے واسطے حوریں == لیے ہوئے مئے کوثر کے جام چار طرف

محبِ آلِ محمد محبِ حق ہوگا == یہ مشتہر ہے نبی کا کلام چار طرف

مثالِ خلطِ عناصر تھے متفق دشمن == اگرچہ پھیلے ہوئے تھے تمام چار طرف

رہے گا حشر تک اے داغ ربع مسکوں میں == غمِ حسین علیہ السلام چار طرف

***

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری ایڈوکیٹ
130، محلہ مہاجری، فتح پور (یوپی) 212601

قصیدۂ بُردہ وقصیدہ برأت کا ایجازی مطالعہ

قصیدہ بردہ کے تخلیق کار کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی ربیعہ بن ریاح ہیں، حضرت عمر فاروقؓ حضرت کعبؓ کے والد زہیر بن ابوسلمی کو سبعہ معلقہ کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتے تھے جب کہ دیگر محققین و ناقدین نے سبعہ معلقہ کے شعراء میں موصوف کو تیسرے درجہ پر فائز بتلایا ہے۔ موصوف یعنی کب بن زہیر فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہادبین کی فہرست میں شامل ہیں۔ کعب اپنے بھائی بجیرؓ کے ساتھ مقام عرّاف پر پہونچ کر ٹھہر گئے تھے اور حضرت بجیرؓ مدینہ پہونچ کر نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام کو سماعت فرما کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے، جب اُن کے ایمان کی اطلاع کب کو ملی تو اس نے پانچ ابیات کا ایک منظوم خط بجیرؓ کو ارسال کیا، جس میں انہیں قبولِ اسلام پر لعن وطعن کی گئی تھی۔ بجیرؓ نے اس کے جواب میں کعب کو لکھا کہ وہ دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہو کر معافی مانگے ورنہ وہ یقیناً قتل کر دیا جائے گا کیونکہ اس کا خون مباح کیا جا چکا ہے۔ کعب اس خط کو پڑھ کر بہت خوف زدہ ہو گیا اور س نے قبیلہ جہنیہ کے ایک شخص کے ساتھ، جس سے اس کی پرانی جان پہچان تھی، دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ اگر کعب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کر لے اور ایمان لے آئے، تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی غلطیوں پر قلم عفو پھیر دیں گے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے اپنا بھیس اتار کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہی کعب ہوں اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے اپنا قصیدہ 'بانت سعادُ' پڑھا۔ علامہ ذالفقار علی صاحب نے اس قصیدہ کے ۵۸ اشعار جمع کر کے ان کی شرح عربی وار دو زبانوں میں لکھی ہے۔

جہاں تک اس قصیدہ کے عروضی نظام کا تعلق ہے اس کی بحر، بحرِ بسیط ہے، جس کے ارکان پر مصرع میں مستفعلن، فاعلن، مستفعلن فاعلن ہیں۔ اس میں فاعلن کا الف محذوف ہے، اس طرح وہ فعلن ہوگیا۔ اس قصیدۂ نعت کا مطلع حسب ذیل ہے:

بِأَنَتَ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ
مُتَیَّمٌ اِثْرَهَا لَمْ یُقْدَ مَکْبُوْلُ

ترجمہ: میری محبوبہ سعاد نے مجھ سے مفارقت اختیار کرلی ہے، چنانچہ میرا دل زار ونزار اور پارہ پارہ ہوگیا ہے اور وہ اس طرح کا قیدی بن گیا ہے، جس کی رہائی کی ساری امیدیں منقطع ہوگئی ہیں۔ شاعر نے اس قصیدہ کی تشبیب میں اپنی معشوقہ سعاد کا ذکر کیا ہے، اس نے اس کے تبسم، اس کی کذب بیانی، اسکی سنگ دلی، اس کی وعدہ خلافی کا ایک چونکا دینے والے انداز میں تذکرہ کیا ہے۔ سُعاد اپنے وعدوں پر اس قدر مضبوطی کے ساتھ جمی رہتی ہے، جس قدر چھلنی پانی کو تھامے رہتی ہے۔ یہ تشبیہ بہت بلیغ اور نادر ہے یعنی اس کی مفت میں وعدہ کا ایفا اسی قدر محال ہے، جس قدر چھلنی میں پانی کا رکنا اور ٹکنا لیکن اس کے باوجود شاعر اس کے قرب محبت کا امیدوار اور خواہشمند ہے۔

سعاد اتنی دور دراز منزل پر چلی گئی ہے کہ وہاں تک عمدہ نسل کی تیز رو مضبوط اونٹنی ہی پہنچا سکتی ہے۔ اس طرح اس نے اونٹنی کی تعریف تشبیہات واستعارات کے سہارے کی ہے۔

شاعر شعر نمبر ۳۵ سے بہت حسین انداز میں گریز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ چغلخور سعاد اونٹنی کے ہر دو اطراف میں یہ کہتے ہوئے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں کہ اے ابوسلمیٰ کے بیٹے! جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سرکار سے تیرے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

حضرت کعب نے شعر نمبر ۴۳ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کی ہیبت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر ہاتھی بھی اس مجلس کو دیکھے اور سنے تو لرزاں باندام ہوجائے۔ شاعر نے شعر نمبر ۴۷ میں کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے نزدیک اس شیر سے زیادہ باہیبت ہیں جو شجاعانِ دلیر ہی کو مارتا اور کھاتا ہے۔

اس قصیدہ کا شعر نمبر اکیاون حاصلِ نعت ہے، جس کی کیفیت وہیئت اولاً بایں طور رقم کی گئی تھی:

ان الرسول لیسف یستضاء به

مهند من سیوف الهند مسلول

ترجمہ: بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہندوستانی لوہے سے بنی ہوئی وہ ہندی تلوار ہیں، جس سے کسبِ ضیا کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے ہندوستانی لوہے سے بنائی گئی ہندوستانی تلوار زمانۂ ماتقدم میں بھی مشہور تھی۔ اس حسین شعر میں دو خامیاں ہیں۔ اول یہ کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلوار کہا گیا ہے جس کا تلازمہ قطعہ یعنی کاٹنا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاٹنے کی خاطر نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوڑنے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ تلوار سے کسبِ ضیاء نہیں کیا جاتا، ضوء کا تلازمہ نور ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیف کو نور سے متبدل فرما دیا۔ اس شعر میں دوسری غلطی یہ ہے کہ 'مھند' ہندی تلوار کو کہتے ہیں، اس لیے مھند کے بعد 'من سیوف الھند' کہنا حشو ہے۔ حشو ایک عیب ہے اور چونکہ یہاں الفاظ زائدہ یعنی 'سیوف الہند' متعین ہیں، اس لیے یہاں حشو زائد مند ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں 'الہند' کو ''اللہ'' سے بدل دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصلاح کے بعد شعر کی حیثیت اس طرح ہوگئی:

ان الرسول لنورٌ یستضاء به

مهندٌ من سیوف الله مسول

فی الواقع آپ کی اس اصلاح کے بعد شعر فرش سے عرش پر پہونچ گیا ہے۔

شعر نمبر ۵۲ سے شعر نمبر ۳۸ تک کے ۸/ اشعار منقبت مہاجرین میں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاعر سے قصیدہ مذکورہ کے اختتام پر فرمایا کہ کاش تم اس میں منقبتِ انصار بھی کرتے کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں، چنانچہ کعبؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس خواہش کے احترام میں گیارہ اشعار منقبتِ انصار میں کہہ کر قصیدہ زیرِ بحث میں اشعار کی تعداد ۶۹ کردی۔ یہ ۱۱/ اشعار حسب ونسب انصار کے تزکرہ اور ان کے علوشانی کے باب میں بے نظیر اور لاجواب ہیں۔

راقم نے یہ گیارہ اشعار اپنی تخلیق انصار، ایک دستاویز میں ترجمہ وشرح کے ساتھ محفوظ کر دیئے ہیں جن سے قارئین استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس قصیدہ نعت میں اولین ۱۳/اشعار حسنِ سُعاد پر، ۱۴/ سے ۳۴/ تک کے اشعار اچھی، توانا وتندرست اونٹنی کی تعریف میں، ۳۵ سے ۸ سو تک کے اشعار گریز میں، ۳۹ سے ۵۰ تک کے اشعار معذر میں اور ۵۱/واں شعر خالص نعت میں رقم کئے گئے ہیں۔ بعد کے ۵۲ سے ۵۸ تک کے ۷/اشعار مہاجرین کی مدح میں اور ۵۹ سے ۶۹ تک کے اشعار جن کی تعداد گیارہ ہے منقبتِ انصار میں ہیں۔

بعض روایت میں مروی ہے کہ حضرت کعب بوساطتِ ابی بکر ۹ھ میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں بعد نماز فجر پہنچتے تھے۔

اس قصیدہ کی زمین وقوافی میں جتنے قصیدے لکھے گئے ہیں، اتنے قصیدے کسی دوسری زمین وقوافی میں نہیں لکھے گئے۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' میں ایسے ۲۲ شعراء کے ناموں اور ان کے قصائد کئے محلوں نیز ان کے خالقین کی تاریخ ہائے وفات کو جمع کیا ہے، جنہوں نے قصیدہ معرضِ بحث پر معارضے لکھے ہیں، یہ بھی سچ ہے کہ جتنی شرحیں اس قصیدہ کی لکھی گئی ہیں، اتنی کسی دیگر قصیدے کی نہیں لکھی گئیں۔ (تاریخ الادب العربی از احمد حسن زیّات، صفحہ ۱۴۵، الطبقہ السادسہ)

نعتِ اردو کے مسلم الثبوت محقق وناقد جناب ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی معرکہ آرا کتاب ''اردو میں نعت گوئی'' کے صفحات ۵۵۲ سے ۵۶۲ تک میں ان تمام شروح کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق قصیدہ بردہ سے ہے۔ ان شرحوں کی مجموعی تعداد ۱۹۴ ہے۔

واضح ہو کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت کعبؓ کے پاس دس ہزار درہم بھیج کر اس رداء مبارک کو حاصل کرنا چاہا تھا، لیکن کعب نے یہ کہہ کر کہ ''ما کنت لاوثر بتوب رسول اللہ احداً'' (میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کپڑے کے بارے میں کسی کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا)۔ حضرت معاویہؓ

کی اس پیش کش کو رد کردیا۔ حضرت معاویہؓ نے کعبؓ کی وفات کے بعد یہ چادر ورثائے کعبؓ سے اُن کو بیس ہزار درہم دے کر حاصل کرلی۔ ابوعلی ابن اشیق العرانی، التوفی ۴۶۳ھ کے بقول حضرت معاویہ نے یہ بردہ شریفہ بیس ہزار درہم کے عوض میں خریدا تھا۔ علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ بقول عتبی حضرت معاویہؓ نے بیس ہزار درہموں کے بالعوض یہ چادر خریدی تھی، ایک جماعت کا، جس میں عبدالکریم بن اشہل بھی شامل ہیں، کہنا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے چادر کے ساتھ ایک سو اونٹ بھی دیئے تھے۔ (کتاب العحدہ از ابن رشیق طبعہ اولیٰ ۱۲۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، صفحہ ۷) بقول ابن حسن زیّات حضرت معاویہؓ نے یہ چادر چالیس ہزار درہم میں خریدی تھی۔

اس قصیدہ کی تشبیب میں کئی اشعار ایسے ہیں، جو حسن ادا اور جاذبِ قلب و وجدان کے سلسلہ میں بےنظیر ہیں، جن میں سے صرف دو اشعار نقل ذیل ہیں۔

هیفاء مقبلةً عجزاء مدبرة
لا تشکی قصرٌ منباولا طول

ترجمہ: سُعاد جب سامنے سے دیکھی جاتی ہے تو اریک کمر معلوم ہوتی ہے اور جب پیچھے سے دیکھی جاتی ہے تو کلان سرین لگتی ہے۔ نہ اس کی کوتاہ قامتی کی شکایت کی جاتی ہے اور نہ درازیٔ قد کی بلکہ وہ متوسط القامت میانہ قد ہے وہ ہر حال میں باریک کمر و کلاں سرین والی ہے کہ دیکھنے والا سامنے سے اُس کی باریکیٔ کمر اور پسِ پشت سے کلاں سرید کا احساس کرتا ہے۔

اس قصیدہ کے شعر نمبر ۳۸ میں آفاقی واقفیت اور کائناتی صداقت ملاحظہ ہو:

و کل ابن انثی و ان طالت سلامته
یوماً علیٰ آلة حدباء محمول

ترجمہ: ہر فرزندان خواہ اس کی سلامتی یعنی زندگی کی مدت کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، بہر حال وہ ایک نہ ایک دن آلۂ متفعہ یعنی نعش پر اٹھایا جائے گا۔

قصیدہ محولہ بالا پر گفتگو کے اختتام سے پیشہ مناسب معلوم ہوا ہے کہ اس قصیدہ کی شان ورود

کی بابت یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ یہ قصیدہ عرف عام میں قصیدہ بردہ نام سے معروف ہے کیونکہ افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصیدہ کے شعر نمبر ۵۱ کو سماعت فرما کر شاعر کو بطورِ انعام اپنی رداء مبارکہ مرحمت فرمائی تھی۔ عربی میں بردہ و ہادی دار چار کو کہتے ہیں۔ حضرت کعبؓ بن زہیر کا انتقال ۴۳ھ (۶۶۶ء) میں ہوا تھا۔

قصیدہ برأت

قصیدۂ برأت کے تخلیق کار شیخ الاسلام، قدوۃ الانعام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید ابوصیریؒ ہیں۔ ان کے مشہور قصیدہ اَرمَنْ تَذَکِرِ جِیْرانٍ بِذِی سَلَمِ کی شانِ ورودان کے خود کے قول کے مطابق یہ ہے کہ ان کو فالج کے موذی مرض نے پکڑ رکھا تھا، جس کے باعث ان کا نصف زیریں بدن بیکار ہوگیا تھا اور کوئی حد اثر نہ کر لی تھی۔ موصوف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں معرضِ بحث قصیدۂ نعت لکھ کر بارگاہِ خداوندی میں شفاطلبی کی درخواست کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے قصیدہ مافی البحث نظم کیا اور سو گئے۔ انہیں خواب میں زیارتِ رحمۃٌ للعالمین کا شرف حاصل ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک علامہ بوصیری پر پھیرا، جس کے اثر سے ان کو اس مہلک مرض سے نجات حاصل ہوگئی اور وہ کلی طور پر چست درست ہوگئے۔ موصوف اپنے گھر سے نکلے، تو انہیں ایک درویش مل گئے، جنہوں نے علامہ موصوف سے کہا کہ اے میرے سردار! مجھے وہ قصیدہ عطا فرما دیجئے جو آپ نے اشرف المخلوقات کی بابت لکھا ہے۔ علامہ بوصیریؒ نے درویش سے عرض کیا کہ انہوں نے نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی قصائد لکھے ہیں، آپ اُن میں سے کسی قصیدہ کو سننا چاہتے ہیں؟ تو اس درویش نے کہا اس قصیدہ میں جو امن تذکر جیران بندی سلم سے شروع ہوتا ہے۔ علامہ بوصیری کو بہت تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے ہنوز وہ قصیدہ کسی کو نہ سنایا تھا لیکن انہوں نے علامہ موصوف کو وہ قصیدہ دے دیا، جسے لے کر وہ درویش چلا گیا۔

جب اس قصیدہ کو شہرت ملی اور اس کی اطلاع کے وزیر الملک الظاہر بہاء الدین تک پہنچی تو انہوں نے یہ فرمان جاری کیا کہ یہ قصیدہ ننگے سر، ننگے پیر، کھڑے ہو کر سنا جائے گا۔ وہ خود

اور ان کے اہل وعیال اس قصیدہ کو اسی ہیئت کذائی میں سنتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ اس قصیدہ کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ اس قصیدہ کو آنکھوں سے مس کرنے پر ایک نابینا کی بینائی عود کر آگئی تھی۔

بعض حضرات اس قصیدہ کو بھی قصیدہ بردہ کہتے ہیں کیونکہ نعت میں بردہ دھاری دار چادر کو کہتے ہیں اور اس قصیدہ میں مضامین مختلف مذکور ہیں۔ بعض شارحین قصیدہ کا کہنا ہے کہ بردہ کے معنی درست وچست ہیں، چونکہ یہ قصیدہ حشو وزوائد سے پاک ہے اور اس میں کمال تناسب ہے، اس لیے اس کا نام قصیدہ بردہ رکھا گیا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ بردہ برد سے ماخوذ ہے، جس کے معنی آرام حاصل کرنا ہے، اور چونکہ یہ قصیدہ سامع کو ذہنی وقلبی راحت عطا کرتا ہے، اس لیے اس کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔ بعض محققین کا یہ قول ہے کہ چونکہ حضرت رسالتماب نے اپنی بردہ مبارکہ علامہ بوصیری کے کاندھے پر اُن کے خواب کی حالت میں ڈال دی تھی، جو انہیں حالتِ بیداری میں اسی طرح ملی تھی، اس لیے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے اور اس قصیدہ کو حضرت کعبؓ کے قصیدہ بردہ سے علیحدہ دکھلانے کی غرض سے اسے قصیدہ بردہ منامیہ نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے قصیدہ برأت کا نام دیا جائے، کیونکہ اس قصیدہ کی وجہ سے علامہ بوصیری کو بیماری سے نجات ملی تھی۔

اس قصیدہ کی بحر، بحر بسیط ہے اور اس کے ارکان مُتفعلن، فاعلن، مُتفعلن فاعلن دو بار ہیں۔ اس کا چوتھا رکن لازماً مخبون اور تیسرا رکن ہر جگہ سالم ہے اور بقیہ دونوں ارکان یعنی پہلے اور دوسرے رکنوں میں چند صورتیں ہیں (۱) دونوں مخبون (۲) دونوں سالم (۳) اول مخبون دوم سالم یا (۴) اول سالم دوم مخبون۔ واضح ہو کہ سبب خفیف کے حرف ساکن کا اسقاط، جو رکن اوّل میں ہو، مخبون کہا جاتا ہے۔ اس طرح فاعلن کا مخبون فَعِلن اور مستفعلن کا مُتفعلن ہو جائے گا۔ اس قصیدہ کے حرف روی میں اکثر جگہ اشباع ہے اور بعض جگہ نہیں ہے جیسے رُمی وظُمی وغیرہ میں اور اشباح کے معنی یہ ہیں کہ پیش کو اس قدر کھینچ کر پڑھا جائے کہ وہ وا ہو جائے اور زیر کو اس قدر کھینچ کر

پڑھا جائے کہ وہ یا ہو جائے، اسی طرح زبر کو اس قدر کھینچ کر پڑھا جائے کہ وہ الف ہو جائے اور اس نوزائیدہ حرف کو تقطیع میں شمار کیا جاتا ہے جیسے سَلَم واُضم بصورت اشباع فعلن کے وزن پر شمار کئے جائیں گے اور اشباع اکثر حرف ردی میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی بیچ میں بھی ہوتا ہے۔

اس قصیدہ کا مطلع حسب ذیل ہے:

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعاً جَرٰى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٍ

ترجمہ: کیا تو نے بیاد ہمسائیگاں موضع ذی سلم میں جس میں تیرا قلبی معشوق بھی تھا، اپنے اشک کو جو حدقۂ چشم سے برنگ چشمہ جاری ہیں، خون میں ملا دیا ہے۔

اس شعر میں بلاغت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شاعر نے اس شعر میں خون میں آنسوؤں کی ملاوٹ کی بات کی ہے جس سے آنسوؤں اور خون میں خون کی کثرت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ عرفاً ممزوح، ممزوج بہ سے قلیل المقدار ہوتا ہے یعنی جو چیز ملائی جاتی ہے، وہ مقدار میں اس سے کم ہوتی ہے، جس میں وہ ملائی جاتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں آٹے میں نمک ملا دیا یہ نہیں کہتے کہ نمک میں آٹا ملا دیا۔

اس میں بلاغت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ''أَمِنْ تَذَكُّرِ'' میں اِمِنْ دوسرے لفظ ''تَذَكُّرِ'' کے تَ سے مل کر آمِنْتَ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس سے یہ نیک فال پیدا ہوتی ہے کہ مصنف وقاری بلیات وآفات سے محفوظ ہیں۔

اس قصیدہ کا نام ''الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' ہے، اس قصیدہ میں ۱۸۳/اشعار ہیں۔ راقم کے پاس اس قصیدہ کا جو نسخہ ہے، اس میں ۱۶۰/اشعار ہیں۔ راقم کے شہر کے مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں، (جس کا راقم طالب علم رہ چکا ہے، جس میں اس کے معلم اکبرو شفق مولانا حافظ قاری محمود الحلیؒ تھے، راقم کے کشکول میں جو بھی تحقیقی وتنقیدی ہی سرمایہ ہے، وہ مرحوم ہی کا مرہونِ منت ہے، راقم ملک کی مختلف یونیورسٹیوں کا متعلم اور خوشہ چیں رہا ہے، لیکن

اسے کہیں بھی قاری صاحب موصوف کا بدل نہ مل سکا)۔

مخزونہ نسخہ میں ۱۶۲ اشعار ہیں، جن کی کیفیت حسب ذیل ہے:

قصیدہ کے مطلع سے متعلق اشعار ۱۲/ ذکر نفس میں اشعار کی تعداد ۱۶، مدحِ ختم المرسلین میں تعداد اشعار ۳۰، ولادت کے باب میں اشعار کی تعداد ۱۹/اشعار، دعا کی برکت میں ۱۰/ اشعار، مدح قرآن میں ۱۷/اشعار، ذکر جہاد میں ۲۲/اشعار، معراج میں ۱۳/اشعار، استغفار میں ۱۴/اشعار، مناجات میں ۹/اشعار۔ اس طرح پورے قصیدہ میں ۱۶۲/اشعار ہوئے۔

علامہ بوصیری کا علم بہت عمیق و وسیع تھا، اس لیے ان کے یہاں تلمیحات کا ازدحام و وفور ہے۔ چند عام فہم اور مشہور تلمیحات کا استعمال ملاحظہ ہو۔

شعر نمبر ۲۹ میں حضرت طلحہ سے مروی حدیث کی جانب تلمیح ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ وہ چند اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ نبی اقدس ﷺ کے پاس بھوک کی شکایت لے کر حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے اپنے شکم دکھلائے کہ ہر ایک کے شکم میں ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا، جب نبی ﷺ نے اپنا شکم مبارک دکھلایا، تو اس میں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ واضح ہو کہ آپ کا یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا، اضطراری نہ تھا، جب کہ اس پر کئی حدیثیں شاہد ہیں۔

شعر نمبر ۳۲ میں حدیث قدسی لولاك لما خلقت الافلاك مستعمل ہے جس کے معنی ہیں کہ اگر مجھے آپ کی تخلیق منظور نہ ہوتی تو میں آسمانوں یعنی کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کسی قول کو اللہ پاک کی جانب منسوب فرمائیں اور وہ قرآن پاک میں مذکور نہ ہو۔

شعر نمبر ۶۹ میں واقعۂ فیل کی طرف تلمیح ہے، جو سورہ الم ترکیف میں مذکور ہے۔ اس میں ابرہہ کی ہلاکت کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے کس طرح پرندوں کے جھنڈ ابرہہ کی فوج کی ہلاکت کے لیے بھیجے۔ ان مخصوص پرندوں میں سے ہر ایک کے چونچ میں ایک ایک سنگریزہ مانند دانہ امور یا دانہ نجود (چنا) کے برابر اور ایک ایک دانے ان کے پنجوں میں تھے۔ یہ سنگریزے

جس پر پڑ جاتے تھے، اسے ہلاک کردیتے تھے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ وہ اس جسم کو کھائے ہوئے بھوسہ کے مانند کردیتے تھے۔ (سورہ فیل نمبر ۱۰۵، پارہ عم)

اس شعر میں دوسری تلمیح ان معجزوں کی طرف ہے، جو جنگ بدر اور جنگ حنین میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یک مشت سنگریزوں کے باعث، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''شاھت الوجوہ'' فرما کر کفار کی طرف پھینکے تھے، سارا مجمع شکست کھا کر بھاگ گیا تھا۔

اللہ پاک نے قرآن پاک کی ایک آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پھینکنے کو اپنا پھینکنا بتلاتے ہوئے فرمایا ہے: وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمٰی۔ جب آپ نے پھینکا تھا، اسے آپؐ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ انہیں اللہ رب العزت نے پھینکا تھا۔ کیونکہ ہر فعل اور ہر عمل میں اثر وہی ڈالتا ہے۔

شعر نمبر ۱۷ میں اُس حدیث پاک کی جانب تلمیح ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی جانب تلمیح، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بموجب اشجار زمین چیرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے تھے اور انہوں نے پردے کا انتظام کردیا تھا۔ (مسلم شریف بحوالہ المشکوٰۃ ص ۵۳۳)

شعر نمبر ۷۰ میں اس واقعہ کی جانب تلمیح ہے کہ سنگریزے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست پائے مبارکہ میں تسبیح پڑھنے لگے تھے۔ اسی شعر میں حضرت یونسؑ کی جانب بھی تلمیح ہے کہ اللہ پاک نے موصوف کو شکم ماہی میں لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظٰلمین کی تلقین کی تھی، جس کے اثر سے اس مچھلی نے حضرت یونسؑ کو دریا کے کنارے اُگل دیا، جس نے آپؑ کو نگلا تھا۔

یہی تلمیح شعر نمبر ۲۷ میں بھی موجود ہے۔ شعر نمبر ۴۷ میں شق القمر کے معجزے کی جانب تلمیح ہے۔ خادم رسولِ مقبول حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں نبوت کی کوئی نشانی دکھلائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کردیئے تھے، ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے ایک جانب اور دوسرا اس کے

دوسرے جانب تھا اور کوہِ حرا ان دو ٹکڑوں کے بیچ میں تھا۔ اس معجزہ کی تصدیق مکہ آنے والے قافلوں نے بھی کی تھی۔ کتبِ تاریخ میں مرقوم ہے کہ اس معجزہ کو ہندوستان کے ایک راجہ نے بھی دیکھا تھا۔

شعر نمبر ۷۷ میں ہجرت کے اس واقعہ کی جانب تلمیح ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غارِ ثور میں مکین تھے کہ اہل مکہ آپ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار کے دہانہ پر آ گئے۔ بقولِ حضرت ابوبکر صدیقؓ وہ ان کے قدموں کو اپنے سروں کے اوپر دیکھ رہے تھے (بخاری و مسلم بحوالہ المشکوٰۃ، ص ۵۳۰) لیکن اللہ پاک نے ببول کے درخت کو وہاں جما دیا، کبوتری کے جوڑے کو وہاں آشیانے بنا کر انڈے دینے کا حکم دیا اور مکڑی کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانے پر جالا تن دے، چنانچہ انہوں نے برملا کہا کہ آپ ﷺ اس غار میں نہیں ہیں کیونکہ اگر آپ ﷺ غار کے بھیتر گئے ہوتے، تو یہ ببول کا درخت آڑے آتا، کبوتری انڈے نہ دیتی اور غار کے دہانے پر کا جالا ٹوٹ گیا ہوتا۔ اس واقعہ کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے۔ آیت قرآنی ہے: ''اذ یقول لصاحبہٖ لا تحزن ان اللہ معنا'' جب آپ ﷺ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے آپ ڈریے مت اللہ پاک ہمارے ساتھ ہے۔

اللہ رب العزت نے مکڑی کے جالے سے جو انتہائی نازک اور کمزور ہے، آپ ﷺ کی خاطر ایک مضبوط قلعہ کا کام لے لیا۔

شعر نمبر ۸۱ میں آپ ﷺ کی اس حدیث پاک کی جانب تلمیح ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہے لیکن میرا قلب جاگتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ کی نیند ناقص وضو نہ تھی۔

شعر نمبر ۸۶ میں اس حدیث پاک کی جانب تلمیح ہے، جو خادمِ رسول حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک بار بروز جمعہ جب آپ ﷺ خطبۂ جمعہ دے رہے تھے ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! شتر ہلاک ہو گئے اور کنبہ بھوکا

مرنے لگا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ پاک سے بارش کی دعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے، جب کہ اُس وقت آسمان پر ابر کا کوئی ٹکڑا بھی نہ تھا، راوی نے بقسم روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اچانک ابر گھر آئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی، یہاں تک کہ دوسرا جمعہ آ گیا، تو اُسی اعرابی نے یا کسی دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ہمارے گھر گر گئے ہیں اور اموال ہلاک ہو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارش تھمنے کی دعا کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کی کہ الٰہ العالمین اب ابر ہمارے اوپر نہیں بلکہ وہ ہمارے اردگرد برسیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے الفاظ تھے ''اللھم حوالینا لا علینا (ابر ہمارے اردگرد برسیں، ہم پر نہ برسیں)۔ آپ کے دن الفاظ مبارکہ کے ساتھ ہی بارش بند ہو گئی اور ہم لوگ دھوپ میں چنے لگے (بخاری و مسلم، بحوالہ المشکوٰۃ، ص ۵۳۶)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر اس وقت میرے چچا زندہ ہوتے تو وہ یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ چند اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرض کیا غالباً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابوطالب کے درج ذیل شعر کی جانب ہے۔

وابیض یستقی انعمام بوجھه
ثمال الیتمیٰ عصمة للارامل

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: بے شک!

الغرض علامہ بوصیری کے اس قصیدۂ نعت میں بہت سارے معجزات واقوال نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بطور تلمیح تذکرہ ہے۔

بطور جملہ ہائے معترضہ عرض ہے کہ آدابِ نعت کے باب میں ہمہ آن اس حقیقت کو اپنے ذہن میں محفوظ و حاضر اور ہر گھڑی ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ منبعِ نعت کی ذات گرامی، اللہ پاک کی ذات اقدس کے بعد سب سے افضل ہے، جس کی اطاعت کو اللہ پاک نے اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت

کی اس نے اللہ پاک کی اطاعت کی ہے یہی شخصیت اولین تخلیق خداوندی بھی ہے جیسا کہ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری' یعنی اللہ پاک نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا نیز جس شخصیت کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کی آواز اس ذات گرامی کی آواز کے سامنے آپ ﷺ کی آواز پر بلند ہوگئی تو آواز بلند ہوجانے والے شخص کا یہ فعل اس کے لیے موجب رضاعت اعمال ہے۔(القرآن پارہ ۲۱،سورۃ الحجرات آیت:۸)اسی لیے ذات اقدس سے سب سے زیادہ محبت کرنا اہم فریضہ ہے۔صحیح مسلم میں بروایت حضرت انسؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مجھ سے اپنی اولاد اپنے محترم والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔حدیث پاک کے عربی الفاظ ملاحظہ ہوں"لا یومن احد کم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین"(مسلم شریف المجلد الاول صفحہ ۴۹)جس ذات پاک کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا"فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ"(القرآن الحکیم، پارہ ۲۷،سورہ النجم آیت ۱۰)جس ذات پاک کا معلم ذات وحدہ لاشریك لہٗ ہے۔واضح ہو کہ حضرت حسن بصری نے علمہ شدید القویٰ کی تفسیر"علمہ اللہ" کی ہے (جلالین شریف ص ۴۳۷، حاشیہ ۱۶) "قاب قوسین اوادنیٰ" کی تفسیر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا خود کا قول مبارک ہے"لما اسریٰ بی الی السماء قربنی ربی حتیٰ کان بینی و بینہ کقاب قوسین او ادنیٰ" ترجمہ: جب مجھے شب میں آسمان لے جایا گیا،تو مجھے میرے رب نے اپنے اتنا قریب کرلیا کہ گویا میرے اور میرے رب کے درمیان دوکمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تھا (جلالین شریف ص ۴۳۷،حاشیہ ۱۶)

اتنی محترم ومکرم کی شان اقدس کو نعوذ باللہ اَن پڑھ کہنا ایک بہت بڑی غلطی ہے اور آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں بڑی گستاخی بھی ہے، جب کہ وہ ذات اقدس، ذات باری تعالیٰ کے بعد سب سے افضل اور بلند بالا ہے۔اس ذات گرامی کی بابت حضرت مولانا عبدالعزیز

محدث دہلوی نے فرمایا ہے اور بجا فرمایا ہے:

یا صاحب الجمال یا سید البشر
من وجهك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

راقم نے اس گناہ کے مرتکبین میں بڑے بڑے علماء و مبلغین کو اپنے عہدِ طفولیت سے آج، اس ہفتہ تک پایا ہے۔ یہ امر واقعی ہے کہ آپ ﷺ امی ہیں، لیکن امی کے معنی جاہل (ان پڑھ) نہیں ہیں، امی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات گرامی جس کے معلم اللہ پاک ہوں اور جو استاذ و شاگرد کے باب میں اللہ پاک کے علاوہ کسی کا ممنون نہ ہو، وہ ماں کے رحم سے نکلنے والے نوزائیدہ کی طرح اللہ پاک کے علاوہ کسی کا بھی رہین منت نہ ہو۔ بقول باری تعالیٰ الٰہ العالمین ''علمه شدید القویٰ''، یعنی اس (محمد ﷺ) کو اللہ پاک نے تعلیم دی۔ اللہ پاک نے آپ ﷺ کے مخاطبین اولین کو بھی امّی بتلایا ہے، جب کہ وہ اتنے عالم و فاضل تھے، کہ وہ اپنے مامون کو عجمی یعنی گونگا سمجھتے اور کہتے تھے۔ رسول امّی کی شان گرامی اور آپ ﷺ کا لاثانی مبلغ العلم یہ ہے کہ آپ ﷺ سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کے پسر ارجمند کعبؓ جو خود بھی افصح العصر تھا، کے مشہور قصیدۂ نعت المعروف بہ ''بانت سعاد'' کے اکیانویں شعر میں لاثانی اصلاح فرما کر اسے فرش سے عرش پر پہنچا دیا تھا۔ اس لاثانی ذات گرامی کو نعوذ باللہ اَن پڑھ (جاہل) بتلایا۔ علاوہ گناہ عظیم حد درجہ کی دیدہ دلیری اور گستاخی بھی ہے۔

راقم ذیل میں ان چند آیات کریمہ کو جمع کر رہا ہے جس میں اللہ پاک نے آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے علم اور آپ ﷺ کے علو مرتبت کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ هُو الّذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم آیٰته و یزکیهم و یعلمهم الکتٰب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ

مبین (سورۃ الجمعہ: ۲)

ترجمہ: وہ ذات گرامی وہ ہے جس نے امّیوں کے بیچ ان میں ایک رسول ارسال کیا جوان پر اس ذات گرامی کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

۲۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتِہٖ و یز کیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (العمران: ۲۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا مومنین پر بڑا احسان ہے کہ اس ذات اقدس نے اُن میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جوان کو اس کی آیتیں پڑھاتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت یعنی دانائی سکھاتے ہیں اور وہ اس سے پیشتر کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

۳۔ وانزل اللہ علیك الکتٰب والحکمۃ وعلمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیماً (سورۃ النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو وہ سکھایا، جس کو آپ ﷺ نہ جانتے تھے اور آپ ﷺ پر اللہ پاک کا بڑا فضل ہے۔

۴۔ الرّحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان (الرحمٰن: ۱۔۴)

ترجمہ: رحمٰن نے آپ ﷺ کو قرآن کی تعلیم دی، جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس نے اسے بیان سکھایا۔

مرقومہ بالا آیات سے واضح ہے کہ آپ ﷺ کا مبلغ علم کائنات میں سب سے اعلیٰ ہے۔ آپ ﷺ کا معلم ذات خداوندی ہے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو علم وحکمت کی تعلیم دی، اس لیے اتنی عظیم شخصیت کو نعوذ باللہ ان پڑھ جاہل کہنا، ظلم عظیم ہے اور حد درجہ کی گستاخی ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیت کریمہ مع اس کی شان نزول ملاحظہ ہو:

اللہ پاک کو نبی خاتم الانبیاء والمرسلین کے بارے میں ایسے فقرات قطعاً پسند نہیں ہیں، جن میں معمولی سی معمولی گستاخی کا شائبہ بھی ہو، متعلقہ واقعہ ملاحظہ ہو:

جب اصحابِ رسول ﷺ کو کلامِ رسول ﷺ سمجھنے میں دِقت محسوس ہوتی تھی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں 'راعنا یارسول اللہ' عرض کر کے مزید وضاحت کی درخواست کرتے تھے۔'' راعنا' لفظ لغتِ یہود میں سوءادب کے معنی بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسی نیت کے ساتھ یہ لفظ کہنا شروع کیا۔ حضرت سعد ابن معاذ انصاریؓ اصطلاحاتِ یہود سے آگاہ تھے۔ ایک دن انہوں نے یہ کلمہ یہود کی زبان سے سنا، تو فرمایا: اے دشمنِ خدا! تجھ پر لعنت ہو اگر میں نے کسی کی زبان سے یہ لفظ سنا، تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا'۔ تو اس یہود نے کہا کہ تم ہم پر تو برہم ہوتے ہو، مگر مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں، تو آپ ﷺ رنجیدہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو وہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں 'راعنا' لفظ کے استعمال کی ممانیت فرمادی گئی۔ اس آیت کریمہ کے ذریعہ 'راعنا' کو زبان پر لانا ممنوع قرار دیا گیا اور اس کی جگہ پر'' انظرنا' لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا گیا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ

واضح ہو کہ اس آیت کریمہ کا اقتضاء النعں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر فرض ہے اور ان تمام الفاظ سے احتراز واجب ہے، جن میں آپ ﷺ کی شان اقدس میں اہانت کا شائبہ بھی ہو۔

مندرجہ بالا سطور میں جو بھی عرض کیا گیا ہے، اس سے واضح ہے کہ آپ ﷺ کے لیے ان پڑھ (جاہل) لفظ استعمال کرنے والا گستاخ رسول ﷺ ہے اور اس لفظ اور اس قبیل کے الفاظ استعمال کرنے والا، ایک عظیم گناہ کا مرتکب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کو اس جرم عظیم سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

***

مفتی محمد اسحٰق نازکی قاسمی
معرفت: دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ (کشمیر)

عطرِ گلاب از گلستانِ حمد ونعت

بسم اللہ والحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ

''جہانِ حمد ونعت'' کے پہلے شمارہ (مطبوعہ ماہِ صیام ۱۴۴۰ھ مطابق مئی جون ۲۰۱۹ء) میں عاجز راقم السطور نے حضرت علامہ کشمیریؒ کا ایک طویل عربی منظوم کلام ''قصیدۂ معراجیہ'' کو آزاد ترجمہ (ترجمانی) کے ساتھ سپردِ تحریر کیا تھا (دیکھئے شمارہ مذکورہ کے صفحہ از ۲۶۹ تا ۲۷۴) پھر شمارہ نمبر ۲ میں۔ ''کشمیر کے سات عربی نعت گو شعراء'' کے عنوان سے ایک اور مقالہ۔ الحمد للہ چھپ چکا ہے (دیکھئے ماہِ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق جولائی ۲۰۲۱ء) (صفحہ از ۲۰۸ تا ۲۲۷) پھر اسی شمارے کے صفحہ نمبر از ۴۷۴ تا ۴۸۲ پر احقر نے اپنے چند طالب علمانہ تاثرات وتحفظات بھی قارئین کرام کے سامنے رکھے ہیں۔۔ الحمد للہ۔ اب اس چوتھے شمارے میں یہ طالب علمانہ تحریری کاوش بعنوانِ ''عطر گلاب از گلستانِ حمد ونعت'' نذرِ ناظرین ہے، ماشاء اللہ تعالیٰ۔

احقر نے پہلے مختصر تمہید کے بعد ''بدائع منظوم'' نامی کتاب سے بحوالۂ عنوان صرف چھ اشعار نقل کر کے آسان زبان میں ان کی تشریح اور ترجمانی اور توضیح کی وضاحت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وادی کے دو اور بزرگ علماء وشعراء (حضرت شیخ یعقوب صاحب صرفیؒ اور حضرت شیخ احمد صاحب واعظؒ) کے عربی کلام کو ان ہی لوازمات کے ساتھ پیش کرنے کی بھی سعادت حاصل کی ہے۔ الحمد للہ، ماشاء اللہ، التوفیق باللہ)۔

گذشتہ زمانے میں عرصۂ دراز تک پورے متحدہ ہندوستان میں فارسی زبان اتنی ہی اہم اور مروّج تھی جتنی عصر حاضر میں انگریزی زبان ہے۔ حتیٰ کہ کافی مدت تک اس مبارک زبان کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل تھی مگر اب اس زبان سے ہمارے خالص دینی ادارے بھی آہستہ آہستہ نا آشنا ہو رہے ہیں جو کہ حد درجہ قابل افسوس ہے۔ تصوف وسلوک (جو کہ شریعت مقدسہ ہی سے ماخوذ ہے بلکہ اس کا خلاصہ ہے) سارے کا سارا اسی زبان میں ہے اس لیے اہل علم وعرفان پر اس زبان کا تحفظ بقدر امکان واجب ہے۔

یہاں ''بدائع منظوم'' نامی کتاب کا تعارف ضروری ہے کہ یہ منظوم کتاب روزمرہ کے فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔کوئی ۵۴ صفحات کی کتاب ہے۔اس کا فارسی حاشیہ بہت ہی مفید ہے۔حوالجات کے ساتھ مدلل ہے۔اس کے مصنف حضرت مولانا سید رضا علی صاحب قادریؒ ہیں جو ہندی نژاد عالم تھے۔پھر شہر بغداد کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور وہاں ہی آپؒ کی وفات ہوئی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ۔

یاد رہے لفظ بدائع برزبان بَدِیْعَةٌ۔کی جمع ہے۔انوکھی بات اور انمول کلام۔منظوم جو نظم میں ہو یعنی وہ منظوم کلام جو انوکھی اور انمول باتوں (اہم روزمرہ فقہی مسائل) پر مشتمل ہے۔اب سنیئے اور گنگنائے :

(۱) بَعدِ حمد و ثنائے خَالِقِ کُل　　　　بعدِ نعت و درود فَخرِ رُسُل

ترجمانی: ساری کائنات کے خالق و مالک حضرت اللہ جل مجدہٗ کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف کے بعد اس کی بے شمار نعمتوں پر اور حضرت نبی کریم ﷺ کی نعت و مدح کے بعد آپ ﷺ گروہ انبیاء اور جماعت مرسلین میں سب سے افضل و اعلیٰ ہونے کی بنا پر ان سبھوں کے لیے باعث صد بار فخر و انبساط ہیں ؎

خدا　در　انتظارِ　حمدِ　ما　نیست
محمد　چشم　بر　راہِ　ثنا　نیست

وضاحت (۱) حمد و ثنا کا معنی از روئے لغت (Dictionary) تعریف کرنا و توصیف کرنا اور خوبیاں بیان کرنا اور اصطلاح (Islamic Term) میں حضرت اللہ جل مجدہٗ کی کبریائی، اس کی ربوبیت و الوہیت اور وحدانیت کو بیان کرنا اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کر کے اس کا شکریہ ادا کرنا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ جیسی جامع آیات ان تمام مفاہیم و معانی کو شامل ہیں۔

(۲) لفظ کائنات عالمین کا معنیٰ خیز ترجمہ ہے اور صاحب شرح العقائد النسفیہ شیخ الاسلام حضرت علامہ مسعود بن عمر المعروف علامہ تفتازانیؒ (ولادت بمقام تفتازان ۷۲۲ھ، وفات بمقام سمرقند ۷۹۲ھ) نے ''مَا سِوَى اللهِ تَعَالٰی مِنَ الْمَوْجُوْدَاتِ مِمَّا یَعْلَمُ بِهِ الصَّانِعُ'' (ص ۲۳) سے اس کی تشریح فرمائی ہے یعنی حضرت اللہ جل مجدہٗ کے ماسوا کو مخلوقات و عالمین و کائنات کہا جاتا ہے کہ ان سے حضرت حق جل جلالہٗ کی معرفت ہوتی ہے۔ یہ مفہوم اس طرح کی بہت ساری آیات سے مستفاد ہے۔مثلاً ''ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ''(الانعام:۱۰۳)

(۳) لفظ نعت باعتبارِ لغت اوصاف بیان کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں حضرت نبی اکرم ﷺ، شفیع اعظم، جانِ جہاں، حاصلِ ایمان، خلاصۂ کائنات، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے فضائل عالیہ اور اوصاف کمالیہ کو نظم کے پیرائے میں بیان کرنا ساتھ ہی ساتھ اپنے حُسن عقیدت و محبت اور عشق و وفا کا اظہار کرنا نیز حضرات صحابہ کرامؓ و اہل بیت عظامؓ (علیہم الرحمۃ والرضوان) کے مناقب بھی بیان کرنا۔

(۴) حضرت نبی اکرم ﷺ جملہ انبیاء و مرسلین سے بوجوہ افضل ہیں یہ ہمارا اجماعی عقیدہ ہے۔ الحمدللہ۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں وارد بے شمار دلائل اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ آپ ﷺ نبوت و رسالت کی شہہ رگ ہیں۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت بالذات والاستقلال ہے اور جملہ انبیاء و رسل اسی نورِ نبوت اور جمالِ رسالت سے مُستنیر ہیں جس طرح چاند اور روشن تارے آفتاب سے مُستنیر ہیں۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خدا مدح آفرینِ مصطفیٰ بس است محمد حامدِ حمد خدا بس است

(۲) می کنم شکر ایں اَجَلِ نِعَم کہ مرا کرد حق ز خیر اُمم

ترجمانی: حمد باری اور نعت نبی کے بعد میں کہتا ہوں کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بہترین امت (خیر امت) یعنی مسلمانوں میں سے بنایا ہے پیدا کیا ہے یقیناً یہ اس کا سب سے بڑا انعام و احسان ہے جس پر میں اس کا شکر گزار ہوں۔

محمد از تو می خواہم خدا را
الٰہی! از تو حبِ مصطفیٰ را

وضاحت: (۱) محسن کے احسان اور مُنعم کے انعام کو ماننا، اس کو تسلیم کرنا اور اس کا قدر دان ہونا دل سے ''شکر'' کہلایا۔ قرآن کریم میں ہے: ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ'' (ابراہیم:۷) کہ ایسی شکر گزاری پر نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲) اس امت مرحومہ کو بنصِ قرآن ''خیر امت'' یعنی بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔ ''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ'' (آل عمران:۱۱۰) اور خیریت یعنی افضلیت و اشرفیت کا سبب حضرت نبی اکرم ﷺ کی افضلیت و اشرفیت ہے (کمافی الشرح للعقائد النسفیہ ص ۱۴۱، ملخصاً)

مرحبا! سیدِ مکی مَدَنِیُّ الْعَرَبِی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

(۳) ایک مسلمان کے لیے ایمان و اسلام سب سے بڑی نعمت ہے جس پر دنیا اور عقبیٰ کی کامیابی کا انحصار ہے۔ الحمدللہ۔ ورنہ بربادی ہے دونوں جہاں کی۔ (العیاذ باللہ)

ع الٰہی عاقبت محمود گردان آمین

(۴) یعنی از امتِ حبیبِ خدا عاصیاں را شفیع روزِ جزا

ترجمانی: یعنی مجھے حضرت اللہ جل مجدہٗ نے اپنے سب سے پیارے نبی ﷺ کی امت میں سے پیدا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ گناہگاروں کو قیامت کے دن سفارش کرنے والے ہیں ؎

عِصیانم زمانیکہ اعمال میرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی

وضاحت: ہمارے نبی ﷺ حبیب بھی ہیں اور خلیل بھی بعض اکابر علماء کی تحقیق کے مطابق دونوں مترادف یعنی ہم معنیٰ کلمات ہیں بعض سے منقول ہے کہ حبیب وہ ہے جو رب کو چاہے اور خلیل وہ ہے جس کو رب چاہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خلیل وہ ہے جس کے رگ و ریشے میں اور جوڑ جوڑ میں حضرت اللہ جل مجدہٗ کی محبت رچی بسی ہو۔ اس طرح ہر نبی و رسول حبیب بھی اور خلیل بھی البتہ حبیبیت و خلیلیت کا سب سے بڑا اعزاز ہمارے نبی ﷺ کو ملا ہے۔ الحمدللہ۔ ؎

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقشِ روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی
بزمِ کون و مکان سجایا گیا

(حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، بانیٔ دار العلوم دیوبند سربلند)

(۲) یوں تو قیامت کے دن بہت سارے اہل سعادت امتیوں کو اپنے متعلقین کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اسی طرح جملہ انبیائے کرام اور مرسلین عظام (علیہم السلام) کو اپنی گناہگار امت کو شفاعت کا اذن ہوگا مگر ہمارے پیارے مکی و مدنی آقا ﷺ کی سفارش و شفاعت عمومی بھی ہوگی اور خصوصی بھی کئی طرح کی ہوگی۔ ان شاءاللہ۔ الحمدللہ۔

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ (شرح العقائد، ص ۱۱۵ بروایت سیدنا حضرت انسؓ بن مالک بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) یعنی میری سفارش میری امت کے بڑے بڑے گناہگاروں کے حق میں ہوگی۔ یہ اس لیے ہے کہ چھوٹے چھوٹے گناہ نیکیوں سے یوں ہی معاف

ہوتے ہیں جس پر کافی احادیث شریفہ گواہ ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔ (ھود: ۱۱۴) میں اس مفہوم کو واضح کیا گیا ہے۔

سنن ترمذی اور سنن دارمی میں یہ ارشاد نبوی ہے: اَنَا حَبِیْبُ اللہِ وَلَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا فَخْرَ۔ (سنو!) میں اللہ کا حبیب یعنی سب سے زیادہ پیارا ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے بلکہ امر واقعی ہے۔ میں سب سے پہلے قیامت کے دن (عمومی) سفارش کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی یہ (عمومی) سفارش قیامت کے دن قبول کی جائے گی۔ یہ فخراً نہیں کہتا ہوں بلکہ ایسا ہی ہوگا یعنی یہ امور مبنی بر حقیقت ہیں ؂

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسین وہی طٰہٰ

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳) آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور ختم نبوت کا یہ اساسی و بنیادی عقیدہ تمام نبوی کمالات کو سب سے زیادہ جامع ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت بھی محفوظ ہے۔ قبر اطہر، گنبد اخضر، سنہری جالیاں، جسد اقدس وانور واشرف سب محفوظ ہیں۔ الحمد للہ ؂

گر تو بُدی ختمِ رُسل، ایشان بُدند جُز و توکُل
بے حبِّ شان فرد از پُل کس نہ گذرد با مُدعا

(۴) چوں بشانش نگاہ موسیٰ کرد شُدن از اُمتش تمنا کرد

ترجمانی: جب سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) نے آپ ﷺ کی عظمتِ شان اور آپ ﷺ کی امت کے امتیازی مقام کی طرف نظر فرمائی تو آپؑ نے آپ ﷺ کے امتی ہونے کی تمنا فرمائی تھی۔ اللہ اکبر!

وضاحت: (ا) جب سیدنا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو حضرت اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے تورات ملی اور اس میں آپ ﷺ نے اس امت مرحومہ کے ستر کے قریب امتیازی و اختصاصی مقامات ملاحظہ فرمایئے تو حضرت اللہ جل مجدہٗ کی بارگاہِ بے نیاز میں یوں دعا گو ہوئے کہ ''اس مبارک جماعت کو میری امت میں پیدا فرما''۔ تو وہاں سے حکم ہوا کہ ''یہ مبارک جماعت صرف اور صرف محمد عربی ﷺ ہی کو عطا کی جائے گی'' تو یہ سن کر آپؑ نے یہ دعا مانگی اور اس خواہش کا اظہار فرمایا: اَللّٰھُمَّ

اجْعَلْنِیْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ۔ (بحوالہ روضۃ الاحباب+ صنائع شرح بدائع): یعنی اے اللہ! پھر تو مجھے محمد ﷺ کا امتی ہی بنانا۔ سبحان اللہ! کہاں مقامِ نبوت وشانِ رسالت سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کی اور کہاں ''امتی'' بننے کی تمنا!

جَزَی اللّٰہُ عَنَّا سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا اَمَّا ھُوَ اَھْلُہٗ۔ ﷺ

(۴) یاد رہے کہ تمام انبیائے کرام (علیہم السلام) کے بعد ساری امت میں سب سے افضل حضرات صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہیں۔ان میں سب سے افضل واشرف ترتیب کے ساتھ حضرات چہار یارانِ باصفا ہیں۔یہ امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے(دیکھئے شرح العقائد النسفیہ اوراس کا متن)وَ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ نَبِیِّنَا اَبُوْبَکْرٍ الخ۔(ص۱۴۸) ع حق چہار یاران باصفا

صدیق عکسِ حُسنِ کمال محمد است
فاروق ظِلِّ جاہ و جلالِ محمد است
عثمان ضیائے شمعِ جلالِ محمد است
حیدر بہارِ باغِ خصالِ محمد است

(۵) کرد نعتش خدا بخلق عظیم گفت بر مومنان رؤف رحیم

ترجمانی: حضرت اللہ جل مجدہٗ نے آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف وَ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۴) سے فرمائی ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ اہل ایمان پر بڑے مہربان اور شفیق ہیں۔

اول بآبِ چشمۂ کوثر وضو کنم
و آنگہ نفس بنعت مزکّٰی بر آورم

وضاحت:(۱)اخلاق خُلق کی جمع ہے۔عادات واطوار اور کردار ہماری اصطلاح میں حضرت اللہ جل مجدہٗ کے ساتھ ہر اعتبار سے حُسن معاملہ کرنا، استطاعت بھر اس کے احکام کی تعمیل کرنا اور بندوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کرنا کہ حقوق کی ادائیگی ہو کسی کو کسی طرح کا نقصان نہ پہونچاوے۔

(۲)خُلُق کی تین قسمیں ہیں(۱)خُلُقِ حَسَن جو سیدنا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو عطا کیا گیا تھا کہ ہر معاملے میں اَدلے کا بدلہ ہو(۲) خُلُقِ کریم جو سیدنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ملا تھا کہ دشمن کی تکلیف برداشت کرنا، اِدھر سے کچھ نہ کہنا اور نہ کرنا اور (۳) خُلُقِ عَظِیم جو حضرت نبی رحمت ﷺ کو عنایت کیا گیا تھا کہ کانٹے بچھانے والوں پر پھول برسانا اور بددعا دینے والوں کے حق میں اچھی دعا دینا۔

(۲) خُلقِ عظیم: آپ ﷺ کی فطرت راسخہ اور عادت مستمرہ تھا۔ گویا کہ 'خلق عظیم' آپ ﷺ کی مثل قابو یافتہ سواری تھی اور آپ ﷺ اس پر کامیاب سوار تھے۔ اس طرح خلق عظیم کے جملہ مقتضیات پر عمل کرنا آپ ﷺ کے لیے اتنا ہی آسان تھا جتنا کسی بھی صحت مند انسان کے لیے سانس لینا اور چھوڑنا آسان ہوتا ہے۔

ترا عزّ لولاک تمکین بست است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

(۳) آپ ﷺ کا رؤوف رحیم ہونا نص قرآن سے ثابت ہے۔ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ۔ (التوبہ: ۱۲۸) یعنی ساری کائنات کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ (الانبیاء: ۱۰۷) مگر اہل ایمان کے حق میں سراپا محبت والفت وشفقت ہیں کہ والدین کو بھی اتنی محبت اپنی اولاد سے نہیں ہو سکتی جتنی محبت آپ کو اپنی امت سے تھی ؂

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّهِمِ

(۲) از خدا تحفۂ درود وسلام بروی و آلِ وَی رَسَاد مدام

ترجمانی: آخر میں میری دعا اور تمنا یہی ہے کہ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے درود وسلام کا یہ تحفہ آپ ﷺ کے نام اور تمام اہل بیت کے نام تسلسل کے ساتھ پہونچتا رہے۔

وَ صَلَّی اللہ علیٰ نُورٍ کزو شُد نور ہا پیدا
زمین از حُبِّ اُو ساکن فلک در عشقِ اُو شیدا

وضاحت: (۱) قرآن وحدیث (زَادَهُمَا اللهُ شَرَافَةً) کی روشنی میں درود وسلام کا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔ اور اس کے فضائل روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ اس کی فرضیت، اس کے وجوب، اس کی سنیت اور اس کے استحباب کے حوالے سے فقہائے اسلام نے کافی بحثیں فرمائی ہیں۔ فَجَزَاهُمُ اللهُ خَیۡرَ الۡجَزَآءِ۔

(۲) ہر عمل رد ہو سکتا ہے مگر درود وسلام ایسا عمل ہے کہ یہ بفضلہٖ تعالیٰ رد نہیں ہوتا اس کی نسبت حضرت اللہ جل شانہٗ نے اپنی ذات کی طرف پھر اپنے فرشتوں کی طرف کی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔ (الاحزاب: ۵۶) یقیناً حضرت اللہ جل مجدہٗ اپنی شان کے مطابق اور اس کے فرشتے اس کے

حکم کے مطابق حضرت نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں لہٰذا اے اہلِ ایمان! آپ بھی حضرت نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتے رہیں اور پڑھتے ہیں اور خوب خوب سلام بھی۔ (آیۂ کریمہ کی ترجمانی)

(۳) درود و سلام کے اس خصوصی وظیفہ میں آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم اور نعت و منقبت کا سب سے زیادہ حسین پہلو ہے جو عُشاق کے لیے آبِ حیات اور عامۃ المسلمین کے لیے بہترین زادِ راہ ہے۔ شقاوت سے حفاظت اور سعادت سے ہم کنار ہونے کے لیے ایک بہترین وظیفہ بھی ہے ؎

علیکَ السّلامُ اے نبیؐ الوریٰ　　　چہ نعتِ پسندیدہ گویم ترا

(۴) ''آل'' سے مراد حضرت ازواج مطہراتؓ اور حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تو ہیں ہی ساتھ ہی ساتھ چہار یاران باصفاؓ اور حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین) بوجہ نسبتِ مصاہرت (یعنی رشتۂ نکاح) بھی حکماً داخل اہلِ بیت ہیں۔ وَلَوْ کَرِہَ الْمُعَانِدُوْنَ۔

(۵) صحابہؓ ہماری ایک آنکھ ہے تو اہل بیت ہماری دوسری آنکھ ہے اور ہر ایک کو دونوں آنکھیں پیاری ہوتی ہیں، فرق صرف اعتباری ہے کہ ایک دائیں جانب ہے تو دوسری بائیں جانب ؎

بصدق و صفا گشت بے چارہ جامیؔ
غلامِ غلامانِ آلِ محمد

یاد رہے احقر نے 'بدائع منظوم' کتاب کے فارسی حواشی سے خوب استفادہ کیا ہے۔ الحمدللہ۔

کشمیر کے دو اور بزرگ علماء و شعراء کا کلام معرفت التیام پیش خدمت ہے حق تو یہ ہے کہ ''عطر گلاب'' ہے جس کا چھڑکاؤ انفیکشن زدہ لوگوں کے لیے باعث شفا اور انفیکشن سے بچنے کے لیے ازبس ایک ضروری دوا ہے تو سنیے :

حضرت شیخ یعقوب صرفی (علیہ رحمۃ اللہ الباری): ایک مختصر تعارف

اسم شریف: یعقوب، لقب: جامع الکمالات، تخلص: صرفیؔ، عرف: حضرت ایشان صاحب، عاصمی: حسباً و نسباً چونکہ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ، خلیفۂ راشد دوم اور شہید محراب و منبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک حضرت عاصمؒ گزرے ہیں اسی لیے ''فاروقی'' کہیں یا ''عاصمی''۔ ولادت ۹۲۸ھ اور وفات ۱۰۰۳ھ میں، مزار پُر انوار شہر خاص (قدیم سرینگر) کے محلہ ایشان صاحب، قطبِ دوران حضرت شیخ محمد حسین خوارزمی کبرویؒ سے خلافت یافتہ اور مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی

کے آپ استاذ رہے ہیں جب آپؒ دہلی میں قیام پذیر تھے ؎

اِک آسمان ہی پہ موقوف نہیں ہے
اس زمین پر بھی چاند ستارے ہیں

عربی و فارسی میں قادر الکلام نعت گو شاعر تھے اور اسلامی علوم میں بڑے راسخ العلوم والفنون تھے۔ نیز ولایت وعرفان میں غوثِ زمان تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلِ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ وَاجْعَلْنَا مَعَہٗ یَوْمَ التَّنَادِ۔

یہاں بوجہ اختصار آپؒ کے نعتیہ کلام سے صرف تین بند ترجمانی کے ساتھ سپرد قلم کرتا ہوں ؎

فصیل نبوت میں ہیں جو نقب زن
انہیں چھوٹ دینا کہاں منصفی ہے

(۱) یَا مَنْ بِسِرِّ الْوَحْیِ اَنْتَ اَعْلَمْ
قَدْ جَآءَنَا مِنْکَ الْکِتَابُ الْمُحْکَمْ

ترجمانی: اے وہ ذات والا صفات جو وحیٔ الٰہی کے رازوں سے سب سے زیادہ باخبر ہے یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی ذات کی معرفت ہمیں وہ کتاب الٰہی ملی ہے جو ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ جس کی آیتیں حکایات کے حوالے سے مدلل اور مضبوط ہیں۔

(۲) یَا مَنْ بِفَیْضٍ کَامِلٍ خُصِّصْتَ مَنْ
عُلِّمْتَ مَا لَمْ یَکُنْ ھُوَ یَعْلَمْ

ترجمانی: اے وہ ذات والا صفات جو کامل و مکمل فیوض رحمانی اور برکات ربانی سے مستفید و مُستنیر ہے جس کو وہ علوم و معارف عطا کئے گئے ہیں جو وہ نہیں جانتی تھی اس طرح ساری مخلوق میں گروہِ انبیاء ومرسلین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو سب سے زیادہ علم عطا کیا گیا ہے۔

(۳) اَھْلُ الْھُدٰی لَمْ یَھْتَدُوْا اِلَّا بِہٖ
مَا ضَلَّ اِلَّا ظَالِمٌ بَلْ اَظْلَمْ

ترجمانی: ہدایت یافتہ اور سعادت مند لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہی سے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت مقدسہ ہی سے ہدایت اور سعادت پائی ہے۔ گمراہ تو وہی ہوا اور

راہِ حق سے وہی ہٹا جو یقیناً اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا بلکہ ایسا شخص سب سے بڑا ظالم ہے کہ دنیا بھی گئی اور عقبیٰ بھی نہیں ملا۔ اس طرح خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَالِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ (العیاذ باللہ العظیم)۔

چند طالب علمانہ گزارشات

(۱) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی اور تمام نبیوں کے بھی نبی ہیں، آخری رسول اور جملہ رسولوں کے بھی رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی شریعت ہر اعتبار سے محفوظ ہے جو مکمل دستورِ حیات ہے اور کامل نظام حیات ہے۔ جس میں سنتری سے منتری تک کے حقوق بتائے دئے گئے ہیں۔ ولادت سے وفات تک، عقائد سے عبادات تک، اعمال سے معاملات تک اور عائلی حقوق سے بین الاقوامی حقوق تک کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ الحمدللہ۔

ایاز سے محمود تک، تہذیب اخلاق سے تدبیر منزل اور سیاستِ مُدُن تک کے ہدایات اس دین فطرت میں مکمل طور پر موجود ہیں حتیٰ کہ بدلتے ہوئے حالات میں بھی اپنے ماننے والوں کی مکمل رہنمائی کا سامان اس مقدس دین میں موجود ہے۔

(۲) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی ذات والا صفات کے بارے میں فرمایا ہے: أُوْتِيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ۔ یعنی حضرت آدم (علیہ السلام) سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تک جتنے انبیاء و مرسلین آئے ہیں ان سبھوں کا علم تنِ تنہا مجھے عطا کیا گیا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَعْلَمُ الْأَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ/ اَعْلَمُ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ ہیں۔ اس کے باوصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ قرآنی دعا مانگنے کا حکم ملا ہے۔ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْماً۔ (طٰہٰ: ۱۱۴) یعنی اے میرے محبوب! آپ یہ دعا مانگا کریں، اے میرے رب! میرے علم میں اور اضافہ فرما۔ سُبحان اللہ۔ بقول حضرت عارف شیرازیؒ ؎

نتیجے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

(۳) ہدایت اور سعادت تو من جانب اللہ ملتی ہے البتہ حضرت اللہ جل مجدہٗ نے راہِ ہدیٰ کو واضح کیا ہے اسی طرح راہِ ضلالت کو بھی اور کسی ایک راہ پر چلنے کا بندے کو اختیار بھی دیا ہے۔ اسی اختیار ہی کی

بنا پر ایک انسان راہِ حق و ہدایت پر چل کر مستحق اجر و ثواب ٹھہرتا ہے اور ایک انسان راہِ باطل و شقاوت پر چل کر اسی اختیار کے غلط استعمال کرنے کی وجہ سے مستحق سزا و عتاب ٹھہرتا ہے۔ اس طرح نہ تو انسان مجبورِ محض ہے کہ کچھ نہیں کر سکتا اور نہ مختارِ مطلق ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ نبی، قرآن، وحی، راہِ حق پانے کے موثر ترین ذرائع ہیں۔ نبی راہ نما اور نشانِ منزل بتانے والا ہوتا تھا۔ منزل تک پہونچانا اس کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سورہ۔۔۔۔) نبی کا ہادی ہونا جو نبی کی بہترین نعت اور صفت ہے اسی دوسرے مفہوم میں ہے یعنی اِرَآءَةُ الطَّرِيْقِ۔ راستہ بتلانا جب کہ اَيْصَالُ اِلَى الْمَطْلُوْب یعنی منزل تک پہونچانا حضرت اللہ جل مجدہٗ کے دستِ قدرت میں ہے اللہ اس معنیٰ میں ھادی ہے۔ اس طرح ہدایت کی نسبت حضرت اللہ جل مجدہٗ کی طرف بطورِ حقیقت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بطورِ مجاز ہے۔

(۲) حضرت علامہ شیخ احمدؒ صاحب واعظ کا مختصر تعارف

نام احمد مگر حضرت علامہ شیخ احمد صاحبؒ اور شیخ احمد واعظؒ سے معروف ہیں۔ کشمیر کے اکابر علماء، و صلحاء اور شعراء میں سے آپؒ کا شمار ہے چونکہ ساری زندگی وعظ و رُشد کے ساتھ ذاتی دلچسپی رہی ہے اس لیے ''واعظ'' آپ کے نام کا لازمی جز بن گیا ہے۔ محلہ دبّاغان یعنی گنز کھوڑ سرینگر میں آپ کی ولادت ہوئی اور یہاں ہی ۱۲۹۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ حضرت علامہ صرفیؒ کی طرح بڑے باکمال عالم ربانی تھے دونوں زبانوں (عربی اور فارسی) پر مکمل عبور حاصل تھا۔ شعر و ادب میں ان کا موضوع صرف نعت و تصوف رہا ہے۔ یہاں آپؒ کے نعتیہ کلام کے چند اشعار نقل کرتا ہوں۔

(۱) اَوَلَمْ يَكْفِنَا مِنَ الْبُرْهَان — لِيْ مَعَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

ترجمانی: اے اللہ کے رسول! یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعتِ مکانی وعظمتِ مرتبتی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہمارے لیے مبارک ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ ''مجھے حضرت اللہ جل مجدہٗ کے دبار میں رفعت کا ایسا وقت اور مقام بھی آتا ہے کہ کوئی بھی نبی و مرسل یا مقرب فرشتہ بھی اس رفعت کو پا نہیں سکے گا جس کو میں پاتا ہوں''۔

(۲) قَدْ اَبَانَ الْاِلٰهُ مِنْ مَّجْدِكَ — قَوْلُ لَوْ لَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

ترجمانی: یقیناً حضرت اللہ جل مجدہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت و کرامت کو یوں واضح کر دیا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنا اور دنیا میں لانا میرا مقصد نہ ہوتا تو میں اس کائنات کو بھی پیدا نہ کرتا اسی

لیے آپ ﷺ صاحب لولاک ٹھہرے ہیں۔

(۳) اِنْ نَرُمْ نَاعِتاً لِاَوْصَافِكَ حَسْبُنَا اللّٰهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ترجمانی: اگر ہم اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف کا ارادہ بھی کریں اور نعت خوانی کریں تو یہ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی تائید وتوفیق ہی سے ممکن ہے کیونکہ یہ بھی طاعت وعبادت ہے۔

(۴) اَنْتَ مَنْ اَعْجَزَ الْوَرىٰ كُلَّهٗ كُنْهُ مَعْنَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ترجمانی: آپ ﷺ کی ذات والا صفات ہی ایسی ہے جس کی حقیقت و ماہیت نے ساری مخلوق کو سمجھنے سے عاجز کر دیا ہے کیونکہ آپ اپنے اوصاف وکمالات میں تمام انبیائے کرام میں منفرد اور ممتاز ہیں۔

(۵) مَنْ تَعَدّٰى لِعَدِّ اِحْسَانِكَ كَيْفَ اَحْصَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ترجمانی: کس میں اتنی صلاحیت و ہمت ہوگی جو آپ ﷺ کے احسانات کو اور کمالات کو اور امتیازات کو شمار کر سکے؟ کسی میں نہیں ہے۔

(۶) اِنَّمَا اَنْتَ رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ نِعْمَةُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ترجمانی: یہ بات تو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپ ﷺ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی رحمت و شفقت اور نعمت و ہدایت کے پیکر محسوس ہیں۔ جو خالص ایک خداوندی نعمت ہے اور امت کو مفت میں دی گئی ہے۔

(۷) لَا يَخَفْ خَآئِفاً مِنَ الْاَهْوَالِ صِرْتَ مَلْجَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

ترجمانی: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ جس کے ماویٰ وملجا اور جائے پناہ وجائے امن بنیں گے تو میدان حشر میں محشر کے فتنہ سامانیوں اور ہولناک منظروں سے وہ کہاں خوف کھائے گا۔

(۸) حَنَّ جِذْعٌ وَاَنَّ مِنْ بُعْدِكَ وَافِرَاقَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ترجمانی: روضۂ اطہر سے متصل ریاض الجنۃ میں ''حنانہ'' نامی ستون تو آپ ﷺ کی جدائی کو برداشت نہ کر سکا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور چیخنے لگا۔ اس سے بھی بے جان اور بے روح ہونے کے باوصف آپ ﷺ کا فراق برداشت نہیں ہو سکا۔ ہم تو آپ ﷺ کے امتی ہیں ہم سے کہاں برداشت ہو سکے گا؟

(۹) قَالَ فَجْعاً عَلَيْكَ اَبُوْبَكْرٍ وَاخَلِيْلَاهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

ترجمانی: جب آپ ﷺ کے وصال شریف کی روح فرسا اور صاعقہ اثر خبر آئی تو خلیفہ اول بلا فصل سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے عاشق زار ووفا شعار بھی خوب رو پڑے اور پکار اٹھے ہائے میرے

جگری اور قلبی دوست! آپ کیا چل دیئے ہیں؟

(۱۰) سَلَّ سَیۡفاً عُمَرُ عَلَی النَّاسِ   قَالَ حَاشَاہٗ یَارَسُوۡلَ اللہِ

ترجمانی: حتیٰ کہ خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروقؓ جیسے کوہِ استقامت واستعداد بھی آپ ﷺ کے غمِ فراق کو سن کر برداشت نہ کرسکے اور تلوار کو حمائل سے نکال کر فضا میں لہرا کر بولے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ کا وصال شریف ہوا ہے (یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پھر بھی عمر زندہ رہے) تو اس تلوار سے خبر لوں گا''۔ ع عشق است وہزار بدگمانیاں

(۱۱) صَارَ عُثۡمَانَ سَاکِتاً عَمَّنۡ   جَآءَ مَا جَآءَہٗ یَارَسُوۡلَ اللہ

ترجمانی: جب آپ ﷺ کے وصال شریف کی یہ زُہرہ گداز اطلاع خلیفۂ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنیؓ جیسے کامل الحیاء والا یمان کو ملی تو آپ گم سم ہوگئے کہ نہ کچھ بولا جاتا تھا نہ سنا جاتا تھا کہ زبان بھی گویا گنگ ہوئی اور کان بھی گویا بہرے ہوگئے۔

(۱۲) قَعَدَ الۡمُرۡتَضٰی فَلَمۡ یَنۡهَضۡ   عِنۡدَ مَثۡوَاہٗ یَارَسُوۡلَ اللہِ

ترجمانی: جب ساری انسانیت کے یتیم ہونے کی جگر سوز اور دل دوز خبر خلیفۂ رابع سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کے کانوں تک پہونچی تو وہ اتنے بہادر ہونے کے باوصف بس بیٹھ ہی گئے حضرت نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس ہی یا حجرۂ محلِ استراحت کے نزدیک ہی کہ غم فراق برداشت نہیں ہے شاید کہ پاس رہنے کی صورت میں اس زخم کا مرہم ملے اور سکون ملے۔ کہاں شیر جبار اور کہاں فراق نبوی نا قابل برداشت!

(۱۳) ضَجَّ وَارۡتَجَّ عِنۡدَكَ الۡاَصۡحَابُ   وَاہٗ نَبِیَّاہٗ یَارَسُوۡلَ اللہِ

ترجمانی: جو حال خواصِ اصحاب کا تھا وہی حال عوامِ اصحاب کا بھی تھا۔ وہ غم فراق کے زخم سہتے رہے غیر اختیاری طور پر عشق ومحبت میں ان کی چیخیں نکل گئیں وہ بار بار دردِ فراق میں آپ ﷺ کو یاد کر کے روتے رہے۔

(۱۴) اَهۡلَ الۡبَیۡتِ الۡکِرَامُ قَدۡ صَاحُوۡا   وَاصَفِیَّاہٗ یَارَسُوۡلَ اللہِ

ترجمانی: حضراتِ اہل بیتِ اطہارؓ جو اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں حضرات صحابہ کرامؓ کی طرح واجب الاحترام والاتّباع ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے وصال شریف کے دُکھ بھرے حادثہ کی وجہ سے قلبی و روحانی اور خاندانی تعلق کی بنا پر از حد دل گرفتہ ہوئے اور آپ ﷺ کے غم ہجر کو یاد کر کے روتے رہے۔

چاند سورج کو کوئی ہاتھوں پر مرے لادے
کونین کی دولت میرے دامن سے کوئی چھپادے
پھر کالکا پرشاد سے پوچھے کہ تو کیا لے
تو نعلین محمد کو وہ آنکھوں سے لگادے

چند طالب علمانہ گزارشات

(۱) ساری کائنات کا خلاصہ انسان ہے اسی لیے اس کو ''اشرف المخلوقات'' کہا گیا ہے اور نبوت و رسالت انسانیت کا خلاصہ ہے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلاصۂ نبوت و رسالت ہیں۔ بقول حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔[۱] مگر اس کے باوصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اللہ جل مجدہٗ کے بندے ہیں۔ کارگاہ کائنات یعنی تکوینی نظام میں ذاتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ الخ۔

(۲) لَولَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ یہ روایت سنداً و متناً محلِ بحث ضروری ہے تاہم اس کے مرکزی مفہوم کی دوسری کئی روایات سے تائید ہوتی ہے جس کی بنا پر یہ حسن کے درجہ کی حدیث ہے جو قابل استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہ تخلیق کائنات ہیں۔

اے زلیخا! اس کو نسبت اپنے یوسف سے نہ دے
اس پر سر کٹتے ہیں دائم اور اُس پر انگلیاں

(۳) نعتیہ کلام کی نغمہ سرائی سیدنا حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم و ترغیب پر مسجد نبوی (صَلَی اللہُ عَلیٰ صَاحِبِہٖ التَّسلِیمَاتُ) میں فرماتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ انہیں تائید رحمانی اور حمایت (روح قدس) کی بھی بشارت دی جاتی تھی تو پھر اس کا اشتغال کیوں نہ طاعت و عبادت ہوگی۔ ''جہانِ حمد و نعت'' میں جہاں اردو فارسی و عربی تینوں زبانوں کے حسین ادبی پہلوؤں کو فروغ دینا ہے وہاں یہ حسین بلکہ سب سے زیادہ حسین پہلو بھی

---

[۱]: اس مصرعے کو (جو دراصل ایک نعتیہ رباعی ہے) بعض لوگوں نے شیخ سعدی شیرازی کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف۔ ایک قول جو بظاہر مرجوع ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف منسوب کرتا ہے۔ میری معلومات کی حد تک اس کو کسی نے بھی مولانا رومی کا شعر نہیں کہا ہے۔ واللہ علم مفتی صاحب زید مجدہ کا مآخذ کیا ہے؟

پیش نظر ہے۔تا کہ ’جہاں حمد و نعت‘ آباد رہے اور گلستان عشق و محبت کا یہ بلبل نغمہ سرائی کرتا رہے۔

(۴) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ۔اس مفہوم کی کئی احادیث شریفہ مختلف سندوں اور کلمات کے ساتھ کئی صحابہؓ سے منقول ہیں۔لہٰذا تخلیق کے اعتبار سے آپ ﷺ کا نور مبارک پہلے ہے مگر بعثت اور ظہور سب سے آخر میں ہوا کہ تکمیل نبوت اور ختم رسالت آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس ٹھہری ہے۔تو خدارا بتائے کہ ماہیت محمدیہ و حقیقت احمدیہ کا حقیقی ادراک کس کو ہوسکتا ہے۔

(۵) آپ ﷺ اپنے ظاہری محاسن اور باطنی کمالات میں بے مثال و بے نظیر ہیں ساری مخلوقات میں ان کمالات عالیہ میں آپ ﷺ وحدہٗ لا شریک لہٗ ہیں۔کمالات علمیہ و عملیہ، محاسن سیرت و صورت اور مراتب عالیہ میں سب سے اونچا مقام آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے ؎

مسلمان لاکھ برے ہوں مگر نام محمد پر
وہ ہیں تیار ہر حالت میں اپنا سر کٹانے کو

(۶) شفقت و الفت، محبت و رافت، رحمت و ہدایت اور انوار و برکات کے پیکر محسوس آپ ﷺ ہیں۔انسانیت پر حضرت اللہ جل مجدہٗ کا سب سے بڑا احسان و انعام آپ ﷺ کی بعثت کو قرار دیا گیا ہے۔لَقَدْ مَنَّ اللہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ (آل عمران: ۱۶۴)

(۷) بروز حشر و نشر ہم جیسے سیاہ کاروں اور گناہگاروں کے لیے آپ ﷺ کی سفارش و شفاعت ہی نجات اور نار جہنم کا سب سے بڑا سہارا ہے۔یہ سہارا سنتوں پر عمل کرنے سے اور درود و سلام کو کثرت کے ساتھ پڑھنے سے ملے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۸) مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا التسلیمات) میں منبر بننے سے پہلے حضرت نبی اکرم ﷺ کھجور کے ایک مبارک تنے کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے جو مسجد نبوی ہی میں نصب ستون کا کام بھی دیتا تھا جب منبر بنا تو آپ ﷺ اس مبارک تنے کو چھوڑ کر منبر پر رونق افروز ہوئے تو وہ ستون خوب رونے لگا یہاں تک کہ ہچکیاں بندھ گئیں اس کو ’’اُسطوانہ حنّانہ‘‘ کہا جاتا ہے۔ریاض الجنۃ میں اس جگہ کو ابھی تک محفوظ رکھا گیا ہے ؎

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہمارے بزم خیال میں، نہ ہی دکان آئینہ ساز میں

(۹) حضرت صدیق اکبرؓ جملہ حضرات صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) میں تنہا وہ شخص تھے جس نے اپنے وفورِ عشق و محبت و جذبات کے باوجود اپنے آپ کو اس انتہائی نازک اور حسّاس موقعہ پر سنبھال کے رکھا تھا۔ فاروق اعظمؓ سے یہ برداشت نہیں ہو سکا کہ میں اپنے کانوں سے اس اندوہناک خبر کو سنوں بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ افواہ ہے مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی مختصر تقریر نے انہیں سنبھالا۔

(۱۰) حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین ہونے کے ناطے بڑے ناز و فخر والے تھے مگر یہ رشتہ ہی کچھ ایسا تھا کہ اپنے ہوش و حواس گویا کھو بیٹھے تھے حالانکہ بڑے حلیم اور صابر اور دور اندیش تھے۔ حضرت علیؓ گویا بزبانِ حال کہہ رہے تھے کہ علی کے لیے درِ خیبر اکھاڑ کر پھینکنا تو آسان تھا مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جدائی کا غم پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری تھا۔ صاحب ذوالفقار ہونے کے باوصف پس ہمت ہو گئے تھے اور زمین کے ساتھ چمٹ گئے۔ یہی حال تمام صحابہ کرام اور اہل بیت عظام (علیہم الرضوان) کا تھا ؎

شانِ معراج سے یہ عقدہ کھلا
مرکزِ عشق میں خاتم الانبیا
(بھگوان داس بھگوانؔ)

•••••••••••

تیرے قدم کی خاک ہے غازہ نجوم کا
جاروب کش ہے تیری گلی کا ماہِ تمام

•••••••••••

بہت نظر آئے لیکن سہیل! اس شان کا بندہ
نہ بالائے فلک پایا، نہ زیر آسمان دیکھا

❋❋❋

ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط
کلگاؤں (مہاراشٹرا)

علامہ سید عابد علی وجدیؔ کی نعت گوئی
(منظوم سیرۃ النبیؐ کے حوالے سے)

''وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ'' کی صدا قرآن حکیم نے جب سے لگائی ہے، اللہ کے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر چہار دانگ عالم میں ہر زمانے اور ہر زبان میں ہو رہا ہے۔ یوروپین ممالک کی ترقی یافتہ زبانوں سے لے کر افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض غیر متمدن اقوام کی اُجڈ اور غیر ترقی یافتہ بولیوں تک میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر نہایت والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ کہیں اذانوں میں ''محمد رسول اللہ'' کی گونج ہے تو کہیں اوراد و اذکار میں نام رسول ﷺ ورد زباں ہے۔ کہیں محافلِ وجد و سماع میں ذکر رسول ﷺ پر سر دھنے جا رہے ہیں تو کہیں میلاد کے جلسوں میں مدحتِ حبیب ہو رہی ہے۔ تسبیحات میں درود وصلوٰۃ کا ورد ہو رہا ہے تو نمازوں میں صلوٰۃ وسلام پڑھے جا رہے ہیں۔ غرض یہ کہ ذکرِ حبیب ﷺ محلوں میں بھی ہے کاشانوں میں بھی، خانقاہوں میں ''اللہ ہو'' کے ساتھ ''محمد رسول اللہ'' کا ذکر ہے تو مدارس میں ''قال اللہ وقال رسول اللہ'' کی صدا۔ دشت صحراؤں میں اسی کی بازگشت ہے تو گلزاروں اور کشت زاروں میں بھی اس کی پکار۔ یادِ رسولؐ پہاڑوں پر بھی ہو رہی ہے تو میدانوں میں بھی، سمندروں کے سینوں پر بھی انسان ذکر رسولؐ میں رطب اللسان ہے تو بسیط فضاؤں میں ہوا کے دوش پر بھی۔ بے شک یاد رسول ﷺ دلوں کا انبساط اور روح کی نشاط ہے اور ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ فضاؤں سے پرے، خلاؤں سے آگے فلک الافلاک سے بہت اوپر اللہ کے عرش پر بھی ذکرِ رسول ﷺ میں صلوٰۃ وسلام کا آوازہ بلند رہتا ہے۔

یہی ذکرِ رسولؐ ادب کی اصطلاح میں نعت کہلاتا ہے۔ عربی ادب میں آپؐ کی مدحت طرازی کے لیے لفظ نعت کا استعمال حضرت علیؓ سے منسوب ہے ورنہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری میں غزل، قصیدہ، فخر و خماسہ، مدح، مرثیہ، ہجو، معذرت، سراپا وغیرہ شعری اصناف کے امتیازات میں داخل تھے۔ آپؐ کی وصف بیانی کے لیے ''نعت'' کی اصطلاح حضورؐ کے زمانے ہی سے عربی شاعری میں استعمال ہونے لگی

تھی۔ اس زمانے کے نعت گوشعرا میں حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت عباس بن مرداس وغیرہ کا نہایت مشہور نعت گوشعرا میں شمار ہوتا ہے۔نعت گوئی کی یہ روایت وہیں سے فارسی کی اور پھر اردو کے شعری سرمایے کی زینت بنی اور اس کی خوشبو سے گلستانِ ادب مہکنے لگا۔ چنانچہ فارسی میں سعدیؔ، مولانا جامیؔ، قدسیؔ، نظامیؔ اور اردو میں غلام امام شہیدؔ، شہیدیؔ، محسن کاکوروی اور امیرؔ مینائی ادبستانِ نعت کے اہم شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نعت گوئی میں مختلف ابعاد قائم ہوئے اور آپؐ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو نعت کا موضوع بنایا گیا۔ چنانچہ آپؐ کی تخلیق کے احوال پیش کرنے کے لیے 'نور نامے' آپؐ کی ولادت کے ذکر میں ولادت نامے، واقعہ معراج کا حال سنانے کے لیے 'معراج نامے'، آپؐ کی سیرت کا حال بیان کرنے والے 'شمائل نامے'، آپؐ کے معجزات اور غزوات کو بیان کرنے والی نعتیں، وفات نامے اور مستقل منظوم سیرتیں لکھی گئیں۔

منظوم سیرۃ نگاروں کی فہرست میں علامہ سید عابد علی وجدیؔ الحسینی شیخ الحدیث (قاضی شہر بھوپال) ایک اہم نام ہے۔ آپ مختلف دینی، ادبی، تعلیمی اور علمی اداروں سے وابستہ رہنے اور اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دینے کے باوجود شاعری میں بھی شغف رکھتے تھے۔علوم متداولہ پر آپ کی نگارشات سرسری نظر سے دیکھی جائیں تو پتا چلتا ہے کہ آپ تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کی طرف زیادہ مائل تھے۔ چنانچہ ''ہندوستان اسلام کے سائے میں، تاریخ ریاست بھوپال، تاریخ قضاۃ ومفتیانِ بھوپال اور بھوپال تحریک آزادی کے آئینے میں'' وغیرہ علاقائی تاریخ پر آپ کی مستند کتابیں شمار کی جاتی ہیں نیز ''قطب مالوہ، مولانا برکت اللہ بھوپالی اور تذکرۂ بزرگانِ بھوپال حصہ اول و دوم سیرت پر نثری تصانیف ہیں، تو منظوم سیرۃ النبی ﷺ، سیرت رسولؐ پر اہم کتاب ہے۔

اردو میں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کے منظوم تذکروں کی تاریخ بارھویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ اس ضمن میں پہلی منظوم سیرت رسولؐ، دکن کے کہنہ مشق شاعر سید محمد فیاض ولیؔ ویلوری کی تصنیف ''روضۃ الانوار'' ۱۱۵۹ھ ہے۔ اسی شہر ویلور کے شاعر مولانا محمد باقر آگاہؔ نے ''ہشت بہشت'' کے عنوان سے سیرت رسولؐ پر آٹھ رسالے مختلف سنین میں مرتب کیے تھے۔ ان رسالوں کی تصنیف ۱۱۸۴ھ سے ۱۲۰۶ھ کے درمیان ہوئی ہے۔ دکن میں منظوم سیرت نگاری کا یہ سلسلہ عہد اقبال تک پہنچتا ہے۔ اقبالؔ کے زمانے میں شمال کے نامور غالب شناس، انگریزی شاعری کے مترجم اور بہترین شاعر نظم طباطبائی نے بھی سیرت رسولؐ پر ''ہفت قصائد'' لکھے تھے، ان میں آپؐ کے غزوات کا ذکر ہے۔ اس کے بعد منظوم سیرت نگاری کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان سیرت نگاروں میں حفیظؔ جالندھری، عامرؔ

عثمانی، محمد علی خاں مجددی نقش بندی، محشرؔ رسول نگری، شیخ الحدیث سید عابد علی وجدیؔ، قیصرؔ الجعفری، لالہ صحرائی، عبدالعزیز خالدؔ، عمیقؔ حنفی، نصیر پرواز، عنبرؔ بہرائچی، امینؔ صدیقی، ڈاکٹر عبدالمنان طرزیؔ، عبد اللطیف مالیگانوی، چندر بھان خیالؔ، صفوت علی صفوتؔ اور منصورؔ ملتانی نہایت اہم نام ہیں۔

حسن اتفاق کہ اس فہرست میں تین شعرا کا تعلق ایک ہی علاقۂ بھوپال سے رہا ہے اور تقسیمِ ہند کے بعد ان کی منظوم سیرتوں کو اردو میں ایک اہم مقام حاصل ہوا ہے۔

تاریخی ترتیب کے مطابق وہ تین اہم نام شیخ الحدیث سید عابد علی وجدیؔ، نصیر پروازؔ اور چندر بھان خیالؔ کے ہیں۔ ۲۰۰۴ء میں نعت رنگ کراچی کے شمارے میں میرا ایک مضمون ''اردو میں منظوم سیرت نگاری کی روایت'' شائع ہوا تھا، اس وقت تک میں شیخ الحدیث سید عابد علی وجدیؔ نور اللہ مرقدہ کی شعری صلاحیتوں سے واقف نہیں تھا اور نہ ہی آپ کی منظوم سیرت ''سیرۃ النبی'' سے مجھے واقفیت تھی۔ نصیر پروازؔ نے بھی ''رسول اکرمؐ'' (منظوم سیرت) کے ابتدائیہ میں وجدیؔ کی اس تصنیف کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن اب اس سمینار کے ضمن میں مجھے مجددیؔ مرحوم کی کتابیں، نعتیہ مجموعہ ''صبح تجلی'' اور ''منظوم سیرۃ النبیؐ'' بھیجی گئیں تو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوگئیں۔ متذکرۂ بالا جتنی کتابیں سیرت النبیؐ کی میری نظروں سے گزر چکی تھیں ان میں وجدیؔ کی سیرت النبی موضوع اور غیر مستند روایات سے یکسر پاک ہے۔ شاعر نے شعریت کو عقیدت پر غالب نہیں ہونے دیا بلکہ ان دونوں میں توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ خود شاعر کتاب کے دیباچہ میں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

> ''واقعات (سیرتؐ) اپنے اصلی و فطری اور سادہ مگر مؤثر انداز میں نظم کیے جائیں۔ واقعیت کی زمین پر تشبیہہ و استعارہ کے پھول بوٹوں سے اس طرح سجاوٹ پیدا کی جائے کہ اصلی واقعہ پردۂ شاعری میں گم نہ ہوجائے۔'' (وجدیؔ: ''منظوم سیرۃ النبی''، وجدی پبلی کیشنز، بھوپال ۱۹۹۰ء، ص:19)

صحتِ عقیدہ وحبِّ رسول ﷺ میں شاعر کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ آپ نے نظم کی ابتدا ہی سلام سے کی ہے جو اللہ کا حکم ہے۔ ''اِنَّ اللہ و ملٰئکۃ یصلو ن علی النبی یا یھا الذین اٰمنو ا صلو علیہ و سلموا تسلیما'' (اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، اے اہل ایمان! تم بھی آپؐ پر سلام وصلوٰۃ بھیجو وجدیؔ کے سلام کی خوبی یہ ہے کہ نظم کے ہر شعر میں ضمیرِ صفاتی کا اس خوبی سے استعمال ہوا ہے کہ شعر کے ہر مصرع میں آپؐ کی کسی نہ کسی خوبی کی جانب اشارہ کر دیا جاتا ہے ؎

سلام اس پر کہ جس کا ہر عمل ہر قول لاثانی / مجسم خلقِ قرآنی سراپا نور عرفانی

سلام اس پر کہ حق نے فاتحیت سے سراہا تھا ‏ ‏ نبوت کے لیے سب سے ہی پہلے اسکو چاہا تھا

سلام اس پر ہو جس کو کاملیت سے سنوارا تھا ‏ ‏ کمالاتِ خداوندی کا وہ روشن منارا تھا

سلام اس پر ہو جس کو خاتمیت کا شرف بخشا ‏ ‏ سرِ اقدس پر تاج دعوت وتکمیل کا رکھا

ان اشعار سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وجدیؔ نے آپؐ کے اوصافِ پاکیزہ کے تخصص کو واضح کرنے کے لیے 'ضمیرِ صفاتی' کا استعمال کیا ہے۔ان اشعار میں آپؐ کی چند اوصاف کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جن کا تعلق احادیث نبویہ اور آیاتِ قرآنیہ سے ہے۔پہلے شعر میں ''خلقِ قرآنی'' اور ''نورعرفانی'' کا ذکر ہے۔چنانچہ حضرت عائشہؓ کا مشہور قول حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ آپؐ نے ''خلقہ القرآن'' کہہ کر سارے قرآن کو آپؐ کے اخلاق سے مربوط کر دیا تھا۔قرآن حکیم میں بھی آپؐ کے اخلاق کے متعلق ''اِنّک لعلیٰ خلق العظیم'' (سورۃ القلم، آیت ۴) یعنی بلا شبہ آپؐ عظیم الشان اخلاق کریمانہ کے حامل ہیں، کہا گیا ہے۔شاعر نے پھر آپؐ کے نور کا ذکر کیا ہے۔قرآن مجید کی سورۃ المائدہ آیت ۱۵ میں ''قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین'' کہہ کر گواہی دی گئی ہے کہ بے شک اللہ کی طرف سے تمھارے پاس نور آیا اور روشن کتاب۔درج بالا اشعار میں آپ کے اوصاف میں 'فاتحیت'، 'کاملیت' اور 'خاتمیت' کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ان اصطلاحات میں شاعر نے قرآنی آیات اور حدیث رسولؐ کو سمونے کی کوشش کی ہے۔مثلاً حدیث: انا الفاتح وانا الخاتم (زرقانی جلد ۳ ص: ۱۶۴) یعنی میں ہی تمام محاسن وکمالات کا دروازہ کھولنے والا اور ان ہی کی تکمیل کرنے والا ہوں، کے لیے شاعر نے 'فاتحیت' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔وجدیؔ نے خود یہ وضاحت اپنے نعتیہ مجموعے ''صبح تجلی'' کے صفحہ نمبر ۲۰ کے حاشیے میں کر دی ہے۔ان اشعار میں دوسری اصطلاح ''کاملیت'' کی ہے۔اس اصطلاح میں شاعر نے قرآنی آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت ولکم الاسلام دینا'' (سورۃ المائدہ آیت ۳) کے سارے معنی سمیٹ لیے ہیں۔اسی طرح ''ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (الاحزاب آیت: ۴۰) کے معنی کی وضاحت ''کملیت'' کی اصطلاح کے ذریعہ کر دی گئی ہے۔

سلام کا یہ انداز شاعر کا اپنا ہے اور اسی نہج پر منظوم سیرۃ النبیؐ کے تقریباً ہر عنوان کی ابتدا سلام ہی سے کی گئی ہے۔اس میں شاعر نے حضرت محمد ﷺ کے اوصاف کے استخصاص کو مرکز توجہ بنانے کے لیے ضمیر توصیفی 'اس' اور 'جس' جیسے ضمائر کا استعمال کیا ہے۔اپنی نوع کا یہ ایک اسلوب ہے۔بہت کم شعرا نے اس اسلوب میں سلام کہے ہیں۔

سلام، عربی حروف س ل م کے مادے سے مشتق ہے۔اس کے اشتقاقی عمل سے جو الفاظ بنتے

ہیں ،معنوی لحاظ سے ان کی معنوی وسعت میں بڑا تنوع اور نرمی ہوتی ہے ۔جیسے 'سلیم' ،اسلام ،مسلم ،سلامتی ،تسلیم وغیرہ اور خود اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بھی 'سلام' ہے۔اردو میں یہ موضوعی صنف امن ،سلامتی ،سپردگی ،اطاعت ،التجا ،وفور ذوق اور جذباتِ خالص کی تسکین و اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ سلام کا تعلق بالراست حکم خداوندی سے ہے قرآن حکیم میں اس کی مثل بھی پیش کی گئی ہے اس لیے اس کا ماخذ کہیں اور تلاش کرنا عبث ہے۔اردو میں بہمنی دور ہی سے سلام مرثیے کا ایک جزو رہا ہے۔لیکن قدیم نعتیہ ادب میں اس کے آثار دکھائی نہیں دیتے ۔البتہ سوداؔ کے زمانے میں میر محمد تقی کے رثائی سلام کو سوداؔ نے تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔سوداؔ کی یہ تنقید سلام نگاری پر اردو میں پہلی تنقید ہے۔تقی کے سلام کا پہلا شعر ہے ؎

اے نبی کے باطنآر تبے کے والی السلام　　　　ظاہرا ان سے بھی ہوا ک نوع عالی السلام

بہر حال !اردو کے نعتیہ ادب میں سلام کی روایت کی داغ بیل امیر مینائی نے ''ترجیع بند قابل پیش خوانی در محفل میلاد شریف'' لکھ کر ڈالی تھی لیکن اس صنف کو حضرت امام احمد رضا خاںؒ بریلوی کے زمانے سے فروغ حاصل ہوا۔آپ کے بعد حمزہؔ ،اکبرؔ میرٹھی اور حفیظؔ جالندھری نے اس صنف میں کافی نام کمایا ۔وجدیؔ کی 'سیرۃ النبیؐ' کی منظومات میں سلام کے نعتیہ اسلوب پر اقبالؔ اور حفیظؔ کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔

وجدیؔ کی ''منظوم سیرۃ النبیؐ کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ آپ نے حضورؐ کے زندگی کے تمام واقعات اس طرح قلم بند کئے ہیں کہ ہر واقعے کی تمام تفصیلات نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔شاعر نے ہر واقعے کے لیے ایک علاحدہ عنوان قائم کیا ہے اور ہر واقعے کی ابتدا میں سلام کے ایک یا دو اشعار ہوتے ہیں۔اس طرح اس کتاب میں حرف مدعا سے لے کر واقعۂ غزوۂ بدر تک ایک سو چودہ ابواب ہیں۔بعض جگہ ایک واقعے کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے جزوی سرخیاں بھی لگائی گئی ہیں۔مثلاً غزوہ بدر کے بیان میں تجارتی قافلہ ،صحابہؓ سے مشورہ اور ابوسفیان کا راہ فرار جیسی جزوی سرخیاں کتاب میں موجود ہیں۔واقعۂ ہجرت کی تفصیل ،ہجرت کی رات ،ہجرت کے لیے روانگی ،یارِ غار کی رفاقت ،غارِ ثور میں ،سراقہ کا تعاقب ،بریدہ اسلمی کا دستہ ،امِ معبد کا خیمہ ،مدنی زندگی کا آغاز ،انتظار وغیرہ جزوی سرخیوں کے تحت بیان کی گئی ہے۔

وجدیؔ کی تمام غیر مطبوعہ تخلیقات کو منصۂ شہود پر لانے کی غرض سے وجدی پبلی کیشنز کی تشکیل عمل میں آئی تھی۔اس ادارے کے تحت منظوم سیرۃ النبیؐ دو حصوں میں شائع کرنے کا پروگرام بھی تھا۔چنانچہ اس کتاب کا پہلا حصہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔جبکہ 'صبح تجلی' جو وجدیؔ کا نعتیہ مجموعہ ہے اور جو ۱۹۷۳ء میں منظر عام پر آچکا تھا ،اس میں عنقریب منظوم سیرۃ النبیؐ کے دونوں حصوں کی اشاعت کا اعلان تھا مگر شاید اس کتاب کا دوسرا حصہ طباعت کی منزل تک نہیں پہنچ سکا۔صبح تجلی میں دیئے گئے اشتہار کی رو سے اس

کتاب کے دونوں حصے تقریباً چالیس ہزار اشعار پر مشتمل ہیں جبکہ اس کا حصہ اول جو ظہور نور رسول ﷺ سے غزوۂ بدر تک ہے اور اس کے اشعار کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے۔ شاعر نے اس منظوم سیرت کو حفیظؔ جالندھری کے شاہ نامۂ اسلام کی بحر، بحر ہزج مثمن سالم میں رقم کیا ہے۔اس کے چاروں ارکان (مفاعیلن) نہایت رواں اور مترنم ہیں۔نظم کی ابتدا اگر چہ حمد سے ہوتی ہے مگر اس میں مناجاتی عنصر غالب نظر آتا ہے۔حرف مدعا کے ان اشعار میں شاعر کا لہجہ بڑا رقت آمیز ہے اور تضرع و الحاح کی کیفیت ہر شعر میں نمایاں ہے

شاعر نے اس حمد میں عقیدت کے ساتھ شعریت کا بھی خیال رکھا ہے اور شاعری کے انوکھے اور دل خوش کن انداز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔گلستانِ قدرت کی یہ منظر کشی ملاحظہ ہو ؎

تری تعریف میں ہے سرخوشی سے تر زباں سوسن == خیابانِ جنوں میں رہتی ہے رطب اللساں سوسن
دبائے بیٹھے ہیں جوشِ جنوں کو یہ گل و لالہ == ہر اک نخل و شجر تیری محبت میں ہے متوالا
شفق تیرے طلب میں خون کے آنسو بہاتی ہے == فلک پر اضطرابِ شوق میں لہرائے جاتی ہے
فلک پر برق تیرے عشق میں بیتاب پھرتی ہے == شرارِ شوق سینہ میں لیے بے خواب پھرتی ہے

(وجدیؔ: ''منظوم سیرۃ النبیؐ' وجدی پبلی کیشنز، بھوپال ۱۹۹۰ء ص:۲۲)

حمد و مناجاتی شاعری میں صنعت تجسیم personification کی ایسی مثال شاذ ہی ملے۔شاعر نے ان اشعار میں ایسے حسی پیکر تراشے ہیں کہ ان سے قاری کے حواس باصرہ، سامعہ، لامسہ اور مدرکہ سبھی متاثر ہو جاتے ہیں۔اس نظم میں شاعر نے اپنی ولادت سے لے کر عنفوانِ شباب کے زمانے تک کے حالات میں گزری زندگی پر شکر و امتنان کا اظہار کیا ہے اور نظم کے آخر میں دعا کی ہے کہ خدایا آپؐ کی سیرت جو میں نے قلم بند کی ہے اسے شرف قبولیت عطا کر دے۔اس کے بعد شاعر نے نو اشعار میں خالص حمد لکھی ہے جس میں ذاتِ واحد کی بے ہمتائی کو عقیدت مندانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔یہ ایک قسم کی سورۂ فاتحہ کی ترجمانی ہے۔بعدہ شاعر نے سلام کے اسلوب میں ایک نعت لکھی ہے، جس پر حفیظؔ کا رنگ نمایاں ہے ؎

سلام اے سرورِ عالم سلام اے شمعِ حقانی....... سلام اے نازشِ آدم رسولِ نوعِ انسانی
سلام اس پر عمل کی زندگی پیغام عام اس کا....... جہادِ حق کے جادہ پر رہا ہر وقت کام اس کا

(ایضاً ص:۲۰)

وجدیؔ نے آپ ﷺ کی ولادت سے قبل ظہورِ نور کی کیفیت کا اظہار کرنے کے لیے قرآنی

آیت ''قَدْ جَاءَ کُم مِنَ اللہِ نُور'' سے استنباط کیا ہے اور آپؐ کے نور ہونے کی جو روایت عام ہے اس کی توضیح کر دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

سلام اے صدرِ بزمِ انبیاء قندیل رحمانی .... ملی ہے نور سے ان کے ہی مہ و مہر کو تابانی
سلام اس نور پر آدم کی روشن جس سے پیشانی .... سلام اس ناخدا پر جو بنا پھر آدمِ ثانی
سلام ان پر ہو، جس کے نور سے گلشن ہوا روشن .... بنی ہے جس کے جلووں سے یہ دنیا وادیِ ایمن

مندرجۂ بالا تینوں اشعار میں جس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، ہمارے نور ناموں میں اس کا چلن اس قدر عام ہے کہ بعض موضوع اور ضعیف روایتیں بھی اس ظہور نور کے واقعے سے جوڑ دی گئی ہیں حتیٰ کے ان کے اندر دیو مالائی تصور بھی در آیا ہے۔ بہر حال! وجدیؔ نے ان خرافات سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی ہے۔

وجدیؔ نے اپنی منظوم سیرت النبی میں سیرت رسولؐ کے واقعات کو تاریخی پس منظر میں پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے اور ان واقعات کی منظر کشی اس خوب صورتی سے کی ہے کہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ بعض مقامات پر تو واقعات کی جزئیات پر بھی توجہ دی گئی ہے مثلاً آپؐ کی ہجرت کے موقع پر اہلیان مدینہ انتظار کی گھڑیاں کس بے چینی سے گزار رہے تھے اس کا نفسیاتی تجزیہ کرتے وقت شاعر نے انسانی جذبات کی تمام باریکیاں اپنے اشعار میں ڈھال دی ہیں ؎

خبر تشریف لانے کی یہاں پہنچی تھی ہفتوں میں .... مدینے میں نویدِ جاں فزا پھیلی تھی ہفتوں میں
مدینے کی فضا جوشِ طرب میں بہکی جاتی تھی .... کلی کھلنے سے پہلے ہی چمن میں مہکی جاتی تھی
مدینے والے تھے نظریں جمائے راہِ مکہ پر .... کہ ہر ایک فرد تھا نظریں بچھائے راہِ مکہ پر
ہر اک کے دل میں خواہش تھی نبیؐ مہمان ہوں اسکے .... مکمل کسطرح سے سب دلی ارمان ہوں اسکے
وہ روزانہ سویرے ان کے استقبال کو جاتے .... مسلسل دن چڑھے تک بیٹھتے اور پھر چلے آتے
وہ واپس ہو رہے تھے انتظارِ دید میں ایک دن .... ہوئے مایوس تنویرِ طلوعِ عید سے ایک دن
یکایک بزم خاموشی سے شور و غلغلہ اٹھا .... نظر پڑتے ہی حضرتؐ کے لبوں سے مرحبا نکلا
سپہر تیرہ سے اک آفتابِ ضو فشاں نکلا .... کہ راہِ پر خطر طے کر کے میرِ کارواں نکلا
سلام اس پر ہو یثرب نے جسے آنکھوں میں بٹھلایا .... نبیؐ کے خیر مقدم کو ہر اک چھوٹا بڑا آیا
خوشی کی اک لہر دوڑی مدینے کی فضاؤں میں .... کہ خوشبو عشق کی مہکی مدینے کی ہواؤں میں

(ایضاً، ص: ۹۳۔۹۴)

ہجرت کے اس واقعے نے عربی کے نعتیہ ادب کو نئے آفاق سے آشنا کیا اور ''طلع البدر علینا'' جیسی وفورِ ذوق اور جذب و کیف کی سرمستی میں ڈوبی نعت وجود میں آئی۔

طلع البدر علینا ....من ثنیّا ت الوداع

وجب الشکر علینا ....ما دعا للہ داع

ا یھا المبعوث فینا .... جئت بالامر المطالع

یعنی پہاڑی کی اس موڑ سے جہاں سے قافلے رخصت کئے جاتے ہیں، آج چودھویں کا چاند نکل آیا ۔جب تک دنیا میں اللہ کا نام لیوا رہے گا ہم پر شکر کرنا واجب رہے گا۔اے وہ ذات جس کو ہمارے درمیا ن بھیجا گیا ہے، آپؐ واجب الاطاعت ہیں۔وجدیؔ کے مندرجۂ بالا اشعار اور ان عربی اشعار میں جس طرح انسانی جذبات کی عکاسی ہوئی ہے ان میں پائی جانے والی مطابقت اور مماثلت دیکھتے ہی بنتی ہے۔

سطور بالا میں کہا جا چکا ہے کہ علاقۂ بھوپال میں سیرت رسولؐ پر تین تین کتابیں منظوم کی گئی ہیں۔یہاں ان میں سے ہجرت کے واقعے کی تصویر کشی کرنے والے اسلوب کا موازنہ مقصود ہے، تا کہ تینوں کتابوں کی پیش کش کا اندازلگایا جاسکے :

وجدی	نصیر پرواز	چندربھان خیال
رسولِ پاکؐ کو بھی ہوگیا اب حکم ہجرت کا	آپؐ کو بھی رب سے ہجرت کی اجازت مل گئی	اور رسول اللہ کو حکم الٰہی مل گیا
شرف صدیقِ اکبر کو ملا ان کی رفاقت کا	اک دعا کے ساتھ تنویرِ مسافت مل گئی	آپؐ نے باندھی کمر چپکے سے ہجرت کے لیے
جب آدھی رات گزری حکم ہجرت کا اترآیا	آپؐ نے چلنے سے پہلے کرلیا سب اہتمام	بس یہی تھا راستہ تعمیرِ ملت کے لیے
نبیؐ نے قصد اب باہر نکل آنے کا فرمایا	پاس بلواکر علیؓ کو یوں ہوئے محو کلام	صبر کے گھوڑے پہ بیٹھے اہل حکمت کے لیے
نبیؐ نے وقت ہجرت مرتبہ ان کا بڑھایا تھا	اے علیؓ جاؤ مرے بستر پہ جاکر سورہو	اہل مکہ کی امانت سب علیؓ کو سونپ دی
علی شیرِ خدا کو اپنے بستر پر سلایا تھا	اور پھر اوپر سے میری سبز چادر اوڑھ لو	چل دیئے سرکار آدھی رات میں گھر چھوڑ کر
امانت کی جو چیزیں تھیں وہ سب حضرت علی کو دیں	چین سے سونا نہیں پہنچے گا تم کو کچھ ضرر	مطمئن سینے پہ رکھی صبر کی سل اور بڑھے
امانت مالکوں کو سونپ کر سمجھا سکیں وہ دیں	کرکے واپس ہر امانت باندھنا رختِ سفر	ہمدم و ہمراز بوبکر اپنے گھر میں مل گئے

ان تینوں منظومات میں شعرائے کرام نے واقعے کی صحت کا خیال رکھا ہے۔بیان کو طول دینے کی بجائے اجمال سے کام لیا ہے۔ان میں واقعے کی وضاحت کے سیدھے سپاٹ لہجے اور بیانیہ انداز کو شعریت پر فوقیت دی ہے تا کہ قارئین کے لیے واقعے کی تفہیم آسان ہو جائے لیکن یہ سیدھا اور سپاٹ پن ان منظومات میں ہر جگہ موجود نہیں بلکہ جگہ جگہ آپ ان میں معنی اور خیال آفرینی کی جھلکیاں بھی دیکھ سکیں گے،مثلاً وجدیؔ کے یہ چند اشعار دیکھئے ان میں شعریت کس طرح غالب نظر آتی ہے۔سیرت

رسولؐ کا بڑا اہم واقعہ آپؐ پر وحیِ اول کا نزول ہے۔قرآنِ حکیم کہتا ہے:اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ الخ۔اس سورت کی پانچوں آیات میں اللہ فرماتا ہے:''اے محمدؐ،اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے عالم کو پیدا کیا۔جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔(سورۃ العلق، آیت ایک تا پانچ) قرآن کی آیات کا شعریت سے بھرپور ترجمہ وجدیؔ یوں کرتے ہیں ؎

ہوا آغاز درسِ وحی کا تخلیقِ انساں سے....خدا کی معرفت ہوتی ہے خود انساں کے عرفاں سے
بشر کے علم و دانش سے تھا اب تک ماورا انساں.... خدا کی وحی نے کھولا اک انساں پر درِ عرفاں
کیا انسان کو پیدا خدا نے منجمد خوں سے....فروزاں کردیا شمعِ خرد کو تازہ مضموں سے
خرد کا نور بخشا خون کی بے عقل پھٹکی کو....اڑایا چرخ پر اس کو بجا کر اپنی چٹکی کو
دیا ہے جان مٹی کو حیاتِ تازہ کا فرماں....خدا نے روح پھونکی اپنی اور وہ بن گیا انساں
خدا کی وحی نے تعلیم کو بنیاد ٹھہرایا....دو عالم کی ترقی کا اسے ہی زینہ بتلایا

قرآن کی آیات میں تین باتیں بنیادی ہیں،خدائے تعالیٰ کا دنیا بنانا،انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کرنا اور اس علم کی آگہی دینا جو انسان نہیں جانتا تھا۔ان تینوں باتوں کی وضاحت شاعر نے ان آیات کے منظوم ترجمے میں کردی،اس طرح کہ زبان کے چٹخارے کے ساتھ شعری رنگ بھی نمایاں ہے۔

وجدیؔ کی یہ منظوم سیرت ابوسفیان کے فرار کے واقعے تک ہے گویا غزوۂ بدر کے ابتدائی حالات اس میں قلم بند ہوئے ہیں۔بدر کے بعد سے لیکر آپؐ کے وصال تک کے واقعات دوسرے حصے میں شامل ہونے تھے لیکن دوسرا حصہ تا ہنوز شائع نہ ہوسکا یا مجھے دستیاب نہیں ہوا البتہ دوسرے حصے کے چند واقعات وجدیؔ نے اپنے نعتیہ مجموعے میں شامل کر لیے ہین لیکن وہ مختلف بحور میں ہیں اور سیرت النبیؐ کی بحر سے لگّا نہیں کھاتے۔'صبح تجلّی' میں معرکۂ بدر،صلح حدیبیہ،فتح مکہ،حجۃ الوداع،سانحۂ وصال اور طلوع خلافت کو منظوم کیا گیا ہے جو شاید سیرۃ النبیؐ کی دوسری جلد کا حصہ رہے ہوں گے۔ان تمام شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ منظوم سیرت نگاری میں وجدیؔ کے مقام کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ افسوس کہ عقیدت سے لبریز آپ کے اس ادبی کام کی تشہیر سے اتنا اغماض برتا گیا کہ بھوپال کے مقامی شعرا بھی وجدیؔ کے اس ادبی کام سے بے خبر رہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کی شیخ الحدیث والی شخصیت آپ کے شاعر پر غالب آگئی ہو اور عوام الناس نے آپ کے مقامِ شیخ الحدیث سے مرعوب ہوکر آپ کی شاعری پر توجہ نہ دی ہو؟

***

ڈاکٹر اویس احمد
لیکچرار، شعبہ اردو، کشمیر یونی ورسٹی

محسنؔ کاکوروی کی نعتیہ قصیدہ گوئی کا تنقیدی مطالعہ

(قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' کی تشبیب کے تناظر سے)

نعت اردو کی جملہ اصناف سخن میں انتہائی مشکل لیکن نازک صنف ہے؛ جس کے لیے زبان و بیان پر قدرت حاصل کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ شاعرانہ صلاحیت اور فنی محاسن کے ساتھ ساتھ قلب و ذہن کی پاکیزگی، عشق رسولؐ کی وارفتگی اور خلوص وللّٰہیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ نعت کی شناخت چوں کہ موضوع کے اعتبار سے ہے؛ ہیئت کے لحاظ سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت اردو ادب کی جملہ قدیم و جدید اصناف کی ہیئت قبول کر چکی ہے۔ نعتیہ مثنوی، نعتیہ مرثیہ، نعتیہ قصیدہ، نعتیہ شہر آشوب کے ساتھ ساتھ نعتیہ رباعی، نعتیہ قطعہ، نعتیہ نظم، نعتیہ سانیٹ، نعتیہ ہائیکو، نعتیہ ترائیلے، نعتیہ واکا کے علاوہ نعتیہ ماہیا، نعتیہ گیت، نعتیہ لوری، نعتیہ تروین، نعتیہ ثلاثی، نعتیہ کہہ مکرنیاں اور نعتیہ کجری بھی لکھے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں محمود الٰہی لکھتے ہیں:

> ''اردو شاعری میں نعتیہ مضامین ابتدا ہی سے قلم بند کیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے کسی صنف سخن کی قید نہیں۔ رندانہ غزلوں کے مقطے میں نعتیہ مضامین بہ کثرت ملتے ہیں۔ خلوص و عقیدت سے قطع نظر، نعت گوئی کو ایک طرح سے تقلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اردو کے تمام شعرا کے دواوین خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، اس کے شاہد ہیں۔'' [۱]

فی الوقت ہمارا موضوع نعتیہ قصیدہ ہے۔ جہاں تک نعتیہ قصیدہ گوئی کی بات ہے تو اس ضمن میں دکنی قصیدہ نگاروں سے لے کر شمالی ہند کے قصیدہ نگاروں تک ایسے قصائد ملتے ہیں جن میں حضورؐ کی شان اقدس کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مثلاً قلی قطب شاہ، غواصیؔ، سوداؔ، مومنؔ، اسیرؔ، امیرؔ مینائی، منیرؔ شکوہ آبادی، حالیؔ وغیرہ کے یہاں ایسے قصائد بھی ملتے ہیں جو نعت و منقبت پر مشتمل ہیں۔ لیکن منیرؔ اور امیرؔ کے عہد سے ایک ایسے شاعر تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے اپنی پوری شاعری نعت گوئی کے لیے وقف کر دی۔ اُن کا

نام محسن کاکوروی ہے۔

محسن کاکوروی کا زمانہ کشمکش حیات کا زمانہ متصور کیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے اُس وقت اردو شاعری کو اعلیٰ وارفع خیالات وجذبات سے سرفراز کیا جب ایک طرف مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہونے کو تھا تو دوسری طرف انگریز سلطنت کا شمس طلوع ہو رہا تھا۔ اپنے ہم عصروں میں محسن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُنھوں نے اپنی شاعری کی ابتدا ہی نعت سے کی۔ نقادانِ ادب بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُردو شاعری میں نعت گوئی کا حقیقی دور محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری سے ہی شروع ہوا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ اُنھوں نے اپنی شاعری کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا اور وہ اسے کسی نعمت سے کم تر نہیں مانتے ہیں کہ اگر اُن کا پورا کلام نعت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے تو یہ کسی شعوری عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ازل سے ہی جب نعمتیں تقسیم ہو رہی تھیں تو نعت گوئی کی نعمت محسن کے حصے میں آئی۔

سخن کو رتبہ ملا ہے میری زبان کے لیے
زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لیے
ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ
کلام نعتیہ رکھا میری زباں کے لیے

نعت گوئی کے حوالے سے یہ بات عام ہے کہ یہ جتنا مشکل فن ہے اُتنا ہی نازک بھی ہے۔ یہاں ہر ایک کی پرواز ناممکن ہے۔ لیکن محسن کاکوروی نے نہ صرف اس مشکل اور نازک فن میں اپنے جوہر کمال دکھائے ہیں بلکہ قابل رشک اونچی پرواز بھی کی ہے۔ اُن کے نعتیہ قصائد میں مضمون کے انتخاب میں جدت، موزوں لفظیات، مناسب تشبیہات واستعارات، لب ولہجے کی پاکیزگی، اندازِ بیان کی نفاست و لطافت، اسلام اور ہندی تصورات کے امتزاج کے ساتھ ساتھ نکتہ آفرینی، خلوص ومحبت کے اظہار میں حفظ مراتب کا خیال، منصب نبوت کا تقدس وخیال، معبد اور معبود کے رشتے کا فرق اور تہذیب ومتانت کا پاس اُن کے کلام کی خوبیاں ہیں۔ جلال الدین جعفری اپنی کتاب ''تاریخ قصائد اردو'' میں محسن کے کلام کی ستائش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔:

''اُن کی نعت گوئی میں تشبیہ واستعارات، مبالغہ واغراق، تلازمات ومراعات النظیر سب کچھ موجود ہے اور حد کمال موجود ہے۔ پڑھنے والا اُن کی معنی آفرینی اور سخن گستری کو دیکھ کر بے ساختہ داد دینے لگتا ہے۔ ہر شعر مذاق شاعری میں ڈوبا ہوا ہے۔'' ۲؎

دوسری طرف جعفری صاحب اُن کی قصیدہ نگاری کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں۔:

''اُن (محسن) کی زبان متانت قصائد کے لئے موزوں نہیں ہے۔'' ۳؎

جعفری صاحب محسن کے مجموعی نعتیہ کلام کی خوبیوں کے معترف ہیں اور ایک الگ رائے قائم کرتے ہیں اور جب محسن کی قصیدہ نگاری کی بات آجاتی ہے تو یہاں وہ صنف قصیدہ کی فنی خصوصیات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے محسن کے زبان و بیان کو متانت قصائد کے لیے ناموزوں قرار دیتے ہیں۔ محسن کی زبان کے حوالے سے جعفری صاحب نے جو رائے قائم کر لی ہے وہ دراصل قصیدے کو تمام اصناف سخن میں ''مغز سخن'' ہونے کی بنیاد پر قائم ہے۔ جعفری صاحب اپنی کتاب ''تاریخ قصائد اردو'' میں قصیدہ کی وجہ تسمیہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ''اس (قصیدے) میں ایسے مضامین عالی و کثیر مندرج کیے جاتے ہیں جو طبعی مذاق کے لیے لذت بخش ہوتے ہیں۔'' ۴؎۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدے میں تخیل کی بلند پروازی اور الفاظ و تراکیب کی شان و شکوہ جز و لاینفک ہے۔ اسی طرح دیوان باقر آگاہ کے دیباچہ میں قصیدے کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں ''مضامینِ جلیل و متین'' ہوتے ہیں جو ''ذائقۂ طبع سلیم کو لذت دیتے ہیں۔''

اب جہاں تک محسن کی قصیدہ نگاری کی بات ہے تو اس سلسلے میں جلال الدین جعفری ہوں یا ''گل رعنا'' کے عبدالحئی تاباں ہوں دونوں اس بات کے معترف ہیں کہ اُن کے یہاں الفاظ کا شان و شکوہ، بلند پروازی، استعارات و تشبیہات، بلاغت کلام، سخن آفرینی وغیرہ موجود ہے۔ لیکن دوسری طرف جعفری صاحب کی نظر میں محسن ایک عاشق صادق تو ہیں لیکن اُس جذب صادق کا اظہار اُنھوں نے نہایت پر تکلف اور پر تصنع انداز میں کیا ہے۔ یعنی اُن کے اسلوب بیان میں تصنع اور تکلف ہے۔ وہیں ابو محمد سحر کے الفاظ کچھ یوں ہیں ''اصناف شاعری میں قصیدہ ہی ایک ایسی صنف ہے جس میں دقت پسندی کو کمال کا معیار قرار دیا گیا ہے۔'' ۵؎ یعنی مضمون اور انداز بیان جلیل و متین ہو جن کو سمجھنے میں دقت پیش آئے لیکن جب سمجھ آجائیں تو طبع سلیم کے ذائقے کو لذت پہنچائے۔ جب ہم محسن کی نعتیہ قصیدہ نگاری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں دو باتوں کو ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ قصیدہ جیسی صنف میں وہ اُس ذات اقدسؐ کی شان بیان کر رہے ہیں جو الفاظ کی گرفت سے باہر ہے اور جس کے جمال و جلال کی صحیح تعریف و توصیف صرف اللہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ یعنی حقیقت محمدیؐ کو احاطۂ تحریر میں لانا اور پھر اس کا دعویٰ ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ خود محسن کو بھی اس بات کا احساس تھا؛ کہتے ہیں:

تشبیہ اچھی تری بالکل نہ پائی ہم نے
جس کی تشبیہ نہ ہو اس کی صفت کیا ممکن

لیکن پھر بھی محمد حسن کے بہ قول ''بے دھڑک خیال آرائی اور مضمون آفرینی کر کے محسن نے تصنع کو

خلوص میں بدل دیا۔'' ۶؎۔اب اس تصنع کو خلوص میں تبدیل کرنے کے لیے قصیدہ گو کے پاس تشبیہات واستعارات کی فراوانی ہونی چاہیے اور صنائع کا التزام ہونا چاہیے۔ جہاں تک محسنؔ کے یہاں تشبیہات واستعارات کے استعمال کا سوال ہے تو اُن کے ''یہاں وہ محض ایک طریق کار نہیں رہا بلکہ ایک اندازِ فکر اور اندازِ احساس بن گیا ہے۔'' ۷؎۔اس کی تائید محمود الٰہی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔:

> ''محسن اگر تشبیہ واستعارے کا بھرپور سہارا نہ لیتے تو وہ شاعری نہ کرسکتے۔ وہ تشبیہوں سے اپنی بات کو آسان بنا دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر وہ بڑے گنجلک اور پیچیدہ موضوع کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ مگر ایک تشبیہ سے ساری پیچیدگی دور کردیتے ہیں۔'' ۸؎

دوسری یہ بات جو ہمیں محسنؔ کے نعتیہ قصیدے کے مطالعے کے دوران ذہن میں رہنی چاہیے کہ اُن کی شاعری لکھنوی رنگ اور مزاج سے عاری نہیں ہوسکتی ہے۔ لکھنوی شاعری میں تصنع، خیال آرائی، لفظی بازی گری، شوخی، نشاطیہ کیفیات، رعایت لفظی وغیرہ سے محسنؔ کس حد تک اپنا دامن بچاتے۔ رہی سہی کسر مثنوی ''گلزارِ نسیم'' نے پوری کردی جس سے وہ اس قدر متاثر تھے کہ اُن کی دو مثنویاں ''چراغ کعبہ'' اور ''صبح تجلی'' کی بحر بھی وہی ہے جو گلزارِ نسیم کی ہے؛ جو محمد حسن کے الفاظ میں ''اردو تنقید میں تصنع اور مہمل خیال آرائی کا شاہکار سمجھی جاتی تھی۔'' ۹؎

محسنؔ کاکوروی 1827ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام مولوی حسن بخش تھا؛ جو بڑے دین دار اور دوست خدا تھے۔ وہ خود بھی عشق رسول ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنے بیٹے محسنؔ کو بھی یہی تعلیم دی تھی۔ محسنؔ نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کرکے وکالت کا امتحان پاس کیا اور آگرہ میں وکالت کرنے لگے۔ تصنیف وتالیف کا شوق بچپن سے تھا؛ اس لیے اسلامی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے تھے۔ عشق رسول ﷺ بچپن سے مزاج میں دخل تھا۔ لہذا جب شاعری کی طرف متوجہ ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف کو ہی مشق سخن بنایا۔

محسنؔ کا قد میانہ اور رنگ گندمی تھا۔ چہرہ گول تھا جس پر چیچک کے کچھ داغ تھے جو بہت غور سے دیکھنے پر محسوس ہوتے تھے۔ خشخشی داڑھی رکھتے تھے لیکن اخیر عمر میں داڑھی بڑھا لی تھی۔ اُن کی خاصیت یہ تھی کہ وہ ہر معاملے میں متانت اور سنجیدگی سے کام لیتے تھے۔ ہر شخص سے خوش دلی سے ملتے تھے۔ آواز میں اس قدر نزاکت ونرمی تھی کہ ہر شخص اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ چوں کہ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے اور اپنے مزاج اور وضع داری کی گرویدگی سے اتنی عزت پائی کہ بغیر پوچھے منصف مقرر کیے گئے تھے لیکن اُنھوں نے انکار کردیا۔

محسن نے شاعری کی ابتدا نو سال کی عمر سے کی۔ رات کو اپنے جد امجد کے پہلو میں سوئے تھے کہ خواب میں زیارت جمال مبارک حضور ﷺ سے مشرف ہوئے۔ بس یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی شاعری نعت کے لیے وقف کر دی اور اپنی ساری زندگی حضورؐ کی تعریف و توصیف میں گزار دی۔ محسن اُردو کے اوّلین شاعر ہیں جن کی شاعری کا موضوع نعت اور صرف نعت ہے۔ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔ پروفیسر نورالحسن نقوی اس کی تائید کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔:

> ''محسن کاکوروی نے اپنی شعری صلاحیت کو صرف نعت کے فروغ کے لیے وقف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن میں وہ خواب میں سرورِ کائناتؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ اس کے بعد عشقِ رسولؐ سے ایسے سرشار ہوئے کہ نعت گوئی کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔'' ۱۰؎

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ نہ غزل

4 اپریل 1905ء کو اسہال کبدی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ دوشنبہ ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ مطابق 24 اپریل 1905ء کو اُن کا انتقال ہوا۔ اُن کا مزار بمقام مین پوری متصل مزار مولوی حسین بخش مرحوم کے ساتھ ہے۔ محسن کاکوروی نے جتنی نعتیں لکھیں؛ اُنھیں اُن کے بیٹے محمد نورالحسن نے ایک کلیات کی شکل میں جمع کر کے 1915ء میں النّاظر پریس لکھنؤ سے چھپوایا۔ اس کلیات میں جو نعتیہ کلام شامل ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

نعتیہ قصائد:

''گلدستۂ کلام رحمت'': محسن کاکوروی نے یہ نعتیہ قصیدہ سولہ سال کی عمر میں لکھا تھا۔ یہ 51 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے:

پھر بہار آئی کہ، ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے چمن

''سراپائے رسول اکرم'': یہ مسدس کی شکل میں 74 بندوں پر مشتمل ہے اس میں رسول خدا کا سراپا دل کش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

''ابیات نعت'': یہ نعتیہ قصیدہ 101 اشعار پر مشتمل ہے اس کا مطلع ہے:

مٹانا لوح دل سے، نقش ناموس اب وجد کا
دبستانِ محبت میں، سبق تھا مجھ کو ابجد کا

''صبحِ تجلی'':186اشعار کی اس مثنوی میں محسن نے نبی اکرم کی ولادت کا حال قلم بند کیا ہے۔
''قصیدہ مدیح خیر المرسلین'': یہ مشہور نعتیہ قصیدہ143اشعار پر مشتمل ہےاوراس مطلع سے شروع ہوتا ہے۔

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

''چراغ کعبہ'': یہ مثنوی468اشعار پر مشتمل ہے اس میں شبِ معراج کے حالات تفصیل سے قلم بند کیے گئے ہیں۔''شفاعت ونجات'': یہ مثنوی495اشعار پر مشتمل ہے اس میں قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے۔حشر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذکر اس مثنوی میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔

رباعیات:

محسن کی کل 28 رباعیاں ہیں جن میں مختلف انداز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔اس کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی کچھ نعتیہ کلام ملتا ہے۔محسن کے نعتیہ کلام کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں نعت گوئی کی غیر معمولی قابلیت موجود تھی۔نعت گوئی محض الفاظ کی سحر طرازی، تراکیب کی ندرت، خوش گفتاری، علمیت اور قدرت کلام سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ اپنے ممدوح کی محبت میں سرشاری، وابستگی اور غیر متزلزل عقیدت ومؤدت سے پیدا ہوتی ہے۔محسن کاکوروی کو حضورؐ کی ذات مقدس سے جو محبت تھی؛ اُس نے اُن کی نعتوں میں سحر انگیزی پیدا کردی۔

جب بھی نعتیہ شاعری کی بات آتی ہے تو حسان بن ثابتؓ کا نام ضرور لیا جاتا ہے۔اگر حسان بن ثابتؓ عربی میں نعتیہ قصیدہ گوئی کے امام ہیں تو محسن کاکوروی اردو نعتیہ قصیدہ نگاری کے امام ہیں۔حالاں کہ محسن کو'حسان الہند' کا لقب بھی دیا گیا ہے۔دونوں کی شاعری کا میدان خاص نعتیہ شاعری ہی ہے۔دونوں نے حضورؐ کی شان اقدس کی خوب مدح سرائی کی ہے۔جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ خواب میں دیدار نبیؐ نعت گوئی کی طرف اُن کے میلان کی اصل وجہ تھی۔حالاں کہ اُنھوں نے بعض دنیاوی شخصیات کی شان میں بھی مدحیہ قصیدے کہے اُن قصائد میں وہ صرف رسم دنیا نبھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی طبیعت کا میلان اُس طرف تھا ہی نہیں؛ اُن کے قلب و ذہن میں تو حضورؐ کی ذات اقدس رچی بسی تھی۔

محسن نے حضورؐ کی شان میں جو قصیدے کہے وہ گہرے جذبات اور عقیدت و محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔نبیؐ خدا کی شان میں اُن کے کہے گئے قصائد کیفیات دروں کی خوب عکاسی کرتے ہیں

۔اُنھوں نے نہ صرف حضورؐ کے تئیں اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے بلکہ اُن کی نبوت کی شان بیان کرتے ہوئے رحمت وشفاعت کی اُمید کا دامن بھی پکڑے رکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کریں:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصّل کا یہی ہے مجمل
نامِ احمدؐ بہ زباں سرّ بلا میم بہ صدر
لب پہ صل علیٰ دل میں مرے عزّ و جل

....

دین ودنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ، تری قوت، ترا بل
آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تادمِ مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اَجل

....

برنگ زر چڑھے سونا مرا میزانِ محشر پر
اٹھوں میں قبر سے مخمور تیری چشمِ اسود کا
فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوانِ محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمدؐ کا
ترے دربار میں ہر وقت رہنے کی اجازت ہو
مجھے سرکار سے خلعت ملے عیشِ مخلد کا

آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ جب محسن حضورؐ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہیں تو وہ کس بلندی پر نظر آتے ہیں۔ وہ کس طرح اپنے گہرے جذبات واحساسات کا بیان کرتے ہیں۔ وہ کس انداز سے حضورؐ کی شان بیان کرتے ہوئے دیدار نبیؐ کی اُمید کرتے ہیں۔ محسن نے یہ تمنا کی تھی کہ اُن کا کلام کبھی نعت سے خالی نہ رہے؛ اُن کی یہ تمنا پوری ہوئی اور وہ اردو کے سب سے بڑے نعت گو شاعر بن گئے۔ محسن کی نعتیہ شاعری کی انفرادی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے مخمور رضوی اکبرآبادی اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں۔:

''اس کی شہرت وعظمت کا دارومدار نعت پر ہے۔ اس نے روایتی خیالات اور انداز بیان سے

قطع نظر کر کے نعت کے میدان میں ایک نئی راہ نکالی اور اپنے تخیل کی ندرت اور اس پر بیان کی لطافت سے نعت کو جو اب تک ایک مذہبی موضوع تھا ایک پر وقار و اہم صنف سخن بنا دیا۔ اس کی نعت اس کی اچھوتی انفرادیت کا کارنامہ اور اردو ادب کا مستقل سرمایہ ہے۔'' ۱۱؎

تخیل کی ندرت اور بیان کی لطافت نیز الفاظ و تراکیب کے طمطراق نے محسن کی شاعری میں ایسی قوتیں بھر دی ہیں کہ محمود الٰہی کے الفاظ میں اُن کی مثنویاں بھی قصیدے کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہیں یعنی اُن میں بھی تشبیب و گریز ہے۔

محسن کا پہلا قصیدہ ''گلدستہ کلام رحمت'' ہے۔اس کی تشبیب بہاریہ ہے۔اس میں حضورؐ کے خط و خال کی تعریف بیان کی گئی ہے۔اسی طرح قصیدہ ''ابیات نعت'' میں بھی خط و خال کی تعریف اور فضائل رسول ﷺ بیان کی گئی ہے۔حالاں کہ اس قصیدے کی تشبیب بھی لکھنؤ کے پُر تصنع انداز میں وشقیہ مضامین پر مشتمل ہے۔اس قصیدے میں ایک الگ مطلع کے تحت "روضہ انور" کی مدح بھی کی گئی ہے۔اس قصیدے میں ''جا بجا اُن کی صنعت پرستی، معنی آفرینی اور نکتہ پردازی کسی قدر خشک اور بے مزہ ہو کر رہ گئی ہے۔'' ۱۲؎

عداوت ہوگئی تاثیرِ خلقِ عام سے الفت
سبب ہے شعلہ سیلِ آبِ شمشیر مہند کا
جبینِ عرشِ ایزد پر ہے خاکِ آستاں صندل
ہر اک ذرہ ستارہ ہے کُلاہِ فرقِ فرقد کا

اس قصیدے میں اُنھوں نے اپنی شاعری کی تعریف بھی انوکھے انداز میں کی ہے۔:

مقابل مجھ سے کیا ہو مردِ میدانِ سخن محسن
کہ جو ہر ہے مری تیغِ زباں میں وصفِ احمد کا
زمین ِ شعر پر نازل ہے قرآن ِ سخن مجھ سے
کتاب ِ آسماں اک نسخہ ہے لوح ِ زبر جد کا

اسی طرح ''نظم دل افروز''اور''انیس آخرت'' بھی ابیاتِ نعت کے رنگ کے قصائد ہیں۔ان کی تشبیب میں بھی عشقیہ مضامین لکھ کر ظہور رسالت مآب کا ذکر کیا گیا ہے اور فضائل و محاسن نبوی ﷺ بیان کیے ہیں:

ہے منزل اک مہِ کنعاں کی قلبِ زار و مضطر میں
یہ مہمانِ عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں
جگہ دے مجھ کو میرے دلربا کے غنچۂ دل میں

بہاراب کی برس رکھے مجھے زندانِ دیگر میں (نظم دل افروز)

نہیں آساں اُٹھانا عشق کی چوٹیں دل وجاں پر
کلیجا ہاتھ بھر کا لائے جو ہو مردِ میداں کا
(انیس آخرت)

یہاں پر جملہ معترضہ کے طورعرض کرتا چلوں کہ محمد حسن عسکری صاحب کے نزدیک محسنؔ کے لب و لہجے پر مجلس آرائی غالب ہے۔یعنی وہ حضورؐ کے دربار میں خلوت میں نہیں بلکہ بھرے دربار میں اپنی محبت وعقیدت اورسخن گوئی کی داد وصول کرنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ محسن نے دیدار رسولؐ کے جمال وجلال کو محسوس ہی نہیں کیا ہے۔پھر اُنھوں نے محسن کے دو قصیدوں (سراپائے رسول اکرمؐ اور مدیح خیر المرسلین) کے دعائیہ کے جز سے اشعار پیش کیے ہیں۔میں یہاں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ایک یہ کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ محسنؔ نے اپنے آپ کو نعت کے لیے وقف کر دیا تھا؛ یہاں تک کہ اُنھوں نے یہ تمنا کی تھی کہ اُن کا کلام نعت سے خالی نہ رہے۔تو پھر محسنؔ حضورؐ کے دربار میں اپنے کلام کی داد وصولنے کا حق بھی رکھتے ہیں۔کیوں کہ اُنھوں نے رسمی نعت نہیں کہی ہے بلکہ اُنھوں نے پہلے عشق رسولؐ کو اپنے اندر جذب کر لیا اور پھر اُس جذب صادق کا اظہار نہایت ہی محبت اور عقیدت سے کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اپنے کلام کی تعریف کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔قصیدہ نگاروں نے تشبیب میں جہاں مختلف النوع مضامین باندھے ہیں وہیں اپنی شاعری کی بھی خوب تعریفیں کی ہیں۔اب رہا سوال مجلس آرائی کے غالب ہونے کا تو اس ضمن میں عرض کر دوں کہ اُنھوں نے اپنے قصائد کے دعائیہ جز میں ایسے بھی اشعار کہے ہیں جن کا مقصد سخن گوئی کی داد وصولنا نہیں بلکہ شفاعت ورحمت ہے۔چند اشعار ملاحظہ کریں:

نہ رہے چشمۂ کوثر کی تمنا مجھ کو .... اس طرح کر لے تو اپنا مجھے مفتون دہن
یاد میں جلوۂ رخسار کے ہو حشر مرا........ صبح محشر کو یہ سمجھوں کہ وہ ہے صبح وطن

....

لو مبارک ہو قدم بوسی حضرت محسن........ کو ہوتی ہے نصیب ایسی سعادت محسن
اب نہیں باقی ہے کچھ خواہش ہمت محسن........ آرزو اتنی ہے بس روز قیامت محسن
پہنچے مرا باد پا ارم تک....... پہنچا دے مجھے ترے قدم تک
رہ جائیں نہ مرے دل کے ارمان...... مشکل سے مشکلیں ہوں آسان
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دم مرگ...... شکل تری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

دم مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا تری...... فکر فردا تو نہ کر دیکھ لیا جائے گا کل
رخ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا...... میرے ہم راہ چلے راہ عدم میں مشعل

نعتیہ قصیدہ نگاری میں محسنؔ کا یہی کمال ہے کہ وہ عقیدت ومحبت کا اظہار بڑے ہی انوکھے ڈھنگ سے کرتے ہیں۔شاید اسی لیے محسنؔ اور حسان کی نعتیہ قصیدہ گوئی میں ایک طرح کا خط امتیاز کھینچا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نعت کہتے کہتے قوت متخیلہ کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔اور وہ نعتیہ اشعار کہتے کہتے ایسے مضامین باندھتے ہیں جن پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' محسنؔ کا وہ مشہور قصیدہ ہے جس کی تشبیب پر کئی طرح کے اعتراضات کیے گئے ہیں۔اس قصیدے میں بھی اُنھوں نے اپنی قوت متخیلہ کا استعمال کرکے دو تہذیبوں کو پیش کیا ہے۔ایک طرف کفر وشرک کو دکھایا ہے اور دوسری طرف اسلام کے غلبے کی عکاسی کی ہے۔محسنؔ نے اس قصیدے کی تشبیب جس انداز سے کہی ہے وہ ایک انوکھا اور نرالا انداز ہے۔یہاں اُنھوں نے اپنی تمام تر زور بیانی صرف کردی ہے۔حالاں کہ اُنھوں نے تغزل کا رنگ پیدا کرتے کرتے شوخی کا اظہار اس قدر کیا کہ اس میں 'مناسبات کفر' کے عناصر جمع ہوگئے۔اس طرح اس قصیدے کی تشبیب اجتماع ضدین کی شکار ہوگئی۔محمد حسن عسکری اس تناظر سے رقم طراز ہیں :

''اس قصیدے میں سب سے گہرا اجتماعِ ضدین کفر اور اسلام کا ہے۔امیر مینائی اور خود محسنؔ نے تشبیب کا جواز پیش کرتے ہوئے یہ شرعی حیلہ تو ضرور نکالا ہے کہ قصیدے میں نورِ ظلمت کفر پر غالب آتے دکھایا گیا ہے۔یہ بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں۔'' ۱۳؎

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل...... برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی...... ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل...... جاکے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل
دیکھیے ہوگا شری کرشن کا کیوں کر درشن...... سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل

اس شوخی کو محمد حسن عسکری نے محسنؔ کا کمال وامتیاز متصور کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''موضوع کے تقدس اور بیان کی شوخی کے اجتماعِ ضدین ہی سے نعت میں ان کا امتیازی رنگ پیدا ہوا ہے''۔ ۱۴؎

محمود الٰہی صاحب کو محسنؔ کے اس قصیدے کی تشبیب میں سحر انگیزی کا احساس ملتا ہے اور وہ اسے فن کاری کا اعلیٰ نمونہ قرار دیتے ہیں۔اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس تشبیب کے مقامی رنگ، ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور ہندی الفاظ کی آمیزش کی ستائش کرتے ہوئے اسے اردو قصیدے کی تاریخ میں سب

سے زیادہ دلکش تشبیب قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔:

اس قصیدے کی تشبیب میں سچ مچ اُنھوں نے جادو بھر دیا ہے۔ ہر لفظ میں رس، ہر ترکیب میں گھلاوٹ، ہر مصرع میں فطری حسن اور ہر شعر میں سحر انگیزی ہے۔۔۔ وہ اپنے تجربے اور مشاہدے کو شعر میں کچھ اس طور پر تحلیل کر دیتے تھے کہ یہ فن کاری کا اعلیٰ نمونہ بن جاتا تھا۔۔۔ محسن نے اسے اس کے گرد و پیش کے ساتھ اپنی تشبیب میں تحلیل کر دیا ہے اور ایک تہذیب کو چند شعر میں محفوظ کیا ہے۔ اردو قصیدے کی تاریخ میں اتنی دل کش اور دل آویز تشبیب نہیں ملتی ہے۔۔۔ کاشی، متھرا، گوکل، جمنا اشنان، تیرتھ، گنگا جل، مہابن، بڑھوا منگل، برہمن، بیراگی کے ساتھ یثرب، بطحا، طوبیٰ، کوثر، جبرئیل، شب اسریٰ، صل علیٰ، شب معراج، عرش معلیٰ کا ذکر اور شعریت میں ڈوبا ہوا ذکر آسان کام نہیں۔ ۱۵؎

لیکن محسن کو جس نعتیہ قصیدہ نے شہرت دوام بخشی ہے یا یوں کہیے کہ اُنھیں اردو نعتیہ قصیدہ گوئی میں ''حسان الہند'' کے لقب سے ملقب کر دیا ہے وہ یہی نعتیہ قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' ہے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ اس قصیدے کی تشبیب پر کافی اعتراضات بھی کیے گئے ہیں۔ اعتراضات کی وجہ اس کی انوکھی تشبیب ہے۔ انوکھی اس اعتبار سے نہیں کہ اس میں محسن نے روایت سے منحرف ہو کر کچھ ایسے عناصر شامل کیے ہیں جن کا قصیدے کی تشبیب سے کوئی تعلق نہیں ہے یا پھر کوئی ایسا موضوع پیش کیا ہے جو تشبیب کا موضوع نہیں ہو سکتا ہے۔ مذکورہ قصیدے کی تشبیب میں محسن نے برسات اور برسات کے موسم کی بہاریہ کیفیات کو موضوع بنا کر ہندوستانی رنگ، ہندوؤں کے مقدس مقامات کا بیان، ہندو اسلامی عناصر، ہندو مذہب سے متعلق تلمیحات و رسم و رواج وغیرہ کا بیان کیا ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب سے چند اشعار ملاحظہ کریں:

سمتِ کاشی سے چلا جانب متھرا بادل۔۔۔۔۔۔ برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل۔۔۔۔۔۔ جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی۔۔۔۔۔۔ کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پہ بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی۔۔۔۔۔۔ ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ۔۔۔۔۔۔ کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل
دیکھیے ہوگا کیوں کر سی کرشن کا درشن۔۔۔۔۔۔ سینۂ تنگ میں ہے دل گوپیوں کا بے کل

اس مناسبت سے اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ نعت رسول ﷺ میں مناسباتِ کفر کا استعمال غیر مشروع ہے۔ حالاں کہ بہاریہ تشبیب میں دیگر بہاریہ کیفیتوں کا بھی بیان ہو سکتا تھا لیکن محسن نے اس

میں ہندوؤں کے مقدس مقامات کے ساتھ ساتھ ہندو مذہب کے طور طریقوں کا بھی بیان کیا ہے۔اب اسے ابومحمد سحر کے بہ قول ’’تنگ نظریہ‘‘ کہیں یا محمد حسن کے الفاظ میں ’’کٹھ ملاؤں کا اعتراض‘‘ کہیں۔لیکن اس بنیاد پر محسن کے جذبۂ عشق کو حدفِ تنقید بنانا بھی ناانصافی ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ خود محسن کاکوروی کو قصیدے کی اس انوکھی تشبیب پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دینا پڑا۔

گو قصیدے سے جدا ابرِ بہارِ تشبیب...... فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضمون کہیں عشق کہیں حسن...... کہیں نغمہ ہے کہیں مے کہیں پھول اور کہیں پھل
تاہم اک لفظ ہے خاص اس میں جو سمجھے دانا...... کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلمان معہ تمہید و گریز......رجعت کفر بایمان کا کرے مسئلہ حل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن...... مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
غلبہ و سطوتِ ظلمت کے بیان میں مضمر......شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا...... مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل
مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے......ظلمت کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لیے......سیف مسلول خدا نور نبی مرسل

اس منظوم جواب میں محسن نے کئی اہم باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔اول تو یہ کہ قصیدے کی تشبیب جس میں موسم برسات کی بہاریہ کیفیتوں کا بیان ہوا ہے گو کہ قصیدے سے بالکل جدا ہے لیکن اس میں ہندوستانی رنگ بھر کر ایک نئی تازگی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔تشبیب کے مضمون کا مدح کے جز سے جدا ہونا کوئی محیر العقول بات نہیں ہے۔ضروری نہیں ہے کہ مدح کی مناسبت سے تشبیب کا موضوع اختیار کیا جائے۔عربی قصیدے سے لے کر اردو قصیدے تک جب ہم نظر دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تشبیب کے لیے کوئی خاص موضوع اختیار کرنا لازم نہیں ہے۔حالاں کہ لسان العرب میں تشبیب کے لغوی معنی ’’ایام شباب کا ذکر کرنا، بوالہوسی کی باتیں کرنا اور عورتوں سے باتیں کرنے‘‘ کے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ تشبیب میں ہر قسم کے مضامین نظم کیے جاسکتے ہیں موسم بہار، واردات حسن و عشق، دنیا کی بے ثباتی، زمانے کی شکایت، ذاتی و ملکی حالات، اخلاق، تصوف، حکمت، فلسفہ وغیرہ کے اشعار قلم بند کیے جاسکتے ہیں۔اسی لیے محسن کاکوری نے بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے کہ تشبیب کا موضوع حسن و عشق، نغمہ، پھول، پھل یا مے کچھ بھی ہوسکتا ہے۔پھر بھی اُنھوں نے یہ ذہن نشین کرایا ہے کہ اس قصیدے سے بے زار ہونے یا اسے تنقید کا نشانہ بنانے سے بہتر

ہے کہ ہم اس بات کی طرف توجہ دیں کہ اس میں ایک خاص لفظ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے جو سخن گو کے لیے بھی کسی فخر سے کم نہیں ہے۔ وہ صاف طور پر یہ کہتے ہیں کہ اس تشبیب میں بیان کیے گئے ظلمت یعنی کفر میں نور یعنی اسلام کا بھی تذکرہ شامل ہے؛ جس نور نے پوری ظلمت کو مٹا ڈالا ہے۔ اصل اعتراض اس بات پر کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مناسبات کفر کا تذکرہ کیوں کیا گیا ہے۔؟ بہار یہ تشبیب اور اُس میں بھی برسات کے موسم کے تذکرے پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہندو مذہب کے طور طریقوں کے ذکر پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محسن نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اُن کا مقصد کفر و ظلمت کو دینِ خدا کا حصہ قرار دینا نہیں تھا اور نہ ہی مے و نغمہ کو حسنِ عمل قرار دینا مقصود تھا۔ حالاں کہ امیر مینائی نے بھی اس تشبیب پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دے دیا تھا۔ لیکن اُنھوں نے بھی یہ کہہ کر معاملے کو رفع دفع کر دیا کہ تشبیب میں کوئی بھی موضوع اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو دونوں نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا ہے کہ نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں اس طرح ہندو مذہب کے مقدس مقامات کا تذکرہ نیز ہندو مذہب کی تلمیحات کا بیان کیوں ہوا ہے۔؟ یہ ایک سطحی جواز سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا ہے کہ قصیدے کی تشبیب میں کوئی بھی موضوع اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس بات سے شاید ہی اعتراض کرنے والوں کو بھی انکار ہوسکتا ہے کہ تشبیب میں کوئی بھی موضوع اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ عام قصیدے اور نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں کسی قدر فرق ملحوظ رکھنا نعتیہ قصیدے کا تقاضا ہے۔ وہیں دوسری طرف اگر اس قصیدے کی تشبیب پر کیے گئے اعتراضات پر ارتکاز کریں تو اسی ''تنگ نظریہ'' اور ''کٹھ ملاؤں کا اعتراض'' ہی کہنا پڑے گا۔ امیر مینائی نے اس تشبیب کے جواز میں عربی قصیدہ گو کعب بن زہیر کے قصیدے ''بانت السعاد'' کو پیش کیا۔ جس کے کل ۵۸ اشعار ہیں۔ جس میں ابتدائی ۳۸ اشعار میں سے نصف کعب کی محبوب بیوی ''السعاد'' کی تعریف میں اور نصف اونٹنی کی توصیف میں ہیں۔ پھر کہیں جا کر نعت کے دس گیارہ شعر آتے ہیں۔ آخری چند اشعار میں صحابہ کی منقبت ہے۔ اس کے باوجود بھی اسے نعتیہ قصیدہ ہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا نام تک نہیں بدلا گیا۔ اس قصیدے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　　متیم اثرھا لم یفد مکبول

جس کا مفہوم یہ ہے کہ میری محبوبہ ''سعاد'' مجھ سے جدا ہوگئی۔ بہ وقت جدائی میرا دل تباہ ہوگیا اور دوستوں سے منقطع ہوگیا۔ وہ ایسا قیدی بن گیا ہے کہ فدیہ دے کر بھی رہا نہیں ہوسکتا۔

اس قسم کے اشعار کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصیدے کے نہ صرف تمام اشعار سماعت فرمائے

بلکہ خوش ہوکر کعب بن زہیر کو اپنی چادر مبارک بھی عطا کی۔ اسی لیے قصیدہ بانت سعاد کو قصیدہ بردہ شریف بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ جواز بھی کسی حد تک کمزور نظر آتا ہے؛ کیوں کہ یہاں بہ ذات خود کعب بن زہیر کے قصیدے پر یہ سوال اُٹھایا جاچکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں اس طرح کی تشبیب پیش کرنا جس میں محبوبہ کے حسن و جمال کی تعریف کی گئی ہو اور پوری طرح سے جاہلی رنگ میں رنگی ہوئی ہے؛ کیسے مناسب ہے۔؟ اصل میں ہوا یوں تھا کہ کعب بن زہیر نے اپنے بھائی بجیر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا کیوں کہ ہر طرف اسلام کا بول بالا تھا اور لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ بجیر واپس نہیں لوٹا کیوں کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہوگیا تھا۔ اس بات کا جب کعب بن زہیر کو پتہ چلا تو وہ آگ بگولہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کی ہجو کرنے لگے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو اُنھوں نے کعب بن زہیر کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ جب کعب بن زہیر کو لگا کہ اب اُس کی جان پر بن آئی ہے تو اُس نے معذرت کرنے میں ہی اپنی عاقبت سمجھی اور ایک رات چپ کے مدینے پہنچے اور اپنا مشہور قصیدہ ''بانت السعاد'' پڑھا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہترین اشعار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعب کی معذرت سے خوش ہوئے اور اُس کے قصیدے کو پسند فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ شعر:

ان الرسول لسیف لیستاء بہ　　مھند من سیوف اللہ مسلول

''آپ اللہ کی وہ تلوار ہیں جو اپنی روشنی اور نور میں ہندوستان کی آب دار اور چمکیلی تلوار کی طرح ہے۔''

اب سوال یہ ہے کہ کعب کے قصیدے کی تشبیب کی وجہ کیا تھی کہ وہ محبوبہ کے حسن و جمال اور جاہلی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کعب کا قصیدہ دور جاہلی اور دور اسلام دونوں زمانوں کا احاطہ کرتا ہے۔ تشبیب کے اشعار کعب نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کہے تھے۔ یعنی قصیدے کا تشبیب والا حصہ دور جاہلی میں شروع ہوا اور دور اسلامی میں مکمل ہوا۔ اس جواز کے ساتھ ہمیں یہ بات صرف نظر نہیں کرنی چاہیے کہ عربی قصائد کی تشبیب میں اکثر عشقیہ اشعار ہی بیان کیے جاتے تھے۔ لہٰذا کعب بن زہیر نے کوئی روایت سے ہٹ کر کام نہیں کیا کہ اُس نے تشبیب میں عشقیہ اشعار قلم بند کیے۔

اگر ہم صنف کے تناظر سے اس قصیدے کو دیکھیں گے تو تشبیب میں موضوع کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی ہے؛ اس میں کسی بھی نوع کا موضوع اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کیا نعتیہ قصیدہ کی تشبیب اور عام قصیدے کی تشبیب کے موضوع میں کوئی تخصیص نہیں ہوسکتی ہے۔؟ کیوں کہ نعتیہ قصیدے میں ہمیں مناسبات کا بھی خیال رکھنا لازم ہے۔ اب چوں کہ اس نعتیہ قصیدے سے اس کی تشبیب کو بھی الگ

نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ تشبیب قصیدے کی جان اور روح ہوتی ہے۔حالاں کہ یہ قصیدے کا ایک جز ہے لیکن اس کی حیثیت کل کی ہے۔کیوں کہ یہی وہ جز ہے جس سے سامع اور ممدوح کی توجہ کو شاعر اپنی طرف ملتفت کرسکتا ہے۔بعض نقادان ادب کی نظر میں تشبیب کے مضامین کا ممدوح کی حیثیت سے مطابقت رکھنا ضروری ہے۔تشبیب اور مدح کے مضامین میں کوئی معنوی تضاد بھی نہیں ہونا چاہیے۔مثال کے طور پر امرا و رؤسا کی مدح میں کہے گئے قصائد کی تشبیب میں عاشقانہ یا رندانہ مضامین اختیار کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن وہیں بزرگان دین اور اولیا کی شان میں جو قصائد کہے جاتے ہیں اُن کی تشبیب میں اس طرح کے مضامین حفظ مراتب نہیں ہیں۔جب ہم اردو قصیدہ نگاری پر نظر دوڑاتے ہیں تو سوداؔ، مومنؔ، عزیزی لکھنوی، صفی لکھنوی، اور محشر لکھنوی جیسے شعرا نے بزرگان دین کی شان میں کہے گئے قصائد کی تشبیب میں عاشقانہ یا رندانہ مضامین اختیار کیے ہیں لیکن اُن کے لیے نقادان ادب نے عرفان الٰہی، سرمستی اور بے خودی کا جواز پیش کردیا ہے۔کیوں کہ نعت ایک ایسی شعری صنف ہے جس میں آداب شریعت اور آداب عشق دونوں کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔مشہور فارسی شاعر عرفی اس ضمن میں کہتے ہیں:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بروم تیغ است قلم را

یعنی اسے عرفی! اتنی تیزی نہ دکھا! یہ نعت کا رستہ ہے؛ کوئی صحرا نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر تابش کا شعر ہے:

یہ ارض نعت ہے تابش سنبھل سنبھل کے چلو
وفور شوق میں کوئی نہ بھول ہو جائے

فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کرنا نہ صرف کٹھن ہے بلکہ نازک مرحلہ بھی ہے۔اگر اس نزاکت کا خیال نہ رہ جائے تو عبدیت الوہیت میں کب تبدیل ہوجائے؛ پتہ بھی نہیں چلے گا۔اس لیے مضمون کا انتخاب، موزوں لفظیات، لب و لہجے کی پاکیزگی، ادب و احترام کی فضا، عبد و معبود میں رشتے کا تعین، رحمت و شفاعت کی حدود، توسل، استغاثہ اور استمداد کی شرعی حیثیت، غلو آمیز لہجہ، منصب نبوت کا تقدس و خیال اور انداز بیان کی نفاست و لطافت کا بھرپور خیال رکھنا لازم ہے۔اسی لیے امام احمد رضا خاں بریلوی نعت شریف لکھنے کو مشکل کام سمجھتے ہیں۔وہ اسے تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیتے ہیں کہ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں

پہنچ جاتا ہے اور اگر کمی کرے تو تنقیص ہو جاتی ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ محسن کاکوروی کے نعتیہ قصیدے کی تشبیب پر ''مناسبات غیر مشروع'' کا لیبل تو لگایا جا سکتا ہے لیکن اُس نعتیہ کلام کے لیے کون سا جواز پیش کیا جائے گا جو شرعی حدود کو پھلانگ لیتا ہے، جس میں عبد و معبود اور رحمت و شفاعت کی تمام حدود کو توڑ دیا گیا ہو۔؟ محسن کے قصیدے کی اس تشبیب پر اعتراض کے ساتھ ساتھ ہمیں اُن کے جذبۂ عشق اور اُس جذبے میں کی گئی تمنا کہ:

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی...... نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ نہ غزل

کو بھی ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ اگر ہم قصیدے کی تشبیب پر مناسبات غیر مشروع کی بنیاد پر اعتراض کرتے ہیں تو ہمیں اس قصیدے کے مدح کے جز کے چند ایک اشعار پر بھی اعتراض ہونا چاہیے۔ جہاں محسنؔ احمدؐ اور احد کے مابین فرق کو اپنی ''چشم احول'' کا قصور بتاتے ہیں۔ شعر ملاحظہ کریں:

ہوسکا ہے کہیں محبوب خدا غیر خدا......اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشم احول

رفع ہونے کا نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف...... میم احمدؐ نے کیا آکے یہ قصہ فیصل

نظر آئے مجھے احمدؐ میں اگر دال دوئی......روز محشر ہوں الٰہی میری آنکھیں احول

اسی طرح دوسری جگہ یوں کہتے ہیں :

؎ بامیم احد احمد بلا میم

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامے کی

بڑھا معلوم ہو لفظ احد میں میم احمد کا

بہرکیف اس قصیدے کے مدح کے جز میں جو نعتیہ اشعار قلم بند ہوئے ہیں، وہ حد درجہ کمال کے ہیں۔ اُنھیں محسن کے فن کی معراج کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مدح کے جز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تئیں اُن کے عشق، عقیدت اور دعائیہ کے جز میں رحمت و شفاعت کی اُمید لا جواب ہے۔ محسن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اقدس، منصب نبوت اور سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ محسن جیسے نعتیہ شاعر کا ہی خاصا ہو سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اقدس میں چند مدحیہ اشعار ملاحظہ کریں:

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر......نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل

اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر......بحر وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول

مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو......شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول

ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ......چار اطراف ہدایت میں نبیؐ مرسل

افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب.......اولیت پہ تری متفق ادیان وملل

بہرصورت محسن نے نعتیہ قصیدہ گوئی کی فضا کو لفظی ومعنوی معراج عطا کی ہے۔اُن کے یہاں ایک طرف لفظوں کی تراش وخراش ہے تو دوسری طرف اُن میں زبردست معنویت بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے نعتیہ قصائد ہمیں عمل کی تحریک دلاتے ہیں۔محسن کی شاعری جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہو چکا ہے کہ وہ ایک زوال آمادہ معاشرے میں پروان چڑھی لیکن یہ عشق رسول گا ہی فیض تھا کہ وہ افراتفری کے ماحول میں بھی ایسا رنگ اختیار کرنے میں کامیاب ہوئے جسے تا قیامت زوال نہیں آسکتا۔محسن اگر چاہتے تو وہ بھی قصیدے کو مالی منفعت کا ذریعہ بنا سکتے تھے لیکن اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اُنھوں نے بہ قول جلال الدین احمد جعفری اسے 'فن شریف' بنادیا۔محسن نے اپنے چند ہی نعتیہ قصائد میں کمال فن سے تمام تر جواہر آشکار کئے۔خوبصورت تلمیحات، برمحل تشبیہات کا استعمال، مقامی رنگ کی بھرپور عکاسی اُن کے نعتیہ قصائد کا منفرد رنگ ہے۔ایک نعتیہ قصیدہ گو کے حوالے سے محسن کا کوروی کا نام اردو نعتیہ شاعری میں زندہ جاوید رہے گا۔

حواشی:

۱۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ، محمود الہٰی، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی،۲۰۱۱ء،ص ۴۱۵
۲۔ بہ حوالہ اردو قصیدہ نگاری، اُم ہانی اشرف، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ،۲۰۰۸ء،ص ۲۲۲
۳۔ ایضاً،ص ۲۲۱ ۴۔ تاریخ قصائد اردو، جلال الدین جعفری،ص ۱۱
۵۔ اردو میں قصیدہ نگاری، ڈاکٹر ابو محمد سحر، مکتبہ ادب، مالویہ نگر، بھوپال،۲۰۱۲ء،ص ۳۲
۶۔ اردو قصیدہ نگاری، اُم ہانی اشرف،ص ۲۳۳
۷۔ ایضاً، ۲۴۴ ۸۔ محمود الہٰی،ص ۴۱۸
۹۔ اردو قصیدہ نگاری، اُم ہانی اشرف،ص ۲۳۷
۱۰۔ تاریخ ادب اردو، نورالحسن نقوی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ،۱۹۹۷ء،ص ۱۴۷
۱۱۔ صحیفہ تاریخ ادب اردو،ص ۲۸۱، بہ حوالہ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ، محموالہی،ص ۴۱۶
۱۲۔ اردو میں قصیدہ نگاریِ ابو محمد سحر،ص ۲۳۷
۱۳۔ اردو قصیدہ نگاری، اُم ہانی اشرف،ص ۲۵۰
۱۴۔ اردو قصیدہ نگاری، اُم ہانی اشرف،ص ۲۳۴
۱۵۔ اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ، محمود الہٰی،ص ۴۱۸۔۴۱۷

***

مدیر : 'جہان حمد و نعت'
خان کمپلیکس، مدینہ چوک، گاؤ کدل، سرینگر (کشمیر)

علامہ احمد رضا خان فاضلؔ بریلوی کا نعتیہ کلام

علامہ احمد رضا خان فاضلؔ بریلوی (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) اپنی ذات میں ایک منفرد اور مقبول دبستانِ نعت تھے۔ ان کا شمار برصغیر کے جیّد علمائے دین میں ہوتا ہے۔ غیر معمولی قوتِ حافظہ اور ذہانت کے سبب انہوں نے جوانی کے عالم میں ہی دینی علوم میں مہارت حاصل کر لی۔ اپنے وقت کے ایک جیّد عالم و فاضل کی حیثیت سے انہوں نے اپنے مخصوص نظریات کا ابلاغ کرتے ہوئے ایک خاص مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی، جس کو بریلوی مکتبِ فکر کہا جاتا ہے۔

فاضلؔ بریلوی محسنؔ کاکوروی کے بعد اردو کے دوسرے بڑے نعت گو تصور کئے جاتے ہیں، جنہوں نے نعت کے سوا کسی بھی چیز پر توجہ نہ دی اور اپنی اجتہادی صلاحیتوں سے اردو نعت کے فروغ و ارتقاء میں تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا۔ بقول ریاض مجید:

> ''اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کئے ہوں، تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود نعت میں وقیع شاعری کی بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفاء اور تلامذہ میں نعت گوئی کو ایک تحریکی شکل دی۔ اردو نعت میں بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شاعروں کے ذوقِ نعت کو جلا مولانا ہی کی نعت گوئی سے ملی''۔[۱]

فاضلؔ کا سارا کلام مذہبی موضوعات پر مبنی ہے۔ ''حدائقِ بخشش'' اُن کے نعتیہ کلام کا ضخیم مجموعہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ راقم کے زیرِ نظر ''حدائقِ بخشش'' کا وہ نسخہ ہے جو رضوی کتاب گھر بھیونڈی کے اہتمام سے ۱۹۸۵ء میں طبع ہوا ہے۔ سینکڑوں صفحات پر مشتمل اس نسخہ کے مطالعہ سے ذہن پر جو سب سے پہلا تاثر ابھرتا ہے، وہ فاضل عک لمی تبحر کا ہے۔ فاضلؔ اردو نعت کی تاریخ میں وہ واحد شخصیت نظر آتے ہیں، جنہوں نے اپنے وسیع و عمیق مطالعے کو پوری طرح فنِ نعت میں برتا اور نعتیہ

۱: اُردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر ریاض مجید، ص ۴۰۹

مضامین کے بیان میں قرآن وحدیث کے علاوہ منطق وریاضی، ہیئت ونجوم اور ہندوسہ و مابعد الطبیعات وغیرہ علوم وفنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے استعمال کیا۔ مثلاً قرآن و احادیث سے ماخوذ اصطلاحات کے حامل چند اشعار دیکھئے۔ ایسے بیسیوں اشعار اُن کے نعتیہ کلام میں جابجا بکھرے پڑے ہیں:

ے ایسا امّی کس لیے منّت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقراء ربک الاکرم نہیں
(قرآن،سورہ علق)

ے لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
(قرآن،سورہ القدر)

ے ان پر کتاب اتری بیاناً لکلّ شیئٍ
تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے
(قرآن،حدیث)

ے معنیٔ قدرائی مقصد ما طغٰی
نرگسِ باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
(قرآن،حدیث)

اسی طرح قرآن وحدیث کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کے حوالے اور اصطلاحیں بھی فاضلؔ کے کلام میں عام ہیں مثلاً ے

سعدین کا قرآن ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمت کئے ہیں تارے تجلّی قمر کی ہے
(علم نجوم)

ے مراغ این و منیٰ کہاں تھا نشان کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے
(مابعد الطبیعات)

ے محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکّر میں دائرے تھے

(ہندسہ)

ے ذرّے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا
(علم منطق)

ے وہ گراں سنگئ قدر مس وہ ارزانی جود
نوعیہ بدلا کئے سنگ ولا کی ہاتھ میں
(فلسفۂ نظری)

فاضلؔ بریلوی فن نعت کی نزاکتوں اور باریکیوں سے بخوبی واقف تھے اور انہیں ان مشکلات کا بھی گہرا ادراک تھا، جن سے نعت کہتے وقت ایک نعت نگار کو سابقہ پیش آتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ خود لکھتے ہیں:

''حقیقتاً نعتِ شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔[1]

فاضلؔ مرحوم نہ صرف دینی علوم کے جامع تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کے سخن فہم اور شاعر بھی تھے۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں زور بیان کی خصوصیت قابلِ دید ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شاعری میں ادق اصطلاحات اور علمی حوالوں کا کثرت سے استعمال اظہار و ابلاغ میں رکاوٹ پیدا کر کے فن پارے کے فطری بھاؤ کو کم کر دیتا ہے، مگر فاضلؔ کی نعت گوئی میں اظہار کی دقت کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ اس کے برعکس نعت گوئی سے اُن کی وابستگی اور منبع نعتؐ سے ان کی وارفتگی و شیفتگی کی شدّت شروع سے آخر تک یکساں اور موثر انداز میں جاری و ساری نظر آتی ہے۔ یہ چند اشعار دیکھئے :

ے اے شافع تر دامناں دے چارۂ دردِ نہاں
جان دل و روح رواں یعنی شہ عرش آستاں
اے مرہمِ زخم جگر یاقوت لب، والا گہر
غیرت دہِ شمس و قمر رشک گل و جان جہاں[2]

ے ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود

1: الملفوظ، احمد رضا خان بریلوی، ص ۶۳
2: حدائق بخشش، حصہ دوم، ص ۴۷

ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام[1]

؎ مدینے کے خطّے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے[2]

؎ ملک کونین میں انبیاء تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبیؐ
جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبیؐ[3]

فاضلؔ کے کلام میں اس نوعیت کے سینکڑوں اشعار نظر آتے ہیں۔ چونکہ وہ نعت رسماً نہیں دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر کہتے ہیں، اس لیے اس کی اکثر نعتیں طویل ہیں۔ ایک ایک نعت عام طور پر پندرہ پندرہ بیس بیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود زورِ بیان کی کمی کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں ''حدائق بخشش'' حصہ اول میں شامل قصیدہ معراجیہ قابل ذکر ہے، جس کا مطلع یہ ہے ؎

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے رائے طرب کے سامان عرب کے مہمان کے لیے تھے[4]

یہ قصیدہ ''معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا در تہنیت شادی اسراء'' کے عنوان سے صفحہ ۱۵۲ سے لے کر صفحہ ۱۶۱ تک پھیلا ہوا ہے۔ ۶۷/اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ طویل اور مترنم بحر میں ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک زورِ بیان اور تسلسل نمایاں ہے۔ معراج کی مناسبت سے قصیدے کی پوری فضا رنگ و نور میں ڈوبی ہوئی ہے۔ الفاظ کے انتخاب اور تشبیہ و استعارہ میں فاضلؔ نے خوشی کے عنصر کو ملحوظ رکھا ہے۔ بحر کا ترنم اور نشاطیہ آہنگ اس پر مستزاد ہے۔ چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمین میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں

۱: حدائق بخشش (حصہ دوم) ص ۵۲
۲: حدائق بخشش (حصہ اوّل) ص ۱۰۴
۳: ایضاً، ص ۹۱
۴: ایضاً، ص ۱۵۲

اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئنے تھے
خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے
غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل حوروں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے
خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی حناں کا دولہا بنارہے تھے
اتار کر اُن کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبین کی خیرات مانگتے تھے
براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن مہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہارہے تھے
سنا یہ اتنے میں عرش حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاج شرف ترے تھے
یہ سن کے بے خود پکار اٹھا نثار جاؤں کہاں میں آقا
پھر اُن کے تلوؤں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے
اِدھر سے تھیں نذر شہ نمازیں اُدھر سے انعام خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پر نور میں پڑے تھے[۱]

یہ قصیدہ فاضلؔ کی شاعرانہ استعداد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس میں اشارہ وکنار یہ سے معراج جیسے نازک موضوع کی اس خوبصورتی اور فنی مہارت سے ترجمانی کی گئی ہے کہ مثال ملنی مشکل ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

''زمان و مکان اور ابتداء وانتہا نیز اطراف وحدود کے تعیانت سے ورا معراج رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیات ومشاہدہ کا اظہار مولانا فاضلؔ نے جس ایماوکنایہ سے کیا ہے وہ ان

۱: ایضاً ص ۱۵۲ تا ۱۶۰

کی معجز بیانی کا شاہکار ہے''۔[۱]

''قصیدہ سلامیہ'' فاضل کا ایک اور قصیدہ ہے، جسے اردو زبان کا مقبول ترین قصیدہ کہا جاتا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے خیال میں:

''ہندو پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسولؐ ایسا ہوگا، جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں''۔[۲]

۱۶۷/اشعار پر مشتمل اس قصیدے میں فاضل کی تخلیقی صلاحیت اور وارفتگیٔ عقیدت کے تمام جوہر کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ بقول پروفیسر رحیم بخش شاہینؔ:

''اگر مولانا صرف یہی قصیدہ کہتے اور نعت کا کوئی دوسرا شعر نہ کہتے تو پھر بھی نعت گوئی میں ان کو ایک مقام حاصل ہوتا، کیونکہ اس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کی جامع الصفات ہستی کے مختلف پہلوؤں کی بھرپور تعریف کی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی شخصی سیرت کا بھی تذکرہ ہے، آپ ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت کا بھی اور آپ ﷺ کے حسن صورت کا بیان بھی ہے''۔[۳]

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام   شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

کے مشہور شعر سے شعرو ہونے والے اس سلام میں فاضلؔ نے سراپائے سرور عالمؐ کو تحسین وستائش اور درود وسلام کے ساتھ ایک منفرد اور مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی نبی برحق ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اور فضائل کریمہ کو بھی دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے اور بنی نوع انسان پر نبی برحق کے احسانات اور فیوض وبرکات کو بھی سلام کا حصہ بنایا گیا ہے۔ آخر میں صحابہ کرام کی منقبت بھی شامل قصیدہ ہے۔ چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں

مہر چرخ نبوت پہ روشن درود   گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود   نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگین   اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام
فتح بابِ نبوّت پہ بے حد درود   ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بیکس کی دولت پہ لاکھوں درود   مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام

۱: اردو میں نعت گوئی از ریاض مجید، ص ۴۱۰
۲: ماہنامہ ''ہدیٰ'' نئی دہلی ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۸۴
۳: ایضاً ص ۸۵

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود　　حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود　　ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا　　اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا　　اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے　　اس چمک والی رنگ پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان و جناں　　اس دہن کی تراوت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود　　اس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیّبہ کا چاند　　اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
سیدھی سیدھی روش پہ کروڑوں درود　　ساری ساری طبیعت پہ لاکھوں سلام
کاش محشر میں جب ان کی آمد ہوا اور　　بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدوت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام[1]

فاضلؔ بریلوی کے اس سلام کو ان کے نعتیہ کلام ہی میں نہیں بلکہ اردو کی پوری نعتیہ شاعری میں بہت مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی۔ نعت خوانی کی محفلوں اور میلاد کی مجلسوں میں یہ قصیدہ آج بھی پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات اس سلام کا (خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد) اجتماعی شکل میں ورد کرتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کا ایک خاص آہنگ مقرر ہے، جو کیف وتاثیر کا حامل ہے۔ بہت سے نعت گوشعراء نے اس قصیدے کی تقلید میں نعتیہ سلام لکھے ہیں، جب کہ بعض شعراء نے اس کے قافیہ کو تبدیل کر کے سلام کہے ہیں اور بعض نے اس کی تضمین میں خمسے لکھے ہیں۔

فاضلؔ کا تیسرا مشہور قصیدہ درود یہ ہے، جو ان کے متذکرہ بالا مشہور قصیدہ سلامیہ کی بحر میں ہے۔ اس کا مطلع ہے ؎

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود[2]

[1]: حدائق بخشش (حصہ دوم) ص ۴۹ تا ۷۳
[2]: ایضاً، ص ۲۳

اس قصیدہ کی مجموعی فضا قافیہ اور ردیف میں تصرف کے باوجود قصیدہ سلامیہ ہی کی سی ہے۔اس کے اشعار کی تعداد ۵۹ ہے اور اس میں فاضلؔ نے اور خوبیوں کے علاوہ ہر مصرع کا آخری حرف حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لانے کا التزام کیا ہے۔ یہ صنعت شاید ہی کسی اور شاعر نے برتی ہو۔ فاضلؔ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے صنعت گری میں اس حد تک تخلیق کا رنگ جمایا ہے کہ آورد یا تصنّع کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ درود کے ساتھ ساتھ قصیدہ میں نبی برحق ﷺ کے بہت سے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

جان و دل اصفیا تم پہ کروڑوں درود
آب و گل انبیاء تم پہ کروڑوں درود
ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفےٰؐ تم پہ کروڑوں درود
تم سے کھلا باب جود، تم سے ہے سب کا وجود
تم سے ہے سب کی بقا، تم پہ کروڑوں درود
بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز
ایک تمہارے سوا تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجئے اس میں ضیا دیجئے
جلوہ قریب آگیا تم پہ کروڑوں درود[۱]

فاضلؔ کے لہجے میں جو سوز و گداز، جوشِ محبت اور دردِ عشق موجزن ہے، اس نے ان کے نعتیہ کلام کو تاثیر کے مالا مال کر دیا ہے۔ بقول حافظ مظہر الدین:

''ان کے نغموں سے عشق و مستی کا جہاں آباد ہے۔ دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ عشق کو فروغ نصیب ہو رہا ہے اور محبت زمزمہ خواں بن کر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے''۔[۲]

فاضلؔ کا ایک اور قصیدہ ''قصیدہ نوریہ'' ہے جو ۵۸ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے کی امتیازی خصوصیت محاوروں کا بے دریغ استعمال ہے۔ فاضلؔ نے باڑا بٹنا، توڑا ہونا، توڑا لینا، کلمہ پڑھنا، صدقہ لینا، سونا چڑھنا، سہرا ماتھے پر رہنا، سخت جاگنا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، سہرا بجنا، کلیجا ٹھنڈا

۱: ایضاً ص ۲۳ تا ۳۲
۲: ماہنامہ ''ہدیٰ'' نئی دہلی، ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۸۴

ہونا، مچلکا لکھ دینا، لو لگانا، ذرا سا منہ نکل آنا، چھینٹا دینا،، آنکھیں مانگنا، ماتھے ٹیکا ہونا، آئینہ اندھا کرنا، دل کے کنول کھلنا، گرمی کا جھلکا لانا، قدموں پھرنا، نور کا سکہ پڑنا اور دو ورقہ لکھنا وغیرہ محاورے استعمال کر کے پورے قصیدے کی فضا بڑی متاثر کن بنائی ہے۔ قصیدہ میں رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ایک انوکھے انداز میں مضامین نعت بیان کئے گئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو ؎

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مستِ بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارا نور کا
میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالا نور کا
نور دن دونا ترا، دے ڈال صدقہ نور کا
آب زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحف اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا
نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا
بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا
ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے نام کی استعارہ نور کا
عکس سُم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند

پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکّہ نور کا
اے رضاؔ یہ احمدؐ نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا[1]

یہی تسلسل اور زورِ بیان اوّل سے آخر تک قصیدہ میں نمایاں ہے۔ ایک طرف جہاں فاضلؔ نے فضا کو ''نورانی'' بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے، وہاں دوسری طرف سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف واقعات کی طرف بلیغ اشارے اس والہانہ شیفتگی اور فنّی چابکدستی کے ساتھ کئے گئے ہیں، جو اپنی مثال آپ ہیں۔ شب معراج کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہفت افلاک کی سیر کو جانا اور بُراق کا قدموں کے نقوش چھوڑ جانا، اس مضمون کو کم وبیش ہر نعت گو شاعر نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق بیان کیا ہے۔ لیکن فاضلؔ بریلوی نے اس مضمون کو بھی

؎ عکس سُم نے چاند سورج کو لگائے چار چاند
پڑ گیا سیم و زر گردوں پہ سکّہ نور کا

جیسے بے مثال شعر میں ایک نئی آب وتاب اور جدّت وندرت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہی مثال دوسرے موضوعات ومضامین کی بھی ہے۔

شعر کی ایک بڑی خوبی یہ قرار دی گئی ہے کہ سادہ ہو مگر فن کا بے عیب نمونہ ہو۔ گویا سادگی میں پُرکاری کا جلوہ ہو۔ ماہر فن سادہ اور عام فہم الفاظ کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ ہر لفظ اپنی جگہ پر نگینہ کی طرح جڑا دکھائی دیتا ہے۔ پھر یہ کہ شعر پڑھنے والے کو کوئی دقت محسوس نہ ہو اور اس کے لیے سمجھنا قدرے آسان ہو۔ ایسا کلام معجزۂ فن بن جاتا ہے۔ فاضلؔ بریلوی ایک بلند پایہ عالم اور فاضل تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں علمی وفنّی اصطلاحات کا پایا جانا قدرتی امر ہے۔ لیکن ادق اور ناقابل فہم اصطلاحات وتراکیب استعمال کرنا ان کا عام انداز بیان نہیں ہے، بلکہ عام طور پر ان کے یہاں بالکل سادہ، عام فہم، مترنم اور دلکش اشعار ملتے ہیں۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بناء پر ان کا نعتیہ کلام خواص وعوام کی محفلوں میں پڑھا، سنا اور سمجھا جاتا ہے۔ ''حدائق بخشش'' کی یہ پہلی ہی نعت ان کی اس خصوصیت کی آئینہ دار ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

1: حدائق بخشش (حصہ دوم) ص ۵ تا ۱۳

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا
فرش والے تری شوکت کا عُلو کیا جانیں[
خسروا عرش پر اُڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیبؐ
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
بحر سائل کا ہوں سائل نہ کویں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجا مرا چھینٹا تیرا[1]

یہ اشعار پڑھ کر بہ آسانی اندازہ ہوجاتا ہے کہ فاضلؔ کے کلام میں بلا کی آمد پائی جاتی ہے۔ مطلع پر مطلع چلا آ رہا ہے، جو قدرتِ بیان کا واضح ثبوت ہے۔ کلام کی روانی اور صفائی اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ فاضلؔ نے جو کچھ بھی کہا ہے، عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر کہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں ایک ایسی فضا ملتی ہے، جہاں عاشقِ صادق اپنے محبوب سے راز و نیاز میں مصروف دکھائی دیتا ہے۔ ایسے مواقع پر بناوٹ اور تصنع کی بجائے خلوص اور سچائی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے ؎

گنہگاروں کو ہاتف سے نوید خوش مآلی ہے
مبارک ہو شفاعت کے لیے احمد ساوالی ہے
ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
اسے بوکر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
میں اک محتاج بے وقعت گدا تیرے سنگ در کا
تری سرکار والا ہے ترا دربار عالی ہے

فاضلؔ بریلوی کی نعت گوئی واردات قلب کے بیان اور اظہار شیفتگی کے باوجود فنّی حسن وشکوہ سے عبارت ہے۔ ناقدین نعت نے زیادہ تر نبی برحق ﷺ سے ان کی محبت وعقیدت اور وارفتگی وشیفتگی کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی نعتوں کے فنّی محاسن، شعری پختگی اور قادر الکلامی کو تقریباً نظر انداز کر دیا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید وہ پہلے ناقد ہیں، جنہوں نے فاضلؔ کی نعتیہ شاعری کے فنّی اور تخلیقی پہلو پر مفصل بحث کی ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

۱: حدائق بخشش (حصہ اول) ص ۳، ۴

''حدائق بخشش'' کا جوہر اگرچہ مولانا کی داخلی کیفیات اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والہانہ پن ہی ہے لیکن اگر فنی محاسن وصفات کے نقطۂ نظر سے مولانا کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے تبحر علمی، شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد، صنعت گری اور زورِ بیان کے متعدد نمونے ملتے ہیں، جن کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔ ان کی اکثر نعتیں طویل اور زور بیان کا نمونہ ہیں۔

۲۔ ان کی کئی نعتیں سنگلاخ زمینوں میں ہیں، جن سے ان کی مشکل پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ مطلع دیکھئے ؎

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

❖

؎ رونق بزم جہاں ہیں عاشقانہ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

۳۔ ان کے ہاں صنائع بدائع کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً صنعت عزالشفتین (یعنی کلام میں ایسے حروف لانا جن کے پڑھنے کے وقت ہونٹ آپس میں نہ ملیں) صنعت تجنیس، صنعت اقتباس، صنعت تنسیق الصفات (ممدوح کے متعدد صفات ایک یا دونوں مصرعوں میں پیش کرنا) اور صنعت تضاد کے علاوہ متعدد صنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔ علم بیان اور بدائع وصنائع کی خوبیاں ان کے کلام میں جابجا دیکھنے میں آتی ہیں، جن میں تشبیہہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، تلمیح، مجاز مرسل، لف ونشر، حسن تعلیل، مراعاۃ النظیر کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ شمسؔ بریلوی نے مولانا کی نعت گوئی کے خارجی محاسن کا ذکر کرتے ہوئے ان صنائع وبدائع کا بطور خاص ذکر کیا ہے اور ''حدائق بخشش'' کے اشعار نعت سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔

۴۔ مولانا کے ہاں عربی فارسی کے الفاظ اور مصرعے تو عام ہیں مگر ان کی قادر الکلامی کا اندازہ اس کثیر اللسان نعت سے ہوتا ہے، جس میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو زبانوں کے جملے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا مطلع درج ذیل ہے ؎

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

مختلف زبانوں کے باوجود یہ نعت عوام میں بہت معروف و پسندیدہ ہے اور مجالس نعت و میلاد میں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہے۔

۵۔مولانا کے کلام میں محاورے بکثرت ملتے ہیں۔ان کے قصیدہ نوریہ کا مطلع ہے ؎

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس ایک قصیدے میں بیسیوں محاورے استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔مولانا کے ہاں شکوہِ الفاظ وتراکیب اور صوتی ہم آہنگی کے نمونے ملتے ہیں۔یہ شعر دیکھئے ؎

فرشتے خدم، رسول حشم، تمام امم، غلام کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے
بصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل
حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تمہارے لیے

ایک بات جو مولانا کی نعت گوئی کے فنی محاسن کے ضمن میں کہنا ضروری ہے، وہ ان کا تخلیقی استعمال ہے۔ مولانا کی نعت جن خارجی خوبیوں سے مزین ہے، وہ کہیں بھی مولانا کے اظہار جذبات یا ترسیل فکر میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ان کی صنعت گری اور پیکر آرائی نعت کے مضامین کو اور مؤثر انداز میں پیش کرتی ہے‘‘۔[۱]

مولانا کی خصوصیات نعت اور فنی محاسن میں جو جوہر روح کی طرح جاری وساری ہے، وہ جذبۂ عشق رسولؐ ہے۔ان کے مسلک سے اختلاف رکھنے والے بھی نبی برحق ﷺ سے ان کی محبت وشیفتگی کے معترف ہیں۔ان کے نعتیہ کلام کی جان اور اصل ان کا یہی سرمایۂ عشق رسولؐ ہے۔ان کے لیے نعت گوئی شوق قافیہ پیمائی نہیں بلکہ روحانی واردات ہے۔ان کی نعتوں میں ان کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔پروفیسر عبدالسمیع ضیاءؔ چشتی نے فاضلؔ کی نعتیہ شاعری کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے :

’’حدائق بخشش‘ کے معروضی طرز اظہار اور حضرت رضاؔ بریلوی کے انداز شیفتگی کا انحصار شدت جذبۂ دل پر ہے۔یہ انداز سخن نہ صرف فطری ہے بلکہ ابدی صداقتوں اور شعری کیفیتوں کا پیغامبر بھی۔اس کا تاثر انفرادی اور مقامی نہیں بلکہ شدید اور ہمہ گیر نوعیت کا ہوتا ہے۔چونکہ اس کے محرکات وعوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات اور باطنی رجحانات پر مشتمل وہ

۱:اردو میں نعت گوئی،ص ۴۱۶

جذبۂ صادق اور خلوص کامل ہے جو ایک شعلہ بداماں دل کے اندر موجود صرف مصروفِ کار رہتا ہے۔ اس لیے وہ جذبۂ صادق و خلوص کامل قاری کے گوشۂ جاں میں اپنی پوری صداقتوں کے ساتھ اتر جاتا ہے''۔ ا

عشق و محبت اور جذب و مستی کے عناصر یوں تو ہر بڑے نعت گو کے کلام میں نظر آتے ہیں، مگر فاضلؔ کے کلام میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وارفتگی و شیفتگی سب سے نمایاں ہے۔ ان کی نعتیں ان کے جذبۂ حب رسولؐ، دردِ عشق اور سوزِ محبت کی مظہر ہیں لیکن یہ درد و سوز ایک مثبت جذبہ ہے، جس کا نتیجہ مایوسی نہیں بلکہ رجائیت ہے۔ ایک طرف فاضلؔ کو اپنے گناہوں کا احساس ہے، دوسری طرف اللہ کی شان غفاری اور نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کا یقین ہے اور تیسری طرف اپنے پُرخلوص جذباتِ محبت و عقیدت کی تاثیر پر ناز ہے۔ ان صفات نے مل کر فاضلؔ کے کلام میں ایک عجیب دلکشی پیدا کر دی ہے ؎

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا

فاضلؔ اس رجائی میلان یا امید پسندی کی جو توجیہہ کرتے ہیں، وہ انہی کا حصہ ہے اور حسنِ تعلیل کا عمدہ نمونہ ؎

حضور ان کے خلاف ادب تھی بے تابی
مری امید تجھے آرمیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلقات (روضۂ مبارک، جسم اطہر، اعضائے جسم اطہر، مدینہ منورہ، دیار رسولؐ کی گلیوں وغیرہ) کا ذکر آتے ہی فاضلؔ کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ سوزِ دروں، دردِ عشق اور جذب واثر میں ڈوبی ہوئی نعتیں ان کے کلام میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ ان نعتوں پر شروع سے آخر تک محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ چند ایسی نعتوں کے مطلعے درج ذیل ہیں:

؎ واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
؎ سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبیؐ

ا: حدائق بخشش مرتبہ شمس بریلوی، ص ۶۹

سب سے بالا و والا ہمارا نبیؐ

ے ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

ے حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

ے صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

دیار رسولؐ مدینہ طیبہ سے محبت دراصل عشق رسولؐ ہی کی ایک علامت ہے۔ فاضلؔ کو دیارِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو وابستگی و عشق ہے، وہ ان کی نعتوں سے عیاں ہے۔ خاک پائے حضورؐ، خارِ طیّبہ، سگانِ کوچۂ حبیبؐ، غرض کہ مدینہ طیبہ کا ذرّہ ذرّہ ان کے لیے قبلۂ مراد ہے۔ یہ شعر دیکھئے:

ے اے خار طیبہ دیکھ کے دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

ے ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
اے پاؤں رکھنے والے یہ جا چشمہ و سر کی ہے

ے خوف ہے سمع خراشئ سگِ طیّبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالۂ فغاں ہم کو

ے دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگان کوچۂ دلدار ہم

ے اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

مدینہ طیبہ کا والہانہ ذکر فاضلؔ کی نعتوں کا ایک مستقل موضوع ہے۔ خاکِ مدینہ کی عظمت و توقیر ان کا جزوِ ایمان ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ مدینہ طیبہ کی فضا اور وہاں کی اشیاء کا ذکر خلوص و احترام اور محبت و خوشی سے کرتے ہیں، بلکہ ان پر دل و جان سے فدا ہو جانے کی تمنا بھی کرتے ہیں۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہی فضا فاضلؔ کی نعتوں اور طویل قصیدوں میں ہر جگہ نظر آتی ہے اور اسی عشق والہانہ سے وپیدا ہونے والے سوز و گداز اور اخلاص و شیفتگی کے عناصر نے ان کی نعتیہ شاعری کو کیف اور تاثیر سے بھر دیا ہے۔ فاضل کا

کمال یہ ہے کہ اس وارفتگی و شیفتگی کے باوجود نعت گوئی میں وہ افراط وتفریط کے کہیں بھی شکار نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے فنِ نعت کی باریکیوں اور نزاکتوں کا خاص خیال رکھا ہے۔

بحیثیت مجموعی فاضلؔ بریلوی نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں سے کام لے کر اردو نعت کی تاریخ میں کچھ ایسے کارنامے انجام دیئے کہ ان کے اثرات کا دائرہ روز بروز پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ بقول ریاضؔ مجید :

> ''نعت کے باب میں اگر مولانا احمد رضا خان فاضلؔ بریلوی کی خدمات کا جائزہ ہی لیا جائے تو یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیار کی نعتیں تخلیق کیں، بلکہ ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک موثر تحریک نعت کا درجہ رکھتا ہے''۔[1] * * *

****

احمد رضا خاں صفت وثنائے حضور میں اس درجہ محو ہوئے کہ تمام زیست نعت کے علاوہ کسی اور طرز سخن کی جانب توجہ نہ کی۔ حضور آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سلطانِ اقالیم دوعالم ہیں۔ افتخارِ آدم و بنی آدم ہیں رحمت پناہِ عاصیاں اور چارۂ بے چارگاں ہیں۔ آپؐ کا دربار وہ دربارِ معلّٰی ہے جہاں سے گداؤں کو شہنشاہی اور بوریانشینوں کو عشق و عقیدت کے نام پر کج کلاہی عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کون چاہے گا کہ ایک بار اس دربارِ معلّٰی سے نسبت حاصل کر کے کسی اور دروازے کی طرف دیکھے یا اپنے دور کے کسی سلطان یا امیر کا قصیدہ کہے۔ شاہ احمد رضا علیہ الرحمۃ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت پر اس قدر ناز تھا کہ اس کا اظہار ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے ؎

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

--- پروفیسر محمد اکرم رضا

****

1: اردو میں نعت گوئی، ص ۴۲۰

ڈاکٹر شبیر احمد قادری

رشید وارثی: ناعتِ شیریں بیاں

رشید وارثی 1947ء میں بریلی میں پیدا ہوئے، ان کا اصل نام عبدالرشید خاں تھا۔(1) وہ ممتاز ناعت حضرت ستار وارثی کے (2) صاحبزادے تھے۔ رشید وارثی نے ایم۔اے اسلامیات، ایم۔اے صحافت کے ساتھ سرٹیفیکیٹ اِن ایڈوانس عریبک میں وقیع تعلیمی اسناد حاصل کیں۔ شعر وسخن میں اپنے والد گرامی ستار وارثی اور برادرِ بزرگ ڈاکٹر سعید وارثی (3) سے اصلاح لیتے رہے۔ "خوشبوئے التفات" (4) ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ انھوں نے اردو نعت کا تنقیدی جائزہ، "شریعتِ اسلامیہ کے تناظر میں" کے زیرِ عنوان کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی۔

رشید وارثی کا نعتیہ مجموعہ "خوشبوئے التفات" کے نام سے 2004ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اس میں حمدیں اور مناقب بھی شامل ہیں۔ اس مجموعے کا انتساب انھوں نے اپنے برادران عزیز القدر محمد رئیس احمد خان وارثی اور محمد نصیر احمد خان وارثی کے نام کیا۔ ان کی خدمات کے اعتراف کے ساتھ کہ وہ ارضِ وطن کی آسائشوں سے دور رہ کر اپنی آبائی کریم النفسی کو بروئے کار لا کر خاندان حضرت ستار وارثیؒ کی شمعِ ناموس کو فروزاں رکھے ہوئے ہیں۔ رشید وارثی کے نزدیک نعت گوئی کے مقاصد یہ ہیں:

"پہلا مقصد: نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشن کی ترویج وفروغ میں خلوصِ دل اور جاں نثاری کے ساتھ آپ کی تائید کی جائے۔ ہر زمانے میں اسلام کے بارے میں عقل پرستوں کی جانب سے جو بے یقینی پھیلائی جاتی رہی ہے اور تیغِ عشق رسول سے اس کی جس طرح سرکوبی کی جاتی رہی ہے، یہ سلسلہ نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے جاری وساری رہنا چاہیے تاکہ مؤثر و دل نشیں اور مدلل کلام کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کے دل میں جذبۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کر کے ان میں اعلیٰ ہمتی اور باہمی ایثار و مروت، محبت واخوت اور شجاعت وجواں مردی کے اوصاف پیدا ہوں اور مسلمان اپنے آقا، صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کو اپنا کر اقوامِ عالم میں ایک بلند مقام حاصل کر سکیں۔

دوسرا مقصد: ذاتِ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا وخوشنودی کا حصول ہے۔ یہی وہ مقصد ہے کہ جس میں اسلامی معاشرے کے ہر فرد کی شخصیت سازی اور فوز وفلاح کا سامان مضمر ہے۔ اس مقصد کے

حصول کے لیے آل سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس کی تعریف وتوصیف کے ساتھ ساتھ آپ کے مبارک قبیلے بنی ہاشم، آپ کے آباؤ اجداد، آپ ﷺ کی آلِ پاکؑ، آپؐ کے خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ اور ہو سکے تو صحابہ مہاجرین وانصارؓ کی مدح وتوصیف کے بیان کو بھی نعتیہ اشعار کی ذیل میں شامل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ متعدد احادیث اور نعت گو صحابہ کرامؓ کے تعمل سے ہمیں اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔"(۵)

پیش لفظ کے ساتھ ساتھ "خوشبوئے التفات" میں نعتیہ حصے کے ابتدا میں بھی رشیدہ وارثی نے "مقاصدِ نعت" کے زیرِ عنوان اظہارِ خیالات کیا ہے۔ اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ رشید وارثی نعت کو محض اظہار، محبت ومودّت کا منظوم وسیلہ ہی خیال نہیں کرتے بلکہ قرآن واحادیث، اسوۂ حسنہ، اور اکابر ناعتین کے افکار واشعار کی روشنی میں وہ اسے پیغام کی ترسیل اور ترویج واشاعت کا مقبول قرینہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گوئی کے ذیل میں وہ مقاصدِ نعت کا بار بار اظہار کرتے اور تعیناتِ نعت پر زور دیتے ہیں۔ "خوشبوئے التفات" میں موجود نعتیہ خزینہ انہی مقاصد کے تحت ظہور کرتا اور قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے:

قرآن سے واجب ہے محبت ان کی
اخلاقِ خدا وند ہے سیرت ان کی
شہکار کی تعریف ہے فن کار کی مدح
اللہ کی تحمید ہے، مدحت ان کی(6)

....

توصیف کر رہا ہوں رسولِ انام کی
تفسیر ہو رہی ہے خدا کے کلام کی(7)

....

سلطانِ زمن، سرورِ کونین کی مدحت
محبوبِ خدا، صاحبِ قوسین کی مدحت
جو سمجھے ہیں آسان ہے مدح شہ والا
کر پائیں گے کیا آپ کے نعلین کی مدحت؟(8)

مدحت سلطانِ زمن ﷺ کے زیرِ عنوان یہ بندان کی ثناء گری کے مقاصد واہداف کی

جانب اشارہ کناں ہیں:

مدحِ شہ لولاک کا اعزاز عطا ہو......اللہ! سرِ عرش مری فکر رسا ہو
توصیفِ رسالت میں وہی حرف ادا ہو......جو دفترِ ایجاب میں پہلے سے لکھا ہو
ہر شعر میں تعظیم رسالت کے گہر ہوں......لحاتِ ثناء شہ کی حضوری میں بسر ہوں
یوں جلوۂ تاثیر تمنا نظر آئے......مواج ترے لطف کا دریا نظر آئے
سیراب ہر اک دیدۂ شیدا نظر آئے......سرکارِ دو عالم کا سراپا نظر آئے
واہب ہے تری ذات وہ معراجِ ہنر دے......جو دامنِ الفاظ کو تاثیر سے بھر دے(9)

یعنی رشید وارثی لحات ثناء اور اوراقِ مدحت کو مدحِ شہ لولاک کے اعزاز سے سرفراز ہوتے دیکھنے کی دلی تمنا رکھتے ہیں۔فکرِ رسا کا عرش مقام ہونا، منتخب الفاظ کا دفتر ایجاب سے مستعار لینا، شعر شعر کا تعظیم رسالتؐ کے گہر ہائے تاب دار سے مزین ہونا، تمناؤں کے برآنے، دیدۂ شیدا کی سیرابی، ہنر کی سربلندی اور دامنِ الفاظ کا تاثیر کے گل ہائے رنگ رنگ سے بھر جانے کی آرزو کو وہ مدحت سرائی کے لیے بنیادی اوصاف خیال کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر نازاں ہیں کہ ان کے قلب ونظر کو جو روشنی میسر ہے وہ چراغِ شاہِ رسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستعار و مُستنیر ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ رشید وارثی صرف ایک شاعر ہی نہیں داعیاتِ محبت کا رمز شناس بھی ہے، علمی رسوخ، تحقیقی میلان اور مقامِ رسالتؐ کی آگہی نے رشید وارثی کے حرف حرف کو پُروقار، پُرتاثیر اور پُربہار بنا دیا ہے۔

اختیارِ کلمات میں حد درجہ احتیاط، انتخاب مشتملات میں بے پناہ عزم اور پیش کش میں ہمہ تن خود سپردگی نے نعت کو واردات بنا دیا ہے۔ نعت اگر عقیدتوں کی مالا ہے تو ہمارے شاعر کو ایسی مالا پرونے کا فن آتا ہے۔(10) ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے میں ان کی ایک نظم میلادِ مصطفیٰؐ کے پانچ حروف کی فضیلت زبان وبیاں اور اختراع وایجاد کے جملہ محاسن کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور رشید وارثی کے نام و کام کی نسبت و روایت کے حوالے سے رشد و ہدایت کی کامل وارث و ترجمان بن گئی ہے۔(11) میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ حروف کی فضیلت مسدس کی ہیئت میں کہی گئی میلادی نعت ہے۔ یہ بند ملاحظہ ہو:

کس ناز آفریں کا جہاں میں وُرود ہے
عرشِ بریں سے بارشِ عطرِ دُرود ہے
دنیا میں عام رحمتِ ربِ وَدود ہے
ہر چیز کائنات کی محوِ سُجود ہے

آمد ہے آج سرورِ خیر الانام کی
خوشبو مہک رہی ہے درود و سلام کی
میلادِ مصطفیٰ کی بشارت کے پانچ حرف
مخلوق پہ خدا کی عنایت کے پانچ حرف
ہلکے پڑے نظر میں قیامت کے پانچ حرف
اُبھرے دلوں میں لفظِ شفاعت کے پانچ حرف
صلِ علیٰ ہے آمدِ سلطانِ دوسرا
لازم ہے بزمِ نعت میں پڑھنا درود کا(12)

یہ مسدس فی الواقع رشید وارثی کی ندرتِ طبع اور ایجادِ مضامین نو کی لگن کی مظہر ہے۔ایک بہاؤ ہے جو قاری کو ساتھ ساتھ لیے آگے بڑھتا اور ایمان افروزی کا ذریعہ بن رہا ہے۔سید رفیق عزیزی اس مسدس کو "ایسا تخلیقی کارنامہ قرار دیتے ہیں جسے توفیق الٰہی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا"(13) صلاح الدین ناصر کے مطابق "میلادِ مصطفیٰ کے پانچ حرف کی فضیلت پر نظم میں رشید وارثی کے بہت سے فنی جوہر سامنے آئے ہیں جو انہیں ایک منفرد مزاج کے نعت گو شاعر ہونے کی حیثیت سے ایک اعلیٰ مقام اور بلند مرتبہ عطا کرتے ہیں۔"(14) معراج جامی کا یہ کہنا صدفی صد درست ہے کہ اس مسدس میں کل کائنات سے وابستہ جتنے اشخاص معتبر وممتاز ہیں اور جتنی نسبتیں اس کائنات اور ربِ کائنات سے متعلق ہیں، ان سب کے بارے میں یہ انکشاف کہ ان سب کے پانچ حرف ہیں۔وارثی کے ذہن رسا کا کمال ہے۔(15)

رشید وارثی نے اپنی جملہ تخلیقی وتنقیدی اور تحقیقی صلاحیتوں کو اسمِ محمد کی تجلیات کے فروغ کے لیے وقف کر دیا تھا۔آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے انہیں اہلِ بیت اطہار سے دلی محبت تھی۔پنج تن پاک سے محبت کے اظہار کے لیے انھوں نے "خوشبوئے التفات" کو پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے۔ باب الوہیت، باب رسالت ﷺ، بابِ خلافت، باب ولایت اور باب تسلیم ومناجات۔ڈاکٹر شہزاد احمد لکھتے ہیں: مسلسل "التفاتِ کرم" کرنے والے (ﷺ) "خوشبوئے التفات" سے سرفراز فرما دیتے ہیں۔ "خوشبوئے التفات" جب پھیلتی ہے تو فضائے ہستی مہکنے لگتی ہے، روز وشب رنگ ونور میں بسر ہونے لگتے ہیں۔فکرِ رسا معراجِ کمال کو چھونے لگتی ہے، آورد، آمد میں تبدیل ہو جاتی ہے اور آمد قربت کے سمندر میں موجزن ہو جاتی ہے۔رشید وارثی خوش نصیب ہیں کہ انھیں "خوشبوئے التفات" میسر

ہے۔(16) سید صبیح رحمانی کے نزدیک شدت جذبہ و احساس، زبان و بیان کے حسن اور غیر معمولی فنی انہماک نے اس مجموعے کو جیتا جاگتا ادب پارہ بنا دیا ہے۔

"خوشبوئے التفات" میں موضوعات کی رنگارنگی کے ساتھ ہیئت شعری کی بھی ایسی دھنک نظر آتی ہے، جو رشید وارثی کو اساتذہ فن کی صف میں شامل کرنے کے لیے کافی ہے۔(17) محمد طارق بن آزاد نے "خوشبوئے التفات" کو ارمغانِ تلمیحات کی نظر سے دیکھا اور دکھایا ہے۔ صنعت تلمیح کی پیش کش کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ "رشید وارثی کے کلام میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی اور نادر و نادر امثال جو کہ نعتیہ کلام میں پہلے مرقوم نہیں، اس کے لیے انھوں نے قرآن فہمی کے ملکہ خداداد اور وسعتِ مطالعہ سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔۔۔اس کے بیان میں بھی آپ کا منفرد آہنگ دوسروں سے آپ کو ممتاز کرتا ہے۔ باوجود مکرر ذکر ہونے کے اس کے بیان کی چاشنی میں فرق نہیں آنے دیتا۔ اگر آپ کے دیوان کو "ارمغانِ تلمیحات" سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔"(18)

رشید وارثی ایسے نعتیہ اشعار پر گرفت کرتے رہے جن میں ذم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور ان سے نعت کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ اس ضمن میں "نعت رنگ" کراچی شمارہ اول میں ان کے مضمون "نعت نگاری میں ذم کے پہلو" میں یہ نکتہ مدح رسول کے ذیل میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"کوئی شخص کسی بڑے مصور کی اس طرح تعریف کرتا ہو کہ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، آپ کا قد بہت متناسب ہے، آپ کی شخصیت بہت پُرکشش ہے وغیرہ تو مصور اس شخص کے جذبات کی قدر تو کرے گا لیکن اس کے مقربین اور پسندیدہ وہ لوگ ہوں گے جو اس کی بنائی ہوئی تصویر کی جزئیات اور قدرت فن کے عمیق مشاہدہ کے بعد اس کے شہکار کی تعریف کریں گے۔ ان ہی لوگوں سے خوش ہو کر اور ان میں فن کی باریکیاں سمجھنے کی اہلیت پا کر عزیز رکھے گا۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کا شہکار ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ چنانچہ جو خوش نصیب آپ کے شمائل مبارک اور اخلاق عالیہ پر غور و خوض کرنے کے بعد حضور باری المصور سے ان کو بہتر سے بہتر انداز میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، انھیں اتنی ہی قربِ الٰہی کی لذت نصیب ہوتی ہے۔"(۱۹)

رشید وارثی تا دمِ واپس خود بھی معیاری نعت کی پیش کش میں مصروف رہے اور دیگر عقیدت مندوں سے بھی اسی امر کا تقاضا کرتے رہے۔ تا کہ "حضور باری المصور سے ان کو بہتر سے بہتر انداز میں بیان کرنے کی سعادت" حاصل ہو سکے۔ وہ نعت نگاری کے لیے عظمتِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، آپؐ کی سیرت طیبہ، فضائل اخلاق اور دیگر متعلقہ مضامین کے حوالے سے قرآن کریم اور احادیث

مبارکہ کے مطالعہ کی ضرورت و اہمیت کا احساس (20) دلاتے رہے۔اس ضمن میں ان کے مضمون کے اہم نکات ملاحظہ ہوں:

- دربارِ رسالتؐ میں کلام کی مقبولیت وعدم مقبولیت۔
- نعت نگاری کے لیے صرف قادرالکلامی ناکافی ہے۔
- اصلاحی نعت کی تشریعی اہمیت۔
- اسوۂ حسنہ کے منافی مضامین۔
- آپؐ کی جلالت شان کے منافی۔
- آپؐ پر خواب غفلت کا گمان۔
- علم رسولؐ کے خلاف۔
- حضور کی شان اکملیت اوراس کے منافی بیان۔
- آپؐ کے عزم وثبات کے منافی۔
- شانِ کرم کے بارے میں بے یقینی۔
- شانِ اقدس کو گھٹا کر بیان کرنا۔
- جلوہ پاک کے بارے میں غلط تصور۔
- دربارِ رسالتؐ کے آداب سے بے خبری۔
- حاضر دربار ہونے کو معیت سے تعبیر کرنا۔
- صرف قافیہ پیمائی پر توجہ کا نتیجہ۔
- نعت میں عامیانہ زبان کا استعمال۔
- اسلامی تعلیمات کے منافی مضامین۔
- شانِ رحمۃ للعالمینی کو محدود کرنا۔
- حقِ مدحت ادا کرنے کا ادعا۔

محولہ بالاعناوین کے تحت رشید وارثی نے شعرا کی بے احتیاطی اور لفظوں کے غیر محتاط استعمال اور شانِ رسالتؐ میں استخفاف کے حوالے سے قرآن واحادیث، سُنن نبویؐ اور اسلامی تعلیمات اور معیاری نعتیہ اشعار کے ذریعے بہت عمدہ بحث کی ہے۔"خوشبوئے التفات" میں نعت سے متعلق بیش تر مقبول و معروف موضوعات کو منعوت کرنے کی عمدہ سعی کی گئی ہے۔غزل کی ہیئت میں کہی گئی نعتوں کی تعداد مقابلتاً

زیادہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ آزاد نظم، قطعہ، رباعی، مسدس، مستزاد، ترکیب بند، سانیٹ، مسمط، قصیدہ، مثلث میں بھی شان دار نعتیہ نمونے اوراق کی زیب وزینت بڑھا رہے ہیں۔معروف شعرا کے کلام پر تضامین بھی رشید وارثی کی قدرتِ کلام کی مظہر اور ترجمان ہیں۔یہ تضمینیں قدسی، جامی، اقبال کے فارسی اور اردو کلام پر کی گئی ہیں۔تضمین بر کلام جامیؒ علیہ الرحمۃ کے دو بند ملاحظہ ہوں:

چراغ زندگی کی لو ہے مدھم یا رسول اللہ
مری بے چارگی ہے اور شب غم یا رسول اللہ
ہے بیمارِ الم کے لب پہ ہر دم یا رسول اللہ
ز رحمت کُن بر حال زارم یا رسول اللہ
غریبم بے نوایم ، خاکسارم یا رسو ل اللہ
تمہی محبوب حق ہو جانِ عالم یا رسول اللہ
غریبوں، بے نواؤں کے بھی ہمدم یا رسول اللہ
رُلاتی ہے تمہاری یاد پیہم یا رسول اللہ
ز داغ ہجرِ تو کہ دل فگارم یا رسول اللہ
بہار صد چمن در سینہ دارم یا رسول اللہ(21)

”خوشبوئے التفات“ میں ”باب الوہیت“ میں شامل حمدیں اور ”باب خلافت“ کے زیرِ عنوان حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے مناقب جب کہ ”باب ولایت“ کے زیرِ عنوان مدحت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، بحضور سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیھا، بتوصیف سیدنا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، ذبحِ عظیم، بحضور سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام، بتوصیف سید الصابرین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، حضرت امام باقر محمد بن علی ابن حسین علیہ السلام، حضرت امام علی رضا علیہ السلام، حضرت امام تقی علیہ السلام، حضرت علی بن محمد امام نقی علیہ السلام، حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام، بحضور سرکار غوث الاعظمؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ، حضرت علی احمد علاء الدین صابر کلیریؒ، حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ، بحضور حاجی سید وارث علی شاہؒ، حضرت حاجی محمد بشیر میاں قادری بریلویؒ، حضرت امام مہدی علیہ السلام کے زیرِ عنوان مناقب شامل

ہیں۔ اسی طرح "باب تسلیم و مناجات" میں "درودِ نجم"، "سلام شوق"، "سلامِ بحضور محبوب ربِ انام"، "سلام بحضور رسول انام ﷺ"، "تضمین بر سلام رضا"، "سلام بحضور حضرت امام حسین علیہ السلام"، "سلام" (برادر خلد آشیاں محمد باسط خاں وارثی طاب ثراہ کی جانب سے سرکار وارث پاک کے حضور سلام)، "بدرگاہِ قاضی الحاجات جل جلالہ"، "نعتیہ مناجات"، "عصری مناجات" (وطن عزیز کے مخصوص حالات کے پس منظر میں، "سپاسِ باری تعالیٰ جل جلالہ"۔ یہ غیر نعتیہ ابواب الگ مطالعے کا استحقاق رکھتے ہیں، کتاب کے آخر میں قطعہ ہائے تاریخ سال طباعت شائع کیے گئے ہیں۔ پہلا قطعہ رشید وارثی مرحوم کے برادرِ محترم ڈاکٹر محمد سعید خاں وارثی کا نتیجہ فکر ہے:

مقبول عام ہو گی رشید! آپ کی کتاب
ہر شعر دل نشیں ہے، طباعت ہے لا جواب
کب سے دعائیں مانگ رہے تھے ہم اہل دل
"خوشبوئے التفات" ہو مطبوعہ یا وہاب!

ڈاکٹر سعید وارثی نے "تابش عرفانِ سید الورائی ﷺ" سے 1425ھ بھی تاریخ نکالی ہے۔ طارق سلطان پوری کا قطعہ تاریخ سال طباعت شامل ہے۔" پانچ اشعار کے اس قطعہ کے آخری مصرعے میں شامل "نکہتِ باغِ نعوت" سے 2004ء مطلوبہ نتیجہ برآمد کیا ہے۔ "خوشبوئے التفات" موضوعات، اصناف اور ہیئتوں کے اعتبار سے قابل قدر مجموعہ حمد و نعت و مناقب ہے۔ بعینہ رشید وارثی کی دیگر تصانیف و تالیفات بھی سنجیدہ ناقدین کی توجہ کی منتظر ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ رشید وارثی "خوشبوئے التفات" کے مقدمہ میں اپنے خاندانی پس منظر اور پاکستان آمد کے بارے میں لکھتے ہیں: "میرے آباؤ اجداد حضرت حافظ رحمت خان روہیلہ کے ساتھ مردان کے ضلع صوابی سے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ سرزمین ہند کے مردم خیز خطے اور ریاست روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی کو انھوں نے اپنا مسکن بنایا تھا۔ بریلی میں محلہ ذخیرہ، گلی مولوی بشیر الدین ہمارے پردادا صوبیدار عبدالکریم خان اور دادا جان صوبیدار میجر عبدالغفار خان وارثی رہتے تھے۔ بعد میں ہمارے دادا جان نے محلہ گڑھی راؤ پہاڑ سنگھ میں مکان خرید کر رہائش اختیار کی۔ یہ مکان انڈین کسٹوڈین کے پاس آج بھی ہماری امانت ہے۔ ہمارے والد جناب عبدالستار خان وارثی نے بعد ازاں محلہ گلاب نگر

میں بوجوہ ایک کرایہ کے مکان میں سکونت اختیار کی اور یہیں سے پاکستان ہجرت کی۔ پاکستان آنے کے بعد پہلے شکارپور پھر کراچی میں رہائش پذیر ہوئے۔"

2۔ ستار وارثی کا اصل نام عبدالستار خاں وارثی بریلوی ہے۔ وہ 1924ء میں محلہ ذخیرہ، بریلی، روہیل کھنڈ میں پیدا ہوئے۔ مارچ 1985 میں کراچی میں انتقال کر گئے۔ وہ پختہ فکر شاعر تھے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے تین مجموعے شایع ہوئے:

- "معطر معطر" (کراچی، ۱۹۸۶ء)
- "آیۂ رحمت" (کراچی، ۱۹۸۸ء)
- "حرف معتبر" (کراچی، ۱۹۹۴ء)

"خوشبوئے دوست" (کراچی، 2003ء) ان کی عارفانہ غزلوں اور "عرفانِ وارث" (کراچی، 1988ء) سلسلہ وارثیہ کے بانی حضرت سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب پر مشتمل مجموعہ ہے۔ نمونہ کلام:

دونوں جہاں کے تاجدار صلِّ علیٰ محمدٍ
عکس جمالِ کردگار صل صلِّ علیٰ محمدٍ
آپ ہیں وجہِ کن فکاں آپ ہیں رحمت زماں
آپ ہیں شاہ ذی وقار صلِّ علیٰ محمدٍ
آپ ہیں فخرِ مرسلاں، آپ سکونِ قلب و جاں
آپ سے دل کو ہے قرار صلِّ علیٰ محمدٍ

یہ نعتیہ اشعار محمد زکریا شیخ الاشرفی کے مرتبہ مجموعے "مدحت شاہِ دو عالم" کراچی: بزم وارث، 2002ء، ص 13 سے لیے گئے ہیں۔

3۔ ڈاکٹر محمد سعید خاں وارثی، یوسف زئی ستار وارثی کے بڑے صاحبزادے اور رشید وارثی کے برادرِ بزرگ ہیں۔ 24 جنوری 1946ء کو بریلی میں پیدا ہوئے "ورثہ" ان کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ بزم وارث، کراچی کے زیر اہتمام 1987ء میں معرضِ شہود پر آیا۔ غزلوں کا مجموعہ "خواب خواب چہرہ" 1980ء موضوعاتی نظموں پر مبنی مجموعہ "نا گفتہ" بھی شایع ہو چکے ہیں۔ 21 دسمبر 2018ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے:

عصمتِ غنچہ و گل ٹھہرے نشانی اس کی
ایک پاکیزہ صداقت ہے کہانی اس کی

ہائے وہ لفظ و معانی کے ابلتے چشمے
یعنی پیغام خدا اور زبانی اس کی ہے
نکہت گل ہے کہ اندازِ تکلم اس کا
کون بھولے گا بھلا غنچہ دہانی اس کی

یہ نعتیہ اشعار محمد زکریا شیخ الاشرفی کی مرتبہ کتاب "مدحتِ شاہِ دوعالم" سے لیے گئے ہیں، ص 39

ڈاکٹر سعید وارثی کے برادرِ اصغر نصیر وارثی کئی برسوں سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ وہ سہ ماہی "ورثہ" نیویارک کے مدیر اور پبلشر ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں موصوف نے بتایا کہ 1988ء میں سعید بھائی نے کراچی سے ماہنامہ "ورثہ" کا اجرا کیا جس میں ڈاکٹر شاہد الوری اور دلاور فگار شامل تھے اور میں اس میں انتظامی مدیر تھا۔ بعد ازاں سعید بھائی کی انسدادِ منشیات کی عالمی مہم کا حصہ بننے کے بعد مصروفیت کی وجہ سے وقت نہ دے پائے۔ اس دوران 1989ء میں امریکہ آ گیا۔۔۔ وہ ادھورا سلسلہ ذہن میں رہا، جسے مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ سہ ماہی "ورثہ" نیویارک دنیائے اردو کا پہلا بین الاقوامی ادبی جریدہ ہے۔ یہ جریدہ اردو مرکز نیویارک امریکہ کے زیرِ اہتمام شائع کیا جاتا ہے۔

(نصیر وارثی نے مذکورہ معلومات واٹس ایپ کی توسط، 2 جون 2021ء کو فراہم کیں۔)

4۔ "خوشبوئے التفات" کی اشاعت کے بعد مختلف اہلِ قلم کے مضامین تاثرات پر مبنی ایک تعارفی مجلہ ترتیب دیا گیا۔ 66 صفحات پر مشتمل اس مجلہ کے مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر محمد سعید خان وارثی، مدیرِ منتظم عبدالحمید خان وارثی، مدیر محمد طارق بن آزاد، مدیر معاون آنسہ فرح رشید تھیں۔ معاونین میں ڈاکٹر عظمیٰ حمید، حنا حمید، صبا حمید، محمد جنید علی خان، محمد صہیب علی خان، محمد اویس خان، محمد زبیر خان اور محمد زکریا شیخ الاشرفی تھے۔ چیئرمین مجلس مشاورت رئیس وارثی، نائب چیئرمین مجلس مشاورت نصیر وارثی تھے۔ بزم مشاورت میں کوثر اختر اور عشرت عادل شامل تھیں۔ اس مجلہ میں پروفیسر منظر ایوبی، ڈاکٹر محمد حسن رضوی، سید رفیق عزیزی، جمیل جالبی، محمد سعید بدر، مفتی محمد اطہر نعیمی، سید شمس وارثی، صلاح الدین ناصر، عبدالعزیز خالد، سید معراج جامی، ڈاکٹر معین الرحمن، ریاض حسین چودھری، ڈاکٹر اسلم فرخی، سید صبیح الدین صبیح رحمانی، مفتی محمد اسلم نعیمی، مفتی ابوظفر حافظ نواب الدین سعیدی، ڈاکٹر سبط شبر زیدی، شہزاد احمد، محمد فیروز شاہ، ڈاکٹر زاہد علی، طاہر سلطانی، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی، عزیز الدین خاکی، بشیر حسین ناظم، محمد انور الدین صدیقی، مشفق خواجہ، مرزا ستار بیگ، ابودانش قاری رئیس احمد رئیس بخاری، محمد طارق بن آزاد، نثار ترابی، قمر وارثی، ڈاکٹر منظور احمد، محمد زکریا شیخ الاشرفی، قاضی حبیب الرحمن انجم، محمد ندیم علی

قادری، قاضی کامران حسین، شاہ انجم بخاری، محمد اقبال نجمی، عمران حبیب نقش، سید محمد عون نقوی، سید تابش دہلوی، باسط وارثی، کے مضامین، تاثرات اور مکتوبات شامل ہیں۔ جن میں رشید وارثی کی فروغ و اشاعتِ نعت کے حوالے سے خدمات کو سراہا گیا ہے۔ رشید وارثی کا مضمون "حدائق بخشش" میں مناقب اہل بیت اطہار بھی شامل ہیں۔ رشید وارثی کے ساتھ ساتھ شاہ نیاز بریلوی (مناجات)، ستار وارثی، ڈاکٹر محمد سعید خاں وارثی، ریاست بی (حمد باری تعالیٰ)، رئیس وارثی، نصیر وارثی، محمد طارق بن آزاد، جبار وارثی کا نعتیہ کلام بھی شامل مجلہ ہے۔ یہ مجلہ بزمِ وارث 190/1 شاہ فیصل کالونی، کراچی نے اردو مرکز، نیویارک، امریکہ کے تعاون سے شائع کیا۔

5۔ رشید وارثی، حرف آغاز، خوشبوئے التفات، بزمِ وارث، کراچی: 2004ء، ص21۔22

6۔ رشید وارثی، حرف آغاز، خوشبوئے التفات، ص124

7۔ ایضاً، ص56 8۔ ایضاً، ص57

9۔ ایضاً، ص62 10۔ محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر، مقدمہ، خوشبوئے التفات، ص6

11۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، مشتے نمونہ از خروارے، خوشبوئے التفات، ص:14

12۔ رشید وارثی، حرف آغاز، خوشبوئے التفات، ص91

13۔ رفیق عزیزی، سید، عشق بیتی، مضمون، مشمولہ: فیضان المواہب، رشید وارثی کے مجموعہ حمد و نعت و مناقب خوشبوئے التفات کا تعارفی مجلہ، مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر محمد سعید خان وارثی، کراچی: بزم وارث، س۔ن، ص9 14۔ ناصر، صلاح الدین، خوشبوئے التفات، ایک گراں قدر ادبی کاوش، مضمون، مشمولہ: فیضان المواہب، ص20

15۔ معراج جامی، سید، اللہ اگر توفیق دے، مضمون مشمولہ: فیضان المواہب، ص22

16۔ شہزاد احمد، آیۂ رحمت سے خوشبوئے التفات تک، مضمون، مشمولہ: فیضان المواہب، ص28

17۔ صبیح رحمانی، سید، تاثرات، مشمولہ: ایضاً، ص24

18۔ محمد طارق بن آزاد، خوشبوئے التفات۔۔۔ ارمغان تلمیحات، مشمولہ: ایضاً، ص41

19۔ رشید وارثی، نعت نگاری میں ذم کا پہلو، مضمون، مشمولہ: نعت رنگ، کتابی سلسلہ کراچی، ادارہ صبیح رحمانی، عزیز احسن، انور حسین صدیقی، تنقید نمبر، اقلیم نعت، شمارہ اول، اپریل 1995ء، ص168

20۔ ایضاً 21۔ رشید وارثی، خوشبوئے التفات، ص119

***

باب

تفہیمات

جہانِ حمد و نعت

اِنتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب

[حمدیہ و نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

❋ ❋ ❋

حمدیہ کلام کا شاہکار: خالد جوہری کا ''دست قدرت''

محمد برہان الحق

ڈاکٹر شمس کمال انجم کے قلم سے فن اور نعت کا حسین امتزاج

ڈاکٹر ریاض توحیدی

خورشید ناظر کے 3 غیر منقوط حمدیہ و نعتیہ مجموعے

عبد اللہ رحمانی

چندر بھان خیالؔ کی منظوم سیرت ''لولاک''

علیم صبا نویدی

کتابیں جو موصول ہوئیں

ادارہ

❋ ❋ ❋

محمد برہان الحق
(جہلم)

حمدیہ کلام کا شاہکار
خالد جوہری کا ''دست قدرت''

حمد ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی "تعریف" کے ہیں۔ اردو کے علاوہ حمد باری تعالیٰ، کئی زبانوں میں لکھی جاتی رہی ہے جیسے عربی، فارسی، اردو وغیرہ۔ خداوندِ کریم کی تعریف وتوصیف ہر زبان اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے پھر چاہے وہ نظم کی شکل میں ہو یا نثر میں یا کسی بھی انداز میں ہوسکتی ہے۔ حمدیہ کلام شاعری کی قدیم صنف ہے جس کی کئی محاسن وصفات ہیں

" حمد ثنائے جمیل ہے" اس ذات مباری تعالی کی جو خالق سماوات والارض ہے۔ جس کی کارفرمائی کے ہر گوشے میں حسن وکمال کا نور ہے۔ پس اس مبداء فیض کی خوبی وکمال اور اس کی بخشش وفیضان کے اعتراف میں جو بھی تحمیدی وتمجیدی نغمے گائے جائیں گے ان سب کا شمار حمد میں ہوگا۔ حمد دراصل خدا کے اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ کی تعریف ہے۔

خداوندِ کریم اپنی لاریب و پاک ومنزہ کتاب قرآن پاک میں سورۃ لقمان کی آیت 27 میں یوں فرماتے ہیں کہ: زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔

اللہ کی تعریف وتوصیف ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ عربی کا لفظ "حمد" اللہ تعالیٰ کی تحمید وتمجید کے لیے مختص ہوگیا ہے۔ جس کے لیے حمدیہ شاعری نے ایک مستقل صنف سخن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ صرف عربی، فارسی ہی نہیں دیگر زبانوں میں بھی اس کا ذخیرہ موجود ہے۔ حمد چونکہ کوئی مشاہداتی صنف نہیں ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ قرانِ مجید کا مطالعہ کیے ہوئے ہوں اور چونکہ خدا کی ستائش دیگر دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ آپ

ان مذہبی کتابوں سے بھی واقف ہوں۔

حمد میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ساتھ اس کے صفات کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر زبان کے شاعروں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کو پیش نظر رکھا ہے اور اسے یاد کیا ہے۔ اردو زبان میں جب سے شاعری کا آغاز ہوا تبھی سے حمد لکھی گئی لیکن حمد سے زیادہ توجہ نعت پر دی گئی ہے۔ حمد کی دینی اور ادبی قدر و قیمت کی وجہ سے یہ صرف ہمارے مضطرب جذبات کی تسکین کا سامان، احساس جمال، خوف خدا، بصیرت وبصارت کی توثیق یا شاعری برائے شاعری نہیں ہے بلکہ ادب میں اس کی مستقل صنفی حیثیت ہے۔ غزل گو، مرثیہ گو، رباعی گو یا مثنوی وقصیدہ نگار شعرا نے حمد پر باضابطہ یا خصوصی توجہ نہیں دی بلکہ عقیدت اور بسم اللہ کے طور پر رسم پوری کرتے رہے ہیں۔

اردو شاعری میں چیدہ چیدہ افراد کو حمدیہ کلام لکھنے کی سعادت میسر آئی جن میں ایک چمکتا دمکتا نام خالد جوہری صاحب کا ہے جو کہ مایہ ناز ادیب بھی ہیں مایہ ناز شاعر اور ماہر تعلیم بھی ہیں جنھوں نے حمدیہ کلام پر مشتمل کتاب دست قدرت تحریر فرمائی ماہ اگست جشن آزادی پاکستان کے حوالے سے منعقدہ مقابلہ جات کے موقع پر آپ نے مجھے اس کتاب سے نوازا جوہری صاحب کا کمال فن ہے کہ رب تعالیٰ سے اپنی عقیدت ومحبت کو سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ آپ کی شاعری میں حمدیہ کلام کی تمام تر صفات جمع ہیں آپ کی شاعری میں اکثر اشعار قرآن پاک کا مفہوم بیان کرتے نظر آتے ہیں۔

خالد جوہری صاحب کی کی شاعری میں بے حد وسعت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جوہری صاحب کو شاعری میں بہت کمال عطاء کیا ہے۔ خالد جوہری صاحب نے حمدیہ کلام کے تمام تر تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کمال عجز وانکسار کا پیکر بن کر رب کائنات کے جلال و جمال کا اقرار واظہار کچھ ایسے دلکش انداز میں کیا ہے کہ قاری پڑھ کر جھوم اٹھتا ہے۔

دست قدرت میں فطری مناظر کو اللہ کی تخلیقات کو چاہے وہ سورج ہو چاند ہو زمین ہو یا آسمان ،خشکی ہو یا تری، صحرا ہوں یا میدان گل وخار، نظام لیل ونہار، خزاں و بہار، چاند ستارے، دریا موج کنارے، غنچہ وگل، طوطی وبلبل، کڑکتے بادلوں، بلند کہساروں، گرتی آبشاروں، برگ وثمر کا ذکر کرکے شان ربوبیت بیان کو بیان کیا ہے۔ رب کائنات کی صفات اور اسماء کا اظہار بھی بڑے عمدہ طریقے سے کیا ہے۔ وہ بڑی عمدگی سے اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کو اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہیں۔

جوہری صاحب نے حمدیہ کلام میں ایسا کلام پیش کیا ہے جس میں اللہ کی حمد کو بیان کیا گیا اور نعت مصطفی ﷺ کو بھی ساتھ حصہ بنایا گیا خدا کا ذکر کرے ذکر مصطفی نہ کرے ہمارے منہ میں ہو ایسی

زباں خدانہ کرے" جوہری صاحب نے تشبیہات استعارات اور تلمیح کا کمال استعمال کیا ہے۔
دست قدرت میں اللہ کے جمال کو بیان کیا گیا ہے اللہ رب العزت کے جلالیت کو بھی بیان کیا گیا ہے اللہ کی رحمانیت و رحمیت کو بھی بیان کیا گیا ہے اللہ کی ستاری اللہ کی جباریت اللہ کی قہاریت بیان کیا گیا ہے الغرض حمد یہ کلام کا عظیم شاہکار دست قدرت ہے چند ایک افراد کو یہ توفیق ملی کہ وہ حمد یہ کلام پہ کام کریں اللہ خالد جوہری صاحب کی کاوش کو قبول فرمائے، آمین۔

اختر سعیدی

''اشاریہ'' ماہنامہ اَرمُغانِ حمد، کراچی

اشاریہ سازی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ فی زمانہ یہ فریضہ انجام دینے والے افراد کم ہی نظر آتے ہیں۔ اشاریہ نویسی، جانفشانی کی متقاضی ہوتی ہے۔ یہ عمومی تحقیق کے مقابلے میں زیادہ دیدہ ریزی اور انہماک کا مطالبہ کرتی ہے، کیوں کہ یہ تحقیقی موضوعات اور مآخذ کی تلاش میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اِسی لیے اشاریہ نویسی کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پیشِ نظر کتاب اُردو میں حمد کے موضوع پر اوّلین ماہنامہ ''اَرمُغانِ حمد'' کے 125 شماروں کا مکمل اشاریہ ہے، جسے صاحبِ کتاب نے مرتّب کر کے مذہبی شعری جہان میں شعروادب کے طلبہ کے لیے کئی سہولتیں اور آسانیاں پیدا کردی ہیں۔
مصنّف جامعہ کراچی میں شعبۂ اسلامی تاریخ کے صدر ہیں اور علمی تحقیقی سرگرمیوں کے حوالے سے محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ اس سے قبل کئی علمی و تحقیقی رسائل و جرائد کے اشاریئے مرتّب کر چکے ہیں، جن میں ماہنامہ ''معارف'' (اعظم گڑھ) کا ایک وقیع و بسیط 90 سالہ اشاریہ بھی شامل ہے۔ فروغِ حمد و نعت کے ذیل میں شاعرِ حمد و نعت، محمّد طاہر سلطانی کی زیرِ ادارت شایع ہونے والے ''اَرمُغانِ حمد'' کے خصوصی نمبرز اُردو حمد یہ اور نعتیہ ادب میں اوّلین حیثیت کے حامل ہیں۔ مثلاً غیر منقوط حمد و نعت نمبر، عربی، فارسی حمد و نعت نمبر، حمد یہ و نعتیہ ہائیکو نمبر، حمد یہ و نعتیہ نظمیں نمبر، غیر مسلم حمد گو نمبر، سیّد الشہداءؓ نمبر، حضرت

فاروقؓ و حسینؓ نمبر، شہیدانِ کربلاؓ نمبر، علاّمہ اقبال حمد و نعت نمبر، احمد رضا خان بریلوی حمد و نعت نمبر، بہزاد لکھنوی حمد و نعت نمبر، صبا اکبر آبادی حمد و نعت نمبر، ڈاکٹر شمس جیلانی حمد و نعت نمبر، حسن اکبر کمال احمد، حمد و نعت نمبر اور شاہ انصار الہ آبادی حمد و نعت نمبر وغیرہ شامل ہیں۔ ''اَرمُغانِ حمد'' کے یہ شمارے اپنے موضوع پر وقیع اور آنے والے محققین کے لیے سرمایۂ تحقیق ہیں۔

ممتاز علمائے کرام اور قلم کاروں کے مضامین اور سیکڑوں شعراء کا حمدیہ اور نعتیہ کلام بلا کسی تفریق، اس کتاب کے صفحات کی زینت بنا، جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ اس شایع شدہ مواد، بالخصوص حمدیہ و نعتیہ کلام کو جامعات کی سطح پر موضوعِ تحقیق بنایا جا سکتا ہے، لہٰذا بجا طور پر یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ یہ اشاریہ، حمدیہ ادب میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والوں کے لیے نہایت معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ اس کتاب پر خواجہ رضی حیدر، پروفیسر انوار احمد زئی (مرحوم)، یامین وارثی اور طاہر حسین سلطانی کے توصیفی مضامین بھی شامل ہیں، جن میں مرتّب کی خدمات کو بھرپور انداز میں خراجِ تحسین و محبّت پیش کیا گیا ہے۔ [مرتّب: ڈاکٹر محمّد سہیل شفیق ٭٭٭ صفحات: 696، قیمت: 1200 روپے ٭٭٭ ناشر: حمد و نعت ریسرچ سینٹر، اُردو بازار، کراچی]۔

حیدر قریشی
haider_qureshi2000@yahoo.com

حمد و نعت اور دینی شاعری کے تین مجموعے

ا۔ سعادت (حمد و نعت)

خواجہ محمد عارف میر پور کے رہنے والے ہیں اور اب انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں آباد ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ 'سعادت' ان کی حمدیہ، دعائیہ اور نعتیہ شاعری پر مبنی ہے۔ مناقبِ صحابہؓ، متفرق ملی نظمیں اور چند قطعات بھی مجموعہ میں شامل ہیں۔ چونکہ ان سب کا پس منظر بھی مذہبی ہے اس لیے مجموعہ کا مجموعی تاثر

قائم رہتا ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ عقیدت میں ڈوبی ہوئی شاعری میں فنی کمالات نہیں دیکھے جاتے، جذبے اور خلوص کو دیکھا جاتا ہے۔ تاہم خواجہ محمد عارف کا یہ مجموعہ فنی لحاظ سے بھی مناسب ہے۔ اس شاعری میں آج کے سیاسی اور سماجی مسائل بھی پس منظر سے صاف دکھائی دیتے ہیں، بلکہ دعائیہ شاعری کا محرک ہی یہی حالات ہیں۔ اس لحاظ سے خواجہ محمد عارف کی دعائیں ان کے دل کی آواز ہیں۔ حمد و نعت میں ادب کے مقامات اور تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حمد و نعت سے خصوصی دلچسپی رکھنے والوں کے لیے 'سعادت' ایک عمدہ تحفہ ہے۔

۲۔ رحمتوں کا سائباں

آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا، نعت کہنے کی توفیق پانا، بڑے نصیب کی بات ہے۔ سعید رحمانی ایسے ہی خوش نصیب شاعر ہیں جو ایک عرصہ سے بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں نعتوں کا نذرانہ پیش کرتے آرہے ہیں۔ نعت کہتے ہوئے کہیں یہ احتیاط اظہار میں روک بن جاتی ہے کہ محبت کے بیان میں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے تو کہیں محبت و عقیدت کے والہانہ پن میں سچ مچ بے ادبی سرزد ہو جاتی ہے۔ یوں نعت کہنا تخلیقی لحاظ سے پُل صراط پر چلنے جیسا عمل ہو جاتا ہے۔ سعید رحمانی کی جتنی نعتیں میں نے پڑھی ہیں ان میں وہ عمومی طور پر بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ ان کے ہاں محبت، عقیدت اور احتیاط کا ایک متوازن امتزاج ملتا ہے۔

''رحمتوں کا سائباں'' میں عید کے حوالے سے، شہادتِ امام حسینؓ کے حوالے سے نظمیں اور ایک منقبت بھی شامل ہے۔ اس مجموعے کا انداز غزل جیسا ہے۔ یوں سعید رحمانی پر غزل کے گہرے اثرات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، تاہم غزل کے جملہ مضامین میں سے صرف محبت کے اظہار اور والہانہ پن سے ہی انہوں نے اپنی نعتوں کو سجایا ہے۔ یوں وہ پیغمبرِ خدا کے محب بن کر سامنے آتے ہیں۔ غزل کے روایتی محبوب نے تو اردو شاعر کو خاصا خوار کیا ہے، لیکن سعید رحمانی کے محبوب تو محبوبِ خدا ہیں، سو غزل کا انداز ہونے کے باوجود ان کی نعتیں شکوہ شکایت سے نہیں، عشق اور اس کی سرشاری سے لبریز ہیں۔ غزل کا گریہ ان کی نعت میں دعا کا سائبان بن جاتا ہے۔ یوں ہیئت کے لحاظ سے غزل جیسی ہونے کے باوجود ان کی نعتیں بحیثیت صنف اپنی الگ پہچان رکھتی ہیں۔

میری دعا ہے کہ سعید رحمانی کا یہ نعتیہ مجموعہ ان کی دنیا و آخرت سنوارنے کے ساتھ ان کی ادبی عزت و توقیر میں اضافہ کا موجب بنے۔ (آمین)

۲۔ پرواز (شاعری)

جناب عزیز الرحمن سلفی کا شعری مجموعہ ان کی زندگی بھر کی شعری کمائی ہے۔اس میں عزیز الرحمن سلفی صاحب کی زندگی کی ساری چہل پہل اور دکھ درد یکجا ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔مسجد و مکتب سے اپنے گہرے تعلق کے باعث ان کی شاعری میں حمد و نعت کی ایک قابلِ ذکر تعداد ہونا ہی تھی۔تاہم ان کی شاعری کے اس حصہ میں حرمین شریفین سے لے کر ہند کی مساجد و مدارس تک کے حوالے سے بھی منظومات مل جاتی ہیں۔شاہ فیصل اور شاہ فہد کے حوالے سے ان کی نظموں کو دیکھ کر ان کے مسلک و فکری میلان کا آسانی سے اندازہ ہو جاتا ہے۔

عزیز الرحمن سلفی صاحب کی کتاب کے دوسرے حصہ میں اردو کے حوالے سے اور قومی و ملی نوعیت کی شاعری شامل ہے۔اپنے قریبی عزیزوں،دوستوں کی شادی کی تقریبات پر وہ فراخدلی سے اپنے خوشی سے لبریز نیک جذبات کا اظہار کرتے ہیں تو بعض وفیات پر اپنے دکھ اور درد کا بھی برملا اظہار کر دیتے ہیں۔کتاب کا تیسرا اور ایک اہم حصہ ان کی ان قلبی کیفیات کا آئینہ دار ہے جو غزل کی روایت سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔اس حصہ میں رباعیات اور نظموں کو بھی پیش کیا گیا ہے تاہم سلفی صاحب کا بنیادی مزاج غزل ہی کا ہے۔عزیز الرحمن سلفی صاحب غزل کی قدیم روایت کے امین ہیں۔اساتذہ کے بعد کے ادوار کی شاعری کی ہلکی ہلکی پرچھائیاں تو ان کے ہاں مل جاتی ہیں تاہم ان کا مزاج کلاسیکی روایت سے ہی زیادہ استفادہ کرتا ہے۔بظاہر وہ قدیم و جدید کے زمانی دوراہے پر کھڑے ہیں لیکن ان کا واضح جھکاؤ قدیم کی طرف ہے۔یہ سب کچھ ان کے مزاج اور ان کی فطرت کا نتیجہ ہے۔

مجموعی طور پر عزیز الرحمن سلفی صاحب کی شاعری ان کی ذاتی زندگی کا عکس ہے۔وہ زندگی جس میں خدا اور رسولؐ سے لے کر عام زندگی میں ملنے جلنے والے نمایاں کردار اور حالات و واقعات اور جذبات و کیفیات اپنی اپنی اہمیت کے مطابق موجود ہیں۔ایک بزرگ و محترم شاعر کی زندگی بھر کی اس شعری کمائی کو یکجا پیش کیے جانے پر اور کتابی صورت میں شائع کیے جانے پر میں اپنی دلی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے،اس مجموعہ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

***

ڈاکٹر ریاض توحیدی کشمیری
Wadipora Handwara Kashmir 193221-Cell : 7004465358

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہ

ڈاکٹر شمس کمال انجم کے قلم سے فن اور نعت کا حسین امتزاج

میں جب بھی کوئی نعتیہ شعر یا کلام پڑھتا یا سنتا ہوں تو مجھے عربی شاعر زہیر ابن ابی سلمیٰ کے درجہ ذیل شعر کی معنویت پر رشک آتا ہے کہ سب سے بہترین شعر جو تم کہہ سکتے ہو وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو لوگ کہیں کہ سچ کہا ہے ؎

وَاِنَّ احسنَ بیت انت قائلہ　　　　بیت یقال اذا انشدتہ صدقا

تو نعت سے بھلا بہتر اور سچا شعر کیا ہو سکتا ہے۔ (اگر اس میں غلو نہ ہو) کیونکہ نعت میں نہ صرف ایک عاشق رسول ﷺ کا روحانی جذبہ شامل ہوتا ہے بلکہ رحمت للعالمین ﷺ کی ذات وصفات کی سچی مدح خوانی بھی ہوتی ہے۔ یہ شعر اس وجہ سے بھی یہاں پر موزوں محسوس ہوا کہ زیر نظر نعتیہ مجموعہ کے نعت گو جناب ڈاکٹر شمس کمال انجم نہ صرف شاعر ہیں بلکہ عربی زبان وادب کے ایک جید استاد بھی ہیں۔ موصوف کے حبِ رسول ﷺ کا ایک اشارہ یہ بھی ہے مجموعہ کے حمد میں خالق کائنات سے دعا کرتے ہیں: ؎

میں صبح و شام فقط حمد و نعت کہتا رہوں
ہزاروں شعر خدایا مجھے عطا کر دے

میں سمجھتا ہوں کہ یہ دعا بصورت ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' قبول بھی ہوئی' کیونکہ اس میں گلہائے عقیدت کے سینکڑوں اشعار عشق رسول ﷺ کی خوشبو سے مہک رہے ہیں۔ کتاب کا نام یعنی ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' بھی اپنی تواریخی معنویت کا احساس دلا رہا ہے کیونکہ ایک طرف اس نعتیہ رباعی کی مقبولیت اور قبولیت کا یہ عالم ہے کہ صدیوں سے یہ عاشقانہ رسول ﷺ کے لئے روحانی وظیفہ ثابت ہو رہی ہے اور دوسری جانب اس شعر کی عاشقانہ تخلیق کے حوالے سے ایک واقعہ یہ بھی موجود ہے کہ جب حضرت شیخ سعدیؒ نے جوش عشق میں یہ رباعی لکھ رہے تھے تو چوتھا مصرعہ بن نہیں پا رہا تھا۔ جب بے چینی کا عالم

بڑھتا رہا اور اسی عالم میں سو گئے تو خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کا دیدار نصیب ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ سعدی پریشاں کیوں ہو لکھو:

صلو علیه و آله

اس طرح سے یہ نعتیہ رباعی مکمل ہو کر ہر زمانے کے لئے ہدیہ عشق ثابت ہوئی۔ ے

بلغ العلی بکماله (آپ ﷺ اپنے کمال کی وجہ سے بلندیوں پر پہنچے)

کشف الدجی بجماله (آپ ﷺ نے اپنے جمال سے تاریکیوں کو دور کیا)

حسنت جمیع خصاله (آپ کی تمام خصلتیں خوب ہیں)

صلو علیه و آله (آپ پر اور آپ کی آل پر درود ہو)

(شیخ سعدیؒ)

اس نعت کی معرفانہ قبولیت کے تعلق سے ایک اور واقعہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسروؒ سے بھی منسوب ہے کہ ایک دن حضرت امیر خسروؒ نے ایک نعتیہ رباعی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نظام الدّین اولیاءؒ نے رباعی سن کر فرمایا کہ ''خسرو رباعی تو خوب ہے لیکن سعدیؒ کی جو رباعی 'بلغ العلی بکمالہٖ' ہے اس کا جواب نہیں۔'' کہا جاتا ہے کہ امیر خسروؒ اسی طرح ایک سے بڑھ کر ایک رباعی لکھ کر لاتے رہے لیکن مرشد ہمیشہ سن کر یہی فرماتے رہے کہ ''بلغ العلی'' کا جواب نہیں۔ حضرت امیر خسرو جب ہمیشہ سعدیؒ کی رباعی کی تعریف سنتے رہے تو عرض کیا کہ حضرت ایسا کیوں ہے؟۔ تو جواب ملا کہ رات کے وقت حاضر ہونا اور جب آدھی رات کے وقت حاضر خدمت ہوئے تو مرشد کو وظائف میں مشغول پایا۔ تھوڑی دیر بعد جب مرشد نے کہا کہ خسرو ادھر آؤ اور دیکھو تو کیا دیکھتے ہیں کہ دربار رسالت ﷺ آراستہ ہے۔ صحابہ کرامؓ اور سینکڑوں اولیاء کرام کے درمیان شیخ سعدی یہ نعت پڑھ رہے ہیں ۔نعت ختم ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ سعدی پھر پڑھو اور سعدیؒ حکم کی تعمیل کرتے جا رہے ہیں۔ یہ روحانی منظر دیکھ کر خسروؒ کی زبان سے بھی نکل پڑا کہ واقعی اس رباعی کا جواب نہیں۔ (خیر یہ معرفت کا عالم ہے یہاں پر عقل کی پہنچ کہاں' بقول علاّمہ اقبالؒ 'خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں)

اس تمہید کے بعد یہ کہنا مناسب رہے گا کہ کتاب کے نام 'بلغ العلی بکماله'' کا انتخاب واقعی ڈاکٹر شمس کمال انجم کے حسن انتخاب کی قابل تعریف عکاسی کر رہا ہے۔

اب اگر تھوڑا بہت ''نعت'' کے لغوی' اصطلاحی اور تواریخی پس منظر پر ارتکاز کریں تو اس موضوع پر سینکڑوں مضامین و کتب تحریر ہو چکے ہیں۔ لفظ ''نعت'' پر سید محمد مرتضیٰ الزبیدی اپنی تصنیف ''تاج

العروس'' میں گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''نعت کے معنی وصف کے ہیں' خصوصاً جب آپ کسی چیز کی وصف میں مبالغہ سے کام لیں تو اس وقت نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔۔۔۔۔وصف بیان کرنے والے کو ناعت کہتے ہیں اور اس کی جمع نعات ہے۔جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

انعتہا انی من نعاتہا　　(میں اس کی تعریف میں' اس کے ثناخوانوں میں ہوں)

اس طرح سے عمومی طور پر نعت کا لفظ وصف کے مترادف گردانا جاتا ہے۔عربی میں خوبصورت چیز کے لئے ''ھذا انعت'' کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بھی نعت کی متنوع تعریفیں موجود ہیں۔ان سب تعریفوں کے باوجود محققین' شارحین اور مفسرین نے نعت کو عمومی تعریف سے علحیدہ کر کے اسے تخصیصی معنی پہنایا اور اب اصطلاحی معنی میں نعت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف کے لئے مختص ہو چکا ہے اور یہی تخصیصی مفہوم اب عربی' فارسی' اردو اور دیگر زبانوں میں بھی رائج ہے۔اس لئے وہ ساری شاعری نعت کی تعریف میں آتی ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی توصیف اور عقیدت پائی جاتی ہو۔ممتاز حسن کے الفاظ میں:''۔۔۔وہ ہر شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے قریب لائے' جس میں حضور ﷺ کی مدح ہو یا حضور ﷺ سے خطاب کیا جائے۔''

(خیر البشر ﷺ کے حضور میں۔ص ۱۵)

نعت کے موضوعات: دراصل نعت کا بنیادی موضوع تو رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف ہی ہے' جیسے کہ ابن الاثیرؒ ''النہایۃ فی غریب الحدیث و الاثر'' میں لکھتے ہیں:

''نعت فی صفتہ ﷺ یقول ناعتہ لم ار قبلہ و لا بعدہ مثلہ''

ترجمہ :　نعت رسول ﷺ کی صفت کو کہتے ہیں' جیسے کہ نعت کہنے والا کہتا ہے:

میں نے آپؐ سے قبل اور آپؐ کے بعد آپؐ جیسا نہیں دیکھا۔

اب جبکہ شاعری میں نعت گوئی ایک صنف کی حیثیت اختیار کر چکی ہے تو تحقیقی بنیاد پر نعت کے موضوعات بھی مختص ہو چکے ہیں اور ان موضوعات کا استعمال شاعری میں جس انداز سے کیا جاتا ہے یا کیا جائے گا وہ نعت میں شامل ہے جیسا کہ ''نور اللغات'' میں درج ہے:

''ایسی تمام نظمیں جن میں رسول خدا ﷺ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے یا ان کے محاسن بیان کئے جائیں' نعت کی تعریف میں آتی ہیں۔''

اب اس محبت و عقیدت یا محاسن کا اظہار جس انداز سے بھی کیا جائے وہ نعت ہی کہلائے گا۔مثلاً

علامہ اقبالؒ کے درجہ ذیل شعر دیکھیں، ان میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی یا کوئی واقعاتی اشارہ نظر نہیں آتا ہے لیکن علامتی واستعارتی طور پر آپ ﷺ کی محبت وعقیدت اور محاسن کا معنی خیز اظہار ہوا ہے۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب == گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ == ذرۂ ریگ کو دیا تونے طلوع آفتاب

نعت گوئی کے موضوعات کا مختصر احاطہ کریں تو بنیادی طور پر نعت گوئی موضوعاتی شاعری کے زمرے میں آتی ہے جس میں آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف، مدح وثنا، ولادت، حیات، صفات وتعلیمات، سخاوت وشجاعت، محبت واخوت، محبت وشفقت اخلاق کریمہ، حسن وجمال، صداقت وفراست، غزوات وغیرہ یعنی سیرت مبارکہ کے متنوع پہلوؤں کا فکری وفنی بنیاد پر عقیدت واحترام کے ساتھ اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو پیش نظر نعتیہ مجموعہ "بلغ العلی بکمالہ" کا نعتیہ کلام عقیدت واحترام اور عاشقانہ جذبات کا ایک ایسا گلدستہ ہے جو اسوۂ حسنہ ﷺ کی خوشبو سے قاری کے دل ودماغ کو معطر کررہا ہے۔ چونکہ صاحب کتاب کئی برس کے شب وروز باغ مدینہ کی معطر فضاؤں میں گزار چکے ہیں اس لئے ان کی نعت میں عشق رسول ﷺ کا فطری جذبہ نظر آتا ہے جو فکری وفنی آہنگ کے مناسب تخیل پر استوار ہوا ہے کیونکہ اس میں کہیں پر بھی مبالغہ آرائی یا احکام رسول ﷺ سے تجاوز نظر نہیں آتا ہے۔

موضوعاتی تناظر میں دیکھیں تو یہ مجموعہ سیرت رسول ﷺ کے تابندہ گوشوں کے موزوں خیالات سے مزین ہے۔ حب رسول ﷺ کسی بھی مومن کے ایمان کا وہ روحانی اثاثہ ہے جو اس کے قلب ونظر کو لذت ایمان سے سرشار کرتا ہے اور جس کے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ یہ محض عقیدت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایمان کا حصہ بھی ہے۔ اس تعلق سے سورۃ الاحزاب میں واضح حکم ہے: 'النبی اولی بالمومنین من انفسھم۔' (آیت نمبر ۶) (نبی ﷺ مومنوں کے لئے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ مقدم ہیں۔) اور درجہ ذیل حدیث بحولہ انس بن مالکؓ میں بھی حب رسول ﷺ کی اہمیت ولازمیت کا حکم ہے۔ "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی اولاد، اپنے والدین اور باقی تمام لوگوں سے مجھے محبوب نہ رکھے۔"

نعت گوئی میں حب رسول ﷺ کا پہلو نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس تعلق سے پیش نظر مجموعے میں کئی اشعار ایسے موجود ہیں جو خالصتاً حب رسول ﷺ کے پہلو کی عکاسی کررہے ہیں۔ ان میں نہ صرف عشق رسول ﷺ کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کو بلیغ انداز میں اجاگر کیا گیا ہے بلکہ بین المتن ایک عاشق رسول ﷺ کی قلبی محبت اور فکری جذبات کی فراوانی بھی محسوس ہورہی ہے۔

گر دلِ مومن میں انؐ کے عشق کی خوشبو نہیں // حشر میں یہ بات ہوگی وجہ رسوائی بہت
مل جائے گر کسی کو محبت رسولؐ کی // کرنے لگے وہ دل سے اطاعت رسولؐ کی
جو حب شاہ مدینہ ہو موجزن دل میں // تو نعت گوئی کا خود ہی شعور ملتا ہے
نبی کی محبت ملے ہے جسے // وہ انسان یکسر بدل جائے
محبت ہو جسے اللہ سے فخر پیمبر سے // نبیؐ کا اسوۂ حسنہ بھی تو اس کی نظر میں ہو

رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر دوڑائی جائے تو ہر جگہ رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔ آپؐ جتنا اپنے اہل خانہ اور صحابہ کرامؓ کے لئے شفیق تھے اتنا ہی مخالفین کے تئیں شفقت کا احساس رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر سارے عالم کے لئے رحمت ہی رحمت تھے، جیسا کہ قرآن شریف میں بھی رب العالمین آپؐ کی رحمت والی ذات اقدس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے : وما ارسلناك الا رحمة للعالمين (سورۃ الانبیاء ۱۰۷) بے شک ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

مسلم شریف میں بروایت حضرت ابوھریرہؓ مذکور ہے کہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپؐ کے یہ مبارک الفاظ انواز رحمت کے مثالی نمونے ہیں کہ ''میں لعنت اور بددعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' آپؐ کی رحمت کا ہی یہ فیض ہے کہ بندہ اپنے حقیقی معبود سے آشنا ہوا اور جہالت وگمراہی سے نجات پا کر راہ راست پر آ گیا۔ رسول رحمت ﷺ کی بے مثل رحمت وشفقت اور خلق عظیم کی بدولت ہی مخالفین بھی رحمت کے سائے میں آئے اور دین حق کے روشن ستارے ثابت ہوئے۔ اس تناظر میں دیکھیں تو شاعر جہاں ایک طرف رسول اکرمؐ کی رحمت والی شان کا والہانہ اظہار کرتا ہے تو دوسری جانب انہیں عصر جدید کے مجبور ومحکوم انسانوں کی قابل رحم زندگی دیکھ کر رحمت عالمؐ کا سایہ بھی بے چین کر دیتا ہے اور وہ شریعت محمدیؐ کے مساوات ومواخات، محبت واخوت اور عفوودرگزر وغیرہ جیسے انسانیت پرور افکار و پیغامات میں ہی عصر حال کی مشکلات کا مداوا ڈھونڈتے نظر آتا ہے، نہ صرف مداوا بلکہ وہ اسلام کے پیام مساوات ومواخات، محبت وہمدردی، عفوودرگزر اور اخوت وصلہ رحمی وغیرہ انسانی اقدار کو رحمت للعالمینؐ کی فکری وعملی علامت بھی سمجھتا ہے، جو کہ برحق ہے۔

جو دنیا بھر کے مجبوروں غریبوں کو میں دیکھوں ہوں
تو مجھ کو رحمتِ عالمؐ کا سایہ یاد آئے ہے
مساوات و مواخات و مدارات و محبت سب
ہیں روشن صف اے لوگو محمدؐ کی شریعت میں

وہ بن کر رحمۃ للعالمیں آئے ہیں دنیا میں
وہ عفو و در گذر کی شان ہیں وہ جانِ رحمت ہیں

محبت اور ہمدردی اخوت اور صلہ رحمی
انھی کے دم سے زندہ ہے وہی اس کی علامت ہیں

خلق عظیم و رحمت عالم کا معجزہ
دشمن ہوئے ہیں آپؐ کے شیدائی دیکھیے

فنی طور پر نعت گوئی کے موضوعات کی بات کریں تو اس تعلق سے اہل دانش وبینش نے نعتیہ موضوعات کو مختلف زمروں میں تقسیم کر رکھا ہے جن میں نام گرامی محمدؐ کا ذکر، مولود نگاری (میلاد نامہ)، نور نگاری، معراج نگاری، ذکر باعث تخلیق کائینات، ذکر مہر نبوت، ذکر حبیبِ خدا، ذکر دیار مدینہ، انبیاء سے مقابل، ذکر سلام وغیرہ موضوعات شامل ہیں۔

ویسے تو ہر نعتیہ کلام کا مقصد ذکر محمدؐ ہی ہوتا ہے لیکن کئی اشعار میں ''نام گرامی محمدؐ کا ذکر'' راست انداز سے ہوتا ہے۔ اس مجموعے کے بیشتر اشعار بھی نام محمدؐ سے جگمگا رہے ہیں۔ ؎

گلاب و مشک و عنبر اور سارے غنچہ و گل کی
جب کبھی یاد آئے تو محمدؐ کا پسینہ یاد آئے ہے

اسے ان کی شفاعت کیا ؟ جھلک بھی مل نہ پائے گی
شک و شبہ کرے گا جو محمد کی رسالت میں

انھی کی ذات سے سب کو ملا سر طمانیت
محمد مصطفیٰؐ وجہ سکوں وجہِ سعادت ہیں

سرور و مستی خوباں میں کوئی غرق رہے
کسی کو عشقِ محمدؐ کا نور ملتا ہے

اب مولود نگاری یا میلاد نامہ پر غور کریں تو اس میں وہ نعتیہ اشعار آتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی آمد، ولادت باسعادت اور حیات سے لیکر وفات تک کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ اس موضوع پر بھی مجموعے میں کئی اشعار نظر آتے ہیں۔ ؎

وہ بن کر رحمۃ للعالمین بندہ نواز آئے
سراپا نورحق بن کر سراپا سوز و ساز آئے

ثانی کسی نے آپ کا دیکھا نہیں کوئی
پیدا نہیں ہوا کوئی سرکارؐ کی طرح

شمع توحید و رسالت کو جلانے کے لئے
آپؐ آئے تھے اندھیرے کو مٹانے کے لئے

سارے نبیوں کے جانشیں ہیں آپؐ
خاتمِ ختمِ مرسلیں ہیں آپؐ

بہر حال، ڈاکٹر شمس کمال انجم صاحب کے پیش نظر کلام کے فنی و موضوعاتی پہلوؤں پر اقسام نعت کے تناظر میں مزید گفتگو کرنے کی گنجائش موجود ہے، اور دل چاہتا بھی ہے، لیکن مضمون کی طوالت کا احساس بس اسی بات کا عندیہ دے رہا کہ یہ نعتیہ گلدستہ فکری وفنی اور موضوعاتی طور پر نہ صرف نعتیہ شاعری کے گلستان کا ایک اہم اضافہ ہے بلکہ ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ عشق کا قلبی و فکری ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔ چونکہ انہوں نے مکہ اور مدینہ کی معطر فضاؤں میں زندگی کے بیشتر ایام گزارے ہیں، اس لئے اس کلام کے نعتیہ اشعار عقیدت و احترام کے عنبر آگیں جذبات و احساسات سے قاری کی روح بھی معطر کر جاتے ہیں۔

جو لطف خاص ہے لوگو محمدؐ کی محبت میں
کسی بھی اور شئے میں ہو نہیں سکتا حقیقت میں
میں اس جذبے سے نعت مصطفی کہتا ہوں لوگو!
بہت ممکن ہے لے جائیں یہ نعتیں مجھ کو جنت میں

حوالہ جات

۱۔ عود الند (مجلہ)۔ د۔ یسیری عبد الغنی عبد اللہ۔ مصر
۲۔ بلغ العلی بکمالہ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر شمس کمال انجم
۳۔ النہایتہ فی غریب الحدیث و الاثر۔۔۔ ابن اثیر علیہ الرحمہ
۴۔ کلیات اقبال۔ علامہ اقبالؒ
۵۔ کی محمدؐ سے وفا تو نے (اقبالؒ کے اشعار قرآنی آیات کی روشنی میں)۔۔۔۔ محمد بدیع الزماں
۴۔ اردو نعت۔۔۔۔ ڈاکٹر ریاض مجید ۵۔ حب رسولؐ اور فکر اقبالؒ۔۔۔ ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی ۶۔ نعت رنگ (رسالہ) ۷۔ نور اللغات

***

ڈاکٹر عبداللہ رحمانی
پلوامہ (کشمیر)

خورشید ناظر کے 3 غیر منقوط حمدیہ ونعتیہ مجموعے

(۱) "وللہ الحمد" (خالص حمدیہ)

"وللہ الحمد" خورشید ناظر کی کتاب ہے۔ اردو ادب میں غیر منقوط شاعری کی یہ سب سے ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب میں شامل پہلی حمدیہ نظم "مرا اللہ مراہادی، مرا مولا" سات سو چھیاسی (786) اشعار سے مکمل کی گئی ہے۔ کتاب میں شامل کل اشعار کی تعداد ساڑھے گیارہ سو سے زیادہ ہے اور علمائے ادب کے مطابق اس کتاب کی اولین حمدیہ نظم کے برابر بھی کوئی شاعر غیر منقوط اشعار نہیں کہہ سکا۔ کتاب کا مطالعہ ہر شعر پر اپنے قاری کو ایک انوکھے انداز میں رب کریم کی محبت سے ہم کنار کرتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ اپنے قاری کو یقیناً اپنے مالک کی محبت کے نور سے روشناس کراتا ہے۔ یہ کتاب اردو مجلس بہاول پور نے شائع کی ہے۔ حمدیہ شاعری کا یہ مجموعہ ایک حمد مسلسل بعنوان مرا اللہ، مراہادی، مرا مولا اور ایک طویل نظم اور غزل کی ہیئت میں کہی گئی اکتالیس حمدوں پر مشتمل ہے۔ حمدیہ اشعار کی تعداد گیارہ سو کے لگ بھگ ہے۔ حمد مسلسل سات سو چھیاسی اشعار کے مبارک عدد پر مشتمل ہے اور یہ مجموعہ صنعت غیر منقوطہ میں ہے۔ غیر منقوطہ اسلوب میں شعر گوئی یا نثر نگاری کسی پہاڑ کی بلند چوٹی کو سر کرنے کے مترادف ہے۔ یہ کام اتنا دشوار ہے کہ بہت کم اساتذہ فن نے ادھر التفات کیا ہے۔ اس حمدیہ مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ پورے ادب میں سب سے بڑا غیر منقوط مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں کئی اصناف اور کئی بحور استعمال ہوئی ہیں جو اس وجہ سے ضروری ہیں کہ یکسانیت خواہ سحر آمیز ہو پھر بھی کبھی نہ کبھی ملال انگیز ہو جاتی ہے مگر خورشید ناظر نے مثنوی، مسدس (دو مثلثات کی یکتائی) قصیدہ (با قطعہ) ترجیع بند وغیرہ کی ہیئتیں استعمال کی ہیں اور بحور میں بھی رنگا رنگی اختیار کی ہے۔ اس طرح یہ پورا مجموعہ موضوع کی وحدانیت کے باوجود دلکشی سموئے ہوئے ہے۔

(۲) ''حمدِ الٰہ ومدحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' (حمدیہ ونعتیہ مجموعہ)

صنعت توشیح وغیر منقوط میں ''حمدِ الٰہ ومدحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' ایسی کتاب ہے جسے خورشید ناظر کی اس

فن پر پختگی ہونے کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں: 1۔ حمدِ الہٰ 2۔ مدحِ محمد ﷺ۔ پہلے حصے میں اللہ پاک کے غیر منقوط 21 اسمائے جلیل کو شاعر نے کم از کم دو دو توشیحات میں منظوم ہدیہ پیش کیا ہے کیونکہ صرف 21 اسماء الٰہی غیر منقوط ہیں اور دوسرے حصے میں آقائے نامدار ﷺ کے 71 اسمائے پاک کو توشیحات میں نعتیہ نذرانہ پیش کیا گیا ہے جو غیر منقوط ہیں۔ 11 نومبر 2022ء کو اس کی تقریب رونمائی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ہوئی۔ اس کتاب میں مذکورہ صنعتوں کے علاوہ دیگر کئی خوبصورت صنعتیں آمد کی شکل میں اس طرح در آئی ہیں کہ شاعری کا چمن مہک اُٹھا ہے۔ یہ کتاب بھی بہر حال اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جو ہر طرح لاجواب ہے۔ پورے اردو ادب میں 230 صفحات پر مشتمل اپنے طرز کی بے مثال کتاب کا درجہ رکھتی ہے جسے اردو مجلس بہاول پور نے شائع کیا ہے۔

(۳) ''ملاک و محور عالم محمد ﷺ'' (خالص نعتیہ)

''ملاک و محور عالم محمد ﷺ'' اردو زبان میں غیر منقوط نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔ غیر منقوط ایک انتہائی مشکل فن (اسے صنعت مہملہ' یا 'عاطلہ' اہمال اور معرا کہا جاتا ہے) میں لکھا گیا خورشید ناظر کا کلام ہے۔ یہ ان کی ایک منفرد اور بے مثال کتاب ہے جو یقیناً انہیں اللہ کی طرف سے عطا کی گئی ہے۔ ناظر جس بے نیازی اور سادگی سے اپنے اس سفر پر رواں دواں ہیں، ایسی اور کتابوں کی بھی امید رکھی جا سکتی ہے۔ کتاب 2020ء میں اردو مجلس بہاولپور سے طبع ہوئی ہے۔ ''ملاک و محور عالم محمد ﷺ'' 237 صفحات پر مشتمل ہے۔

وہ محور، وہ مصدر سارے عالم کے.....وہ ہی اللہ کا ہے اک اعلیٰ احساں
اسم محمد ہر اک آس کا محور ہے.....اسم محمد سے ہر کام سدا آساں

''ملاک و محور عالم محمد ﷺ'' غزل کی ہیئت میں کہی گئی تریسٹھ (63) نعوت اور کئی منظومات پر مشتمل ایک آزاد نعتیہ نظم بعنوان ''ملاک و محور عالم محمد ﷺ'' سے مکمل ہوئی ہے۔ اس کتاب کے کل اشعار کی تعداد نو سو چالیس (940) ہے۔ اور صنعت غیر منقوط میں لکھی جانے والے اشعار کی تعداد کے اعتبار سے انہی کے غیر منقوط حمدیہ مجموعہ ''واللہ الحمد'' کے بعد دوسری ضخیم کتاب ہے۔

***

علیم صبا نویدی
چینئی (تامل ناڈو)

چندر بھان خیالؔ کی منظوم سیرت ''لولاک''

اُردو میں منظوم سیرتِ پاک کو سب سے زیادہ مقبولیت حفیظ جالندھری کی مکمل سیرت نبوی ﷺ ''شاہنامۂ اسلام'' کو حاصل ہوئی ہے۔ چونکہ حفیظ جالندری امتِ محمدی ﷺ تھے اور اُن کی اس منظوم سیرت میں حضور ﷺ کے تعلق سے اظہار حقائق کے ساتھ، عشق واحترام رسول ﷺ بدرجۂ اتم ملتا ہے اور حضور ﷺ کے تعلق سے تمام صحابۂ کرام پر اجمالی نظر میں جو گہرائی و گیرائی ہے۔ وہ کسی شاعر کے کلام میں غالباً کم ہی ہوسکتی ہے۔ مگر حضور ﷺ کے تعلق سے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والوں میں جو احترام وعقیدت حضور ﷺ سے ملتی ہے وہ واقعی بہت سراہنی ہے۔ دنیا کے عظیم دانشوروں نے حضور ﷺ کی عظمت کو سمجھا اور دل ہی دل میں وہ حضور ﷺ کا احترام کرنے لگے ہیں۔ جہاں انہوں نے تخلیقات میں انہیں برملا کیا تو وہ دلی عقیدت پوری طرح امڈ کر لفظوں میں ڈھلتی گئی۔ اس ضمن میں اگر ہم چندر بھان خیالؔ کا نام نہ لیں تو موصوف کے حق میں ناانصافی ہوگی۔ موصوف سے بھرپور شناسائی رکھنے والے اردو کے عظیم شعراء نے چندر بھان خیال کا ذکر بڑے ہی تعریفانہ الفاظ میں کیا ہے۔ ان عظیم شعراء وادباء وناقدین میں پروفیسر جوگندر پال، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر خلیق انجم، مخمور سعیدی، عظیم اختر وغیرہم کے نامہائے گرامی لیے جاسکتے ہیں جن سے موصوف کے مقام کو طے کر سکتے ہیں۔ اس تناظر سے بھی ہمیں چندر بھان خیال کو پڑھنے کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ موصوف کی دیگر منظومات تو خیر ایک دوسرے تناظر میں مطالعہ میں آتی ہیں مگر حضور ﷺ کے تعلق سے موصوف کی طویل منظوم سیرت کو پڑھنے پر اُکسانے والی ایک بات یہ ہے کہ وہ شخص جنھوں نے خالص ہندو گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور ایک طویل مدت اردو رسم الخط کو سیکھنے میں بتائی، محض بغیر کسی کی تحریک کے حضور ﷺ سے جو تاثر اپنے دل میں لے کر اسے ایک معرکۃ الآراء نظم کی صورت دے رہے ہیں تو انہیں کس طرح سرسری طور پر دیکھ کر نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔

خیالؔ نے اس نظم ''لولاک'' میں اپنی ساری تخلیقی جوہر کو آئینہ بنادیا ہے۔ اس میں نہ صرف

موضوع کو جامد بنا کر پیش کرنے کی سعی ہے بلکہ اظہار کی بہت سی خوبیوں کو اس میں سمیٹنے کی کاوش دکھائی دیتی ہے۔اس نظم میں لفظیات کی سطح پر جب انہیں پرکھتے ہیں تو وہ اپنے ہمعصر شعراء سے بہت ہی مختلف اور منفرد دکھائی دیتے ہیں۔ یہ انفرادی رنگ و آہنگ ہی موصوف کے سب سے زیادہ مقبول بنانے کے لیے کافی ہے۔اس سے آگے جب وہ اپنے آہنگ میں غنایت کو جگہ دیتے ہیں تو ان کا اظہار مزید نکھرتا ہوا لگتا ہے اور قاری جھومنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔نظم کو چھ حصوں میں بانٹ کر ہر حصے کو حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے حالات کے تسلسل کے ساتھ جو تکمیل کو پہنچاتے ہیں تو ہر حصے کے اختصار میں زمان و مکان کو پوری طرح کھپاتے چلے گئے ہیں۔کہیں تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔اس نظم کے یہ چھ حصے یوں طے کئے ہیں:

ایک	:	ولادت سے پہلے
دو	:	ولادت
تین	:	نبوت
چار	:	ہجرت
پانچ	:	جہاد
چھ	:	نصرت

ہر حصے میں مصرعوں کی رفتار سے گویا ایسے لگتا ہے کہ کوئی پاک شفاف نہر بھرپور شباب پر آئی ہوئی رواں دواں ہے اور اس روانی میں ایک ترنگ ہے، ایک نغمہ ہے اور سب سے بڑھ کر ایک الھڑ شوخی و والہانہ پن ہے۔نظم دیکھنے میں بندوں کی صورت میں بٹی ہوئی لگتی ہے مگر غور سے دیکھیں تو ایک بند کا اختتام ہی دوسرے بند کا آغاز لگتا ہے۔ یہ ارتباط ہی اس نظم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہ کیفیت پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے مگر کسی سے یہ نظم سماعت کریں تو یہ طے نہیں کر پائیں گے کہ اس نظم کا کبھی اختتام ہوگا کہ نہیں۔کہیں بھی بند کی صورت میں موضوع تسلسل پذیر نہیں ہے۔

خیالؔ کی اس تکنیک کو قاری محسوس کرلیتا ہے تو اسے بڑا لطف حاصل ہوتا ہے۔ دیکھئے اس نظم کے آغاز میں ’’ایک ولادت‘‘ کے ابتدائی چند شعر لیتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا طریقۂ کار اپنایا گیا ہے۔

ایک: ولادت سے پہلے

حضرت آدم سے پیدا ہوگیا جب آدمی
سمتِ امکانات میں بڑھنے لگا جب آدمی

سینۂ صحرا میں ہر دم جگمگاتا تھا کوئی
تیرۂ و تاریک لمحوں سے گذرنے کے لیے
آدمی کے راستوں میں رنگ بھرنے کے لیے
تہہ بہ تہہ تنہائی کی تہہ میں اترنے کے لیے
بحر و بر کی وسعتوں سے دامنِ افلاک تک
گونجتی تھی اک تڑپ تخیق کی دیوانہ وار
خلوتوں کی خاک میں لپٹے ہوئے دن بیقرار
اور سناٹوں کے آگے بے حیا شب شرمسار
اک طرف مبہم عقائد دوسری جانب فریب

دیکھئے اس نظم میں پہلے دو مصرعے، ہم قوافی و ہم ردیف ہیں۔ تیسرا مصرعہ بالکل جداگانہ۔ پھر تین مصرعے ہم قوافی و ہم ردیف ہیں۔ اس کے بعد کا پھر ایک مصرعہ بالکل جداگانہ۔ یہ ڈھنگ کسی اور کے ہاں نہیں ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا ایک الگ ہی آہنگ رکھا ہے اور اسی پر کاربند ہیں۔

اس طرح ہر چھ حصوں میں وہ ایسی ہی مختلف ڈھنگ کی تکنیک سے کام لیتے چلتے ہیں۔ مثال کے طور پر حصہ ''دو: ولادت'' میں ایک اور ہی ڈھنگ ہے۔ اس کی کتاب یوں کی گئی ہے :

سمت سمت نورانی۔۔۔۔
جس طرح نظر جائے روشنی کی طغیانی
دشت میں کہستاں ہیں، شہر میں بیاباں میں
پرسکون سی ہلچل، عالمینِ امکاں میں ۔۔۔۔اور زمین کے اوپر

اس طرح ''فاعلن مفاعیلن'' کی تکرار مسلسل جاری ہے۔

خیر یہ تو اظہار کی بات تھی۔ اب دیکھیں اس وقیع موضوع والی اس نظم میں چندر بھان خیال کسی طرح حقائق بیانی کے ساتھ اپنے جذبۂ عقیدت کو بھی آسودگی بخشتے ہیں۔ حضور ﷺ کی ولادت کے قت جو سماں باندھتے ہیں وہ قیاسی ہی ہے مگر اس امر کی گنجائش رکھی ہے کہ وہ لمحات اس طرح کے بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ والہانہ انداز بڑا دلپذیر ہے۔

تار تار لمحوں نے، سوگوار لمحوں نے
اک قرار سا پایا بے قرار لمحوں نے

-------اور چہرۂ شب پر
شہر جستجو جاگا، دور ساری ویرانی
جس طرح نظر جائے، روشنی کی طغیانی
علم کا شجاعت کا، سوچ کا، سخاوت کا
پھر علم اٹھا اوپر جہل سے بغاوت کا
-------اور آدمیت کی
ہوگئی جبیں روشن مٹ گئی پشیمانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

آگے چل کر شاعر کا اظہار عقیدت بڑے آب وتاب سے اپنی روشنی پھیلاتا چلا گیا ہے۔

راہِ حق پرستی کو، اوج اور پستی کو
مل گیا مفکر اب فکر گاہِ ہستی کو
-----اور تمام عالم میں
دور دور تک پھیلی روئے حق کی تابانی
جس طرح نظر جائے روشنی کی طغیانی
صبح کی اداؤں میں، شام کی ہواؤں میں
کھل گئی مہک میٹھی، رات کی قباؤں میں
-------اور پہاڑ کا دامن
جیسے ہے فرشتے کی پرسکون پیشانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

مزید آگے بڑھتے ہوئے خیالؔ نے ایک سچے اور اچھے مومن کی بصیرت والی شان دکھاتے ہیں اور اس جگہ پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ موصوف شاعر کا کیا یہ محض فکر ہے یا حقیقی عقیدہ وایمان والا پرتو ہے۔

جھوٹ کی پرستش کی فکر تھی زمانے کو
ناز تھا جہالت پر ہر کسی سیانے کو
اور طفلِ دانا کی ایک ایک حرکت میں
التفات و برکت کے بیسیوں اشارے تھے

اور پھر آگے چلتے ہوئے یہی ایقان مزید تقویت پا کر رونما ہو رہا ہے۔

صبر و شکر کا مسکن، صلحِ کل کا محور ہے
عدل و عزم کا مظہر، نیکیوں کا رہبر ہے
یہ کمالِ قدرت کا وہ عظیم لمحہ تھا
جس نے کھول دی آنکھیں بے شمار لمحوں کی
راہ ہوگئی روشن تار تار لمحوں کی
باغ باغ تھیں سانسیں بے قرار لمحوں کی
ایک ایک لمحے میں ایک اک صدی پنہاں
ممکنہ تمدن کی ذی وقار مظہر تھی
زندگی کی سچائی زندگی کی رہبر تھی
آدمی کے پہلو میں شکلِ حق اجاگر تھی
سرد سُست سناٹا اک طلسم کی زد میں
ناچ ناچ اٹھتا تھا، مسکرائے جاتا تھا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بچپن کی اور پھر جوانی بھی تصویر کشی بہت خوبصورت ہوئی ہے۔ یہ والہانہ پن تبھی خیالؔ سے ممکن تھا جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقیدت میں ڈوب کر گہر تلاشی کرتے ہوں۔

ہر تھکن سے راہی کو بے نیاز کردینا
لو بھرے تھپیڑوں میں نرمیاں سی دھرو دینا

عمر سال بارہ کی اور صبر صدیوں کا
آفتاب کی صورت رخ پہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روشن

ہر پڑاؤ کا حافظ رحمتوں بھرا بچپن
فیض یاب ہر جھرنا، ہر پہاڑ، ہر گلشن

پیچھے چھوٹتے جاتے شہر، گاؤں اور ذیرے
اور منتظر آگے ملک شادمانی کے

ملکِ شام خوشبو کا اور خوش بیانی کا
رنگ و نور و نغمہ کا رقص اور جوانی کا

دلبری، دل آزادی، سادگی، اداکاری
ساحری، ہنر بازی، شاعروں کی استادی

ملک عرب اور شام کی اس حالت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے تعلقی و بے زاری کو بوڑھا راہب تاڑ گیا اور پہچان گیا کہ یہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں جن کی آمد کی خوشخبری صحیفوں میں دی گئی ہے۔ ملک شام میں ابوطالب جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس راہب بحیرا کے پاس لے جاتے ہیں تو وہ جو پیشن گوئی کرتا ہے اس کی منظر کشی بہت خوبصورتی سے ہوئی ہے۔

وہ یقین و ایمان سے علم کا پجاری تھا
اور اس کی رگ رگ میں فرضِ دینداری تھا

قافلے کو دیکھا جب دور پار وادی کے
دور ہیں بحیرا کی جگمگا اٹھی آنکھیں

اک نبیؐ کی آمد پر مسکرا اٹھیں آنکھیں
شان میں محمدؐ کے گیت گا اٹھیں آنکھیں

گیت گاتی آنکھوں نے گرد چیر کر دیکھا
ایک ایک پتھر اور ہر شجر تھا سجدے میں

اس کے بعد کے تمام اشعار بڑی ہی خوبصورت منظر کشی کرتے چلے گئے ہیں اور آخر میں خیالؔ نے یہ باب یوں ختم کیا ہے۔

یہ نشانیاں ساری معتبر نبیؐ کی ہیں
اور سبھی ادائیں بھی سر بہ سر نبیؐ کی ہیں

پھر بحیرا نے پکڑا دستِ ابنؐ عبداللہ
اور کہا ''ابوطالب! یہ جہاں کی قسمت ہے''

یہ زمین کی قسمت ہے، آسماں کی قسمت ہے
آنے والی دنیا کے ہر زماں کی قسمت ہے

سود خور و سازش گر سب یہود فتنوں سے
رب کی اس امانت کو اب تمھیں بچانا ہے

اس باب کا یوم اختتام کرتے ہوئے خیالؔ نے تیسرے باب کی بحر بھی بدلی اور ندی کی وہ تیز روش اب وادیوں میں سیرابی میں خراماں خراماں نازک سی چال لگنے لگی۔ ''نبوت'' تیسرا باب ہے غار حرا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محویت اور عبادت کی منظر کشی کرتے ہوئے خیالؔ اس مرحلے میں آتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔

سورج کی شعاعوں کی صورت تھا خاک کا ہر ذرہ روشن
عابد کی نگاہوں کے آگے معبود بصد جلوہ روشن

اور نور مشکل ہوتے ہی اعصاب سبھی مبہوت ہوئے
مرعوب حواس و ہوش ہوئے آواز فرشتے کی آئی

لفظوں کی تجلی سامنے تھی بجلی سی فضا میں لہرائی
''دیکھو یہ پڑھو'' اک بھاری صدا کانوں میں محمدؐ کے آئی

کی آپؐ نے ہمت اور پوچھا 'میں کیسے پڑھوں اور کیا میں پڑھوں'

پھر ہاتھ دباکر[۱] آپؐ کا جب جبرئیلؑ عبارت پڑھنے لگے
لفظوں کی تجلی سے ظاہر سن سن کے ہر آیت پڑھنے لگے

۱: جبریلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھینچا تھا ہاتھ نہیں دبایا تھا۔

''لو نام اس رب کا اور پڑھو جو خالق و مالک دنیا ہے
اک خون کے جامد قطرے سے انسان کو جس نے پیدا کیا''

اس طرح آہستہ آہستہ حضور ﷺ کو عطیہ نبوت جو ہوئی وہ ساری منظر کشی ہوئی پھر جبرئیلؑ کے دوبارہ نازل ہونے والے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اس مرحلے پر آئے جب اہل قریش اور اہل عرب سے حضور ﷺ کا تصادم ہوا۔ اس مرحلے کے چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

تفریق و تعصب کی رسمیں، جینے کی بجھی اقدار لیے
سب اہلِ قریش اور اہلِ عرب بیکار سے کچھ افکار لیے

تازہ افکار کی خوشبو سے اس قدر پریشان ہو بیٹھے
دن رات حفاظت کرنے لگے اپنے اپنے بت خانوں کی

اور حضور ﷺ کی تلقین و تربیت سے عالم بدلنے لگا، اس مرحلے میں خیالؔ کی سوچوں کے دھاروں کی روشن ملاحظہ کیجئے۔

بکھری ہوئی زلفیں شاموں کی اور صبح کی الجھی دنیائیں
خوشبوؤں کے روشن گھیرے میں تازہ ترتیب پہ اترائیں

بہتی ہوئی نرم ہواؤں کے ہونٹوں پہ ترنم کی خوشبو
دن رات کے چہروں پر سکھ کے آثار ابھرنے لگتے ہیں

بے چہرہ تمدن کے میلے ملبوس اترنے لگتے ہیں
آنے والی تاریخوں کے عنوان نکھرنے لگتے ہیں

امیدوں کے ایسے عالم میں ہر ایک مصیبت ڈھوتے ہوئے
اسلام کا سورج چڑھتا رہا تعدادِ مسلمان بڑھتی رہی

تیسرا باب ختم ہو کر چوتھا شروع ہوتا تھا یعنی ''ہجرت'' تو کرنے کی وجوہات تفصیل طلب تھیں۔ مگر خیالؔ نے اجمالی طور پر چند ہی اشعار میں اس کا نچوڑ پیش کر دیا۔ یعنی معراج کے واقعے پر آ کر یہ موڑ

آجاتا ہے۔

جبرئیل ٹھٹھک کر ٹھہر گئے اور آپؐ ادب سے آگے بڑھے
اٹھا جو حجاب تو قربت کا ضوبار تلاطم چاروں طرف

الطاف و کرم کی بارش اور اللہ کا در سبحان اللہ
اک فرش نشیں کی عرش تلک معراجِ سفر سبحان اللہ

اس رات کے سینے سے نکلی صحرائی سبحان اللہ
ہر گام پہ خوشبو سی مہکی پر کیف ڈگر سبحان اللہ

مکہ سے مدینے جاکے ملی توحید کی یہ ذی شان ڈگر
اسلام کے دیوانے جس پر سر اپنا اٹھاکر چلتے رہے

''ہجرت'' کے باب پر آتے ہی پھر ایک بار بحر میں فوری تبدیلی آجاتی ہے اور اس میں ذرا تیزی درکار تھی کیونکہ اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آزمائشیں تھیں اور ان آزمائشوں کے تذکرے میں ایک ہیجانی کیفیت سی شاعر محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے غالباً اس بحر کو تجویز کرنے میں۔

''ہجرت'' دراصل اخوتِ مسلمین کو استوار کرنے کا ایک بہانہ ثابت ہوئی۔ مہاجرین وانصار کے ملاپ سے اخوت کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ اشعار غور طلب ہیں ؎

آدمی تو آدمی سے دور ہوسکتا نہیں
جاتیوں کے نام پر محصور ہوسکتا نہیں

حکم ہے اس کا کہ جس نے سب کو پیدا کردیا
آدمی کو آدمی سے پیار کرنا چاہیے

آپسی امداد پر اصرار کرنا چاہیے
سچ کا سب کے سامنے اظہار کرنا چاہیے

ہاں! مساوات و محبت کے بنا یہ آدمی
رب کے فیضِ اصل سے محروم ہے سنسار میں

پانچویں باب ''جہاد'' دراصل اسلام کی آخری آزمائش تھی جس سے حق و باطل میں پورا فیصلہ ہوجائے۔ اسی پر اسلام کی بنیاد مضبوط ہونی تھی کیونکہ ظلم سہنا گناہ تھا اور ظالم کو چھوٹ دیتے رہنا مزید برائی تھی۔ یہاں پھر ایک بار ٹھہرا آجاتا ہے پھر ہچکولے کھانے والی منتخب ہوتی ہے۔

بیمار بدن سناٹے میں شیطان اُچھلنے لگتا ہے
نیکی کو جلانے کی دھن میں خود آگ پہ چلنے لگتا ہے

زہریلا دھواں منظر منظر اٹھ اٹھ کے تھرکتا ہے اور پھر
احساس ستانے لگتا ہے باطل کو شکستہ پائی کا

ہر شام نظارہ کرتی ہے عفریت کی بزم آرائی کا
اور شرکِ جلی کے ہونٹوں پر گُن گان بتِ صحرائی کا

ہوتا ہے سپیرے ناچتے ہیں اور سانپ کے پھن لہراتے ہیں
آنکھوں میں چمکتی ہے جن کے ہیجان خداؤں کی دہشت

آخری باب ''نصرت'' پر آ کر بہت پُرسکون انداز میں خیالؔ کے خیال اور فکر کا لہرانے لگتے ہیں اور ان کی اس طویل نظم کو اختتامی مرحلہ نصیب ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ تقریر جو ساری کائنات میں اعلان خداوندی بن کر گونجی اور آج تک اس گونج کی صدا ابھرتی ہوئی سنی جاتی ہے اور سنی جاتی رہے گی۔

ملی راحت ذرا سرکارؐ کو جنگ اور آفت سے
عدو کی سازشوں سے اور اپنوں کی عداوت سے
سکوں کا سال یہ ہجرت کے نو برسوں کے بعد آیا
نبیؐ پھر آئے مکہ میں کیا حج مطمئن ہوکر

مسلمانوں کی بھاری بھیڑ کا اک دلنشین منظر
ہمہ تن گوش ہر مسلم، مخاطب آپؐ منبر پر
خدا نے اپنا وعدہ آج پورا کردیا دیکھو
اُسے تمام بھول مت جانا، یہ احساس سر پہ دھر رکھنا
مری ہر بات کو تم لوگ دل سے باندھ کر رکھنا
کہ میرے بعد وحدت کی روایت کے امیں تم ہو
جہاں میں دین کے اور میری امت کے امیں تم ہو

دیکھئے کہ چندر بھان خیالؔ نے یہ عظیم منظوم سیرت تحریر کرکے اپنے نام کتنا عظیم ذخیرہ جمع کیا ہے۔ رب العالمین ان پر مہربان تھا جو ان سے یہ کام عظیم ہونے دیا اس کا صلہ بھی وہی دے گا۔ ہم موصوف کے شکر گذار ہیں کہ جو کام ہم سے ہونا تھا اُسے انہوں نے کر دکھایا۔ خیالؔ نے اس نظم کا اختتام ہم تمام مسلمانوں کو ایک پیغام سے آگاہ کرتے ہیں۔

مسلمانو! ہمیشہ خود کو ذی علم و ہنر رکھنا
خدا کا نام اور اسلام کی اُمت امر رکھنا

مسوّدہ دیجیے کتاب لیجیے

اگر آپ مصنّف، شاعر، ادیب یا قلمکار ھیں

اور اپنی اُردو/ کشمیری/ انگریزی/ عربی کتاب

مناسب اور رعایتی دام پر چھپوانا چاہتے ہیں

توہم سے رابطہ کریں، انشاءاللہ تسلی بخش سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

اب تک 1800 سے زائد خوبصورت کتابیں چھپ چکی ھیں،

جو ھماری پروفیشنل مہارت کی دلیل ھیں۔

AL-HAYAT *Printographers*

Ist Floor, Khan Complex, Madeena Chowk,
Gaw Kadal, Srinagar - 190001 (Kashmir)
Tel.: 0194-2473818 Cell: 9419403126,9419525103

عبداللہ رحمانی

(ادارہ)

کتابیں جو موصول ہوئیں

''جہانِ حمد ونعت'' کے کتب خانے کے لیے جو کتب بصد شکریہ موصول ہوئیں، ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔ادارہ کتابیں ارسال کرنے والے حمد ونعت شناس حضرات کا بے حد ممنون ہے۔ان شاءاللہ اِن کتابوں پر اگلے شماروں میں تبصرہ شائع کیا جائے گا۔

نام کتاب	**عکس**
تعداد صفحات	**340**
مصنف/ مؤلف	سیّد محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی
نوعیت	یاور وارثی عزیزی نوابی کی نعتیہ منقبتی اور بہاریہ شاعری پر لکھے مضامین کا مجموعہ
سالِ اشاعت	**2018ء**
ناشر/ تقسیم کار	آستانہ عالیہ نوابیہ، قاضی پور شریف، ضلع فتح پورہ، ہسوہ (یوپی)
رابطہ نمبر	**9455306981**
نام کتاب	**ثنا کی نکہتیں**
تعداد صفحات:	**168**
مصنف/ مؤلف:	سیّد محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی
نوعیت	مجموعہ نعت برزمینِ غالب
سالِ اشاعت	**2018ء**
ناشر/ تقسیم کار:	آستانہ عالیہ نوابیہ، قاضی پور شریف، ضلع فتح پورہ، ہسوہ (یوپی)
رابطہ نمبر	**9935347276**
نام کتاب	**قُلزُمِ نُور**
تعداد صفحات	**232**
مصنف/ مؤلف:	یاور وارثی عزیزی نوابی
نوعیت	کلام شارِ جدّت شِعار ادیبِ ذی وقار حضرت سید محمد نور الحسن نورانی عزیزی
سالِ اشاعت	اپریل **2018ء**
ناشر/ تقسیم کار:	آستانہ عالیہ نوابیہ، قاضی پور شریف، ضلع فتح پورہ، ہسوہ (یوپی)
رابطہ نمبر	**9455306981**

نام کتاب	**مجموعہ نعت و مناقب جوئے ثنا**
تعداد صفحات	120
مصنف/مؤلف:	عطاءالدین عزیزی نوابی
نوعیت	کلام باغت نظام سید الشعراء حضرت سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی
ناشر/تقسیم کار:	دبستان نوابیہ عزیزیہ قاضی پور شریف
رابطہ نمبر	9726880001
نام کتاب	**بامِ ایجاب**
تعداد صفحات	148
مصنف/مؤلف:	سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی
نوعیت	مجموعۂ نعت و مناقب
سالِ اشاعت	اپریل 2019ء
ناشر/تقسیم کار:	دبستان نوابیہ عزیزیہ قاضی پور شریف 9415494492، 9726880001
نام کتاب	**محراب**
تعداد صفحات	280
مصنف/مؤلف:	یاور وارثی عزیزی نوابی
نوعیت	مجموعہ نعت و منقب
سالِ اشاعت	2016ء
ناشر/تقسیم کار:	نجم السعید، رضوان عارف 9455306981
نام کتاب	**حدیقۂ رنگ**
تعداد صفحات	200
مصنف/مؤلف:	یاور وارثی عزیزی نوابی
نوعیت	مجموعۂ مناقب
سالِ اشاعت	2019ء
ناشر/تقسیم کار:	دبستان نوابیہ عزیزیہ، قاضی پور شریف، ضلع فتح پور 9455306981
نام کتاب	**حریم نعت**
تعداد صفحات	288
مصنف/مؤلف:	یاور وارثی عزیزی نوابی
نوعیت	نعتوں کا مجموعہ
سالِ اشاعت	2018ء
ناشر/تقسیم کار:	دبستان نوابیہ عزیزیہ، قاضی پور شریف، ضلع فتح پور
رابطہ نمبر	9455306981

نام کتاب	**محبتوں کے چراغ**
تعدادصفحات	160
مصنف/مؤلف:	(قاری)اخلاق فتح پوری
نوعیت	نعت ومنقبت کا مجموعہ
سالِ اشاعت	2017ء
ناشر/تقسیم کار:	(قاری)اخلاق فتح پوری
رابطہ نمبر	9415494492
نام کتاب	**مرکزِ نور**
تعدادصفحات	120
مصنف/مؤلف:	سید محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی
نوعیت	مجموعہ نعت
سالِ اشاعت	2019ء
ناشر/تقسیم کار:	دبستانِ نوابیہ عزیزیہ قاضی پور شریف، فتح پور9426268823
نام کتاب	**رحمت تمام**
تعدادصفحات	176
مصنف/مؤلف:	حبیب سرور عزیزی نوابی
نوعیت	نعتیہ دیوان
سالِ اشاعت	2011ء(باراول)2019ء(باردوم)
ناشر/تقسیم کار:	دبستان نوابیہ عزیزیہ قاضی پور شریف9515494492
نام کتاب	وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
تعدادصفحات	96
مصنف/مؤلف:	یاور وارثی عزیزی نوابی
نوعیت	سلاموں کا مجموعہ
سالِ اشاعت	فروری2018ء
ناشر/تقسیم کار:	یاور وارثی عزیزی نوابی وشاعر محترم
رابطہ نمبر	9455306981
نام کتاب	**موجِ کرم**
تعدادصفحات	112
مصنف/مؤلف:	شائلہ صدف
نوعیت	مجموعۂ نعت ومناقب
سالِ اشاعت	جون2018ء
ناشر/تقسیم کار:	دبستان نوابیہ عزیزیہ9455306981

نام کتاب	**مطلع نُور**
تعداد صفحات	280
مصنف/مؤلف:	سید محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی
نوعیت	مجموعہ نعت ومناقب
سالِ اشاعت	2018ء
ناشر/تقسیم کار:	تنظیم نوابیہ عزیزیہ
رابطہ نمبر	9455306981
نام کتاب	**سرکار کی باتیں**
تعداد صفحات	198
مصنف/مؤلف:	ڈاکٹر شاداب ذکی بدایونی
نوعیت	دیوانِ نعت
سالِ اشاعت	مئی 2023ء
ناشر/تقسیم کار:	شاعر: ذکی منزل، محلہ سوتھا، بدایوں
رابطہ نمبر	9997048150

***

سیرتِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

[سیرت النبی ﷺ پر ایک بالکل ہی نئی کتاب۔۔سیرتِ طیبہؐ پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری پانچ مفصل خطبات کا مجموعہ] • صفحات: 240 • ھدیہ : 125روپے

دستیاب : مکتبہ الحیات9906662404

ماھنامہ الحیات : ایک تعارف

الحیات دینی، فکری، معاشرتی اور تعلیمی میدان میں اصلاح ودعوت کا علمبردار ہے۔ یہ کسی خاص مکتب، مسلک، فرقہ، گروہ، جماعت یا فرد کا ترجمان نہیں، بلکہ اسلام کی آفاقی اقدار کا نمائندہ ہے اور ہر اُس دعوت، فکر، نظریے، تنظیم، ادارے اور فرد کا حامی ومددگار ہے، جو اُمت کے بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے کر چلنے کا داعی ہو۔(ادارہ)

باب

تصوّرات

جہانِ حمد و نعت

اقوالِ زرّیں، اَفکارِ روشن

[حمد و نعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال]

ڈاکٹر محمد حسین مُشاہدؔ رضوی

نعت کا فن اوراس کے لوازمات و مقتضیات

نعت گوئی کا فن : اقوالِ علمائے ادب کی روشنی میں

جس طرح دیگر اصنافِ سخن میں قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل وغیرہ کا اپنا ایک منفرد اور جداگانہ مقام ہے۔ اسی طرح نعت بھی اپنے اصول وضوابط کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ دراصل اصنافِ ادب میں نعت سے زیادہ لطیف، نازک اور مشکل ترین کوئی صنفِ سخن نہیں اور اس سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونا ممکن بھی نہیں اس لیے کہ ذاتِ باریِ تعالیٰ خود رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناخواں و مدح خواں ہے۔

نعت نگار کو اپنا شہبازِ فکر بڑے ہی ہوش وخرد کے ساتھ اس پُرخطر وادی میں پرواز کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس سے اس راہ میں ذرہ بھر بھی لغزش اور کوتاہی ہوجاتی ہے تو اس کا ایمان واسلام اور دین ومذہب دونوں خطرے میں پڑ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نعت کے میدان میں آہستگی کے ساتھ نہایت سنبھل کر حزم واحتیاط کے دامن کو تھامے ہوئے قدم رکھنا ضروری ہے۔ اکثر نعت گوشعرا نے اس پُرخطر وادی میں بڑے ہوش وحواس کے ساتھ قدم رکھا ہے۔علاوہ ازیں ایسے نعت گوشعرا بھی ہیں جن سے اس راہ میں لغزشیں ہوئی ہیں اُن کا ذکر آئندہ ضمنی باب میں کیا جائے گا۔البتہ جن نعت گوشعرا نے اس پُروادی کے خطرات اور فنِ نعت کی اہمیت وعظمت، اس کے مقام ومرتبہ اور تقدس کو محسوس کیا ہے ان کے جذبات واحساسات کو ذیل خیالات کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی :

’’حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے۔‘‘(1)

عبد الکریم ثمرؔ :

’’نعت نہایت مشکل صنفِ سخن ہے نعت کی نازک حدود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی آفاقیت

قائم رکھنا آسان کام نہیں۔ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اورادنا سی لغزشِ خیال والفاظ ایمان وعمل کو غارت کردیتی ہے۔'' (2)

مجید امجد :

''حقیقت یہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت گو کو حدودِ کفر میں داخل کرسکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے، ذرا سا شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے، ذرا سا عجزِ بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔'' (3)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی:

''نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی اور بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے، نقاد کو نعت گو سے باز پُرس کرنے میں تامّل ہوتا ہے اور دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لیے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے، شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔'' (4)

ڈاکٹر اے۔ ڈی۔ نسیم قریشی:

''نعت گوئی کا راستہ پُل صراط سے زیادہ کٹھن ہے اس پر بڑی احتیاط اور ہوش سے چلنے کی ضرورت ہے اس لیے اکثر شاعروں نے نعت کہنے میں بے بسی کا اظہار کیا ہے جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے انسان کی کیا مجال کہ اس کی تعریف کا احاطہ کرسکیں۔''(5)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم اور وسیع موضوع ہے اس کی عظمت و وسعت ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے۔ شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے گیا حمد ومنقبت کی سرحدوں میں۔ اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقتاً نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔''(6)

ظہیر غازیپوری:

''نعت بلاشبہ ایک اہم اور قابلِ توجہ صنفِ سخن ہے۔ اردو نعت نے جب ایک مستقل صنف کا درجہ حاصل کرلیا ہے تو اس کے فنی حسن وقبح پر بے باکانہ انداز میں گفتگو ہونی چاہئے تاکہ

قارئین اور تخلیق کار دونوں حقائق سے واقف ہو سکیں۔'' (7)

ڈاکٹر سید وحید اشرف:

''نعت یقیناً ایک صنفِ شاعری ہے اور فارسی میں ایم۔اے کے نصاب میں فارسی نعتیہ قصیدے شامل ہیں۔اردو میں جب مرثیہ کو نصاب میں شامل کیا جاسکتا ہے تو نعتیہ شاعری کو کیوں نہیں شامل کیا جاسکتا۔''(8)

ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق داناپوری:

''حمد، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، سلام وغیرہ کی طرح نعت بھی اردو فارسی کی ایک مستقل صنفِ سخن کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔لہٰذا نعت اردو شاعری کے اصنافِ سخن میں یقیناً شامل ہے۔''(9)

ڈاکٹر مناظر عاشق ہر گانوی:

''یہ صنف (نعت) اسلامی ارادت وعقیدت کی بنا پر ہی نہیں بل کہ اپنے شعری محاسن کی وجہ سے بھی بے مثال ہے۔اس لیے دوسری اصنافِ سخن میں یہ بھی شمار ہوتی ہے اور بے حد مقبول ہے۔''(10)

ساجد لکھنوی:

''اصنافِ سخن میں نعت ہی ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس کا دنیا کی ہر زبان کے ادب میں بہت کافی سرمایہ موجود ہے اور ہر مذہب اور ملت کے شاعر نے اس صنفِ سخن کے اضافے میں حصہ لیا ہے اور فخرِ کائنات، سید الرسل، محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے۔''(11)

ڈاکٹر محبوب راہی:

''نعت کے اردو کی صنفِ سخن ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ و سلم) حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اوران کے رفقا کے غم کے اظہار کے لیے اردو شاعر ی نے مرثیہ جیسی متاثر کن اور زندۂ جاوید صنف کو زندہ کیا تو کیا خود سرورِ کائنات کے تئیں اظہار عقیدت کے لیے ''نعت'' ایک آزاد صنفِ سخن قرار نہیں دی جاسکتی، اوروں کی رائے کچھ بھی ہو میری اپنی حتمی رائے ''نعت'' کے اردو شاعری کی ایک لاثانی اور لافانی صنفِ سخن قرار دیے جانے کے حق میں ہے۔''(12)

ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی:

''آپ نے حمد کو صنف سخن میں شمار کیا ہے اور صحیح شمار کیا ہے۔اسی انداز کی چیز نعت بھی ہے

یعنی یہ صنفِ سخن اس معنی میں ہے کہ اس کا موضوع متعین ہے اگر چہ ہیئت متعین نہیں۔ ملحوظ رہے کہ بعض اصناف موضوع سے زیادہ اپنی ہیئت سے پہچانی جاتی ہیں، جیسے غزل، رباعی۔ بعض اصناف میں ہیئت اور موضوع دونوں کی قید ہوتی ہے، جیسے قصیدہ۔ اور بعض اصناف صرف موضوع کی بنا پر پہچانی جاتی ہیں، مثلاً مرثیہ، حمد، نعت وغیرہ۔ لہٰذا نعت کو صنف قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اسے ہمیشہ صنف ہی قرار دیا گیا ہے۔'' (13)

مذکورہ بالا فکر انگیز، پاکیزہ خیالات سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ ایسی ارفع واعلا ذات کو جب شاعر اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے تو اسے کن سنگلاخ وادیوں سے گذرنا پڑے گا اور کس قدر قیود و آداب اس کے عنان گیر رہیں گے، لہٰذا نعت گوئی ہماری شاعری میں سب سے زیادہ اہم اور دشوار گزار وہ موضوع ہے جو اس خیال کو استحکام بخشتا ہے کہ جن حضرات کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی تعلق اور روحانی رابطہ ہوگا یقیناً وہی اس پُرخار وادی میں قدم رکھ سکتے ہیں۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جذبۂ ایمانی سے سرشار ہوکر نعت گوئی کے لیے دیوانہ وار قلم برداشتہ نہیں لکھا جائے گا کہ اس طرح شاعر اس مقام تک جاسکتا ہے جو کفر واسلام اور شرک وتوحید کی سرحد ہے۔ اس لیے نعت گو شاعر پر اوزان وبحور ہی کی پابندیاں عائد نہیں ہوتی ہیں بل کہ اسلام اور شریعت کا پاس ولحاظ اس کے لیے لازمی ہے۔ دراصل نعت ہماری شاعری کی وہ محبوب اور پاکیزہ صنف ہے جس کے ڈانڈے ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتے ہیں اور اس کا راستہ بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے، نعت گو جب تک عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر توحید ورسالت اور عبودیت کے نازک رشتوں میں ہم آہنگی پیدا نہ کرے اس وقت تک وہ نعت گوئی کے منصب سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ نعت کا فن نہایت مشکل ہے، کیوں کہ نعت کے مضامین قرآن وحدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اُن مضامین کو نظم ونثر میں اس اسلوب اور طرزِ ادا میں بیان نہیں کیا جاسکتا جیسے دوسرے معشوقانِ مجازی کے ذکر کے وقت شاعر استعمال کرتا ہے، یہاں چشمِ زدن کے لیے بھی ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جانے پر شاعر کا اسلام وایمان تباہ وبرباد ہوسکتا ہے۔

دراصل نعت ایک ایسے ممدوح کی تعریف وتوصیف ہے جس کی بارگاہ میں بے جا مبالغہ آرائی قربتِ ممدوح کا وسیلہ نہیں بن سکتی اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو حق و

صداقت کی ترجمانی سے محروم ہو۔ یہاں قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے، کیوں کہ نعت اُس ذاتِ مقدس کی مدح سرائی ہے جن کی بارگاہ میں دانستہ و نادانستہ ذرا بھی سوے ادب حبطِ اعمال کا سبب ہوسکتا ہے، یہاں ''با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار'' کی منزل ہمہ وقت سامنے رہنی چاہیے۔ غرض یہ کہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصنافِ سخن سے مشکل، اگر حد سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت کی تجلّی خاکستر کردے گی اور کمی کرتا ہے تو تنقیصِ شانِ رسالت کی تیز تلوار شاعر کی گردن ناپ دے گی لہٰذا اس فن کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بڑے محتاط فکر و تخیل، ہوشیاری اور ادب شناسی کی ضرورت پڑتی ہے کسی خیال کو فنی پیکر عطا کرنے سے پہلے اس کو سو بار احتیاط کی چھلنی میں چھان لینا پڑتا ہے تب کہیں جا کر وہ معرضِ وجود میں آتا ہے اور احتیاط کے تقاضوں کو ادا کرتا ہے۔

حواشی

(1) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: الملفوظ، مطبوعہ کانپور، ص 144/145

(2) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج 10، ص 24

(3) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج 10، ص 24

(4) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج 10، ص 25

(5) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج 10، ص 25

(6) نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج 10، ص 25

(7) مکتوب ظہیر غازی پوری، محررہ 28/مئی 2000ء

(8) مکتوب ڈاکٹر سید وحید اشرف، محررہ 3/جون 2000ء

(9) مکتوب ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برقؔ داناپوری، محررہ 28/مئی 2000ء

(10) مکتوب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، محررہ 25/مئی 2000ء

(11) مکتوب ظہیر غازی پوری، محررہ 28/مئی 2000ء

(12) مکتوب ڈاکٹر محبوب راہی، محررہ 23/مئی 2000ء

(13) مکتوب ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی، محررہ 23/جولائی 2008ء

❋ ❋ ❋

باب

تخیّلات

حمد و نعت:

حمد و ثنائے ساقئ ازل جل جلالہ

مدح و ثنائے ساقئ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دُنیا بھر سے شعرائے کرام کا منظوم

حمدیہ و نعتیہ کلام

**

حمدیہ کلام

ڈاکٹر تابش مہدی (مناجات)
تنویر پھول (امریکہ)
ڈاکٹر نوید عاجز
شفیق رائے پوری
پروفیسر حافظ محبوب احمد
محمد صفدر سیاف
محمد ابراہیم خان شوق آکوٹی
سید اسلم صدا آمری (چینئی)

**

نعتیہ کلام

نعیم صدیقی مرحوم
تنویر پھول (امریکہ)
پروفیسر جگن ناتھ آزاد (آنجہانی)
سرفراز بزمی
رخسانہ جبین
مرتضیٰ اشعر
ابوالحسن خاور
شفیق رائے پوری
سلمان رسول
مشتاق فریدی
مشتاق مہدی
اشرف عادل
ڈاکٹر شکیل شفائی
عمران الحق چوہان
ظفر اقبال ظفر
سلطان الحق شہیدی
ڈاکٹر محمد اقبال ناز
پیر حسن انظر
ساغر ہاشمی
مدثر شمن
منیر احمد خاور
ڈاکٹر ریاض احمد قادری
ابوضحیٰ طارق
سیّد شبیب رضوی (قطعہ تاریخ)

**

ڈاکٹر تابش مہدی
ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

مناجات

اے مالکِ کون و مکاں اے مالکِ روزِ جزا
عظمت تیری ہر شے میں ہے ہر فعل میں تیری رضا
رحمت تیری ہے بے کراں بندوں پہ تو ہے مہربان
عرشِ برین والا مکان کچھ بھی نہیں تجھ سے جُدا
محتاج ہے ارض و سماں محتاج ساری کائنات
کل آج تیرے دم سے ہیں دات رات تیری ہی عطا
ہر سوچ پر تیری نظر ذرہ برابر کیوں نہ ہو
ہر شے پہ قادر صرف تُو ، کچھ بھی نہیں تجھ سے چھُپا
تیری نشانی ہے عیاں ہر موج میں ہر بحر میں
سجدے میں تیرے کوہسار رحمت تیری بادِ صبا
روشن جہاں ہے نور سے قاب و قوسین طور سے
سب کچھ فنا ہو جائے گا باقی رہے اللہ سدا
جس نے بھی مانگا آپ سے لوٹا نہیں خالی کوئی
خالق بھی تُو مالک بھی تُو قدرت تیری ہے اے خدا
رستہ وہی ، رہبر وہی ، محفل وہی ، منزل وہی
کس کس نہ ہو یہ آرزو کرے دے میری حاجت روا
مقصود تیری بندگی تیرے ہی دم سے روشنی
جو بھی پکارے آپ کو اُس کا ہوا ہر دم بھلا
نعمت تیری ٹھکرائے کون کتنے کرم ہیں آپ کے
سب پہ ہو تم ہی مہربان سنتا ہے تو سب کی صدا

سب کچھ مسخر کر دیا انسان نے جب کھوج کی
جتنا سفر اونچا کیا تجھ کو ہی پایا اے خدا
ہم سب کی نسبت آپ سے سب ہیچ ہے تیرے بِنا
تو ہی ہمارا کارساز سب کیوں نہ ہوں تجھ پہ فدا
ہر سانس میں تیری مہک ہے نظر میں تیری جھلک
کیسے چھپاؤں رازِ دل ممکن نہیں بدلوں ادا
پاؤ گے اُس کو ڈھونڈ لے ارض و سماں کے نور میں
قرآن کے ہر لفظ میں کعبہ کی اور مروہ صفا
توحید کی بارش سے ہو سیراب ساری کائنات
چاروں سمت قدرت تیری ، تم ہی تو ہو سب سے بڑا
احساس ہے تُو سامنے ہر شے ، ہر نقش ہیں تیرے
موجوں میں تو ساحل میں تو اونچائیوں میں ہے سدا
میری نگاہِ شوق میں تخیلِ پرواز میں
آغاز تیرے نام سے لمحوں میں تُو ہی ہے بسا
مِٹتے رہے یہ بُت کدے گِرتے رہے سارے صنم
زندہ ہو ، شوقِ بندگی ماحول ہی ایسا بنا
علم و عمل کی رو چلے تقویٰ کے ہوں مطلوب سب
مولائے کُل کر دے نصیب ، ایمان کی دولت ہو عطا
تعریف ہو ہر لفظ میں اور ذِکر ہو ہر بات میں
تیرے لیے ہر نظم ہو تیرے لیے حمد و ثنا
جب بھی وصیت آن پڑے جب سامنا ہو رنج کا
بدلے سمت طوفان کا کشتی کنارے سے لگا
پکڑے ہیں دامن آپ کا آغوشِ کرم میں تُو لے
محتاج ہیں سب آپ کے سُن لے ہماری اے خدا
رحمت ہے تیری بے کراں عظمت تیری شایانِ شان

اِک قطرہ بی جس کو ملے اُس کو ملے بے اِنتہا
کیا رحمتیں کیا نعمتیں کیا وُسعتیں کیا بخششیں
خالق ہے تو اے پاک رب مخلوق ہو تجھ پہ فِدا
نا خوف نا غم نا فکر اُس کو جسے تیری پناہ
اُس کو مِٹا سکتا ہے کون جس ہو اللہ رہ نما
سنورے نہ کیوں تقدیر اب آقا ہو جس پر مہربان
قدرت تیری اتنی عظیم ہے حاکموں کا سر جھکا
تاروں کی ٹمٹماہٹیں لہروں کی مسکراہٹیں
رنگینیاں پھولوں کی کیا اللہ ہی سب میں ہے بسا
کھیتوں میں فصل کا عمل پیڑوں پہ پھل ہیں جو اُگے
دیکھیں جِدھر پائیں تجھے کچھ بھی نہیں تجھ سے جُدا
ذرخیز ہیں سارے چمن اِک رحمتِ باران سے
دیتا ہے جب تُو بے پناہ سُنتا ہے تُو سب کی دُعا
عزت ملے دم سے تیرے یہ آپ کے ہیں فیصلے
کردار کا غازی بنا ذلت سے ہم سب کو بچا
یہ روشنی تاریکیاں ، ٹھہراؤ ہو یا زلزلے
قدرت تیری جلوے تیرے تیرا ہُنر تیری ادا
اِنسان مُشتِ خاک ہے مضبوط تیری ذات ہے
ہم کو دِکھا راہِ ہدیٰ اے مالکِ روزِ جزا
آنکھوں کو ہے ٹھنڈک ملے صبر و نماز و روزہ میں
حج کی فضیلت کیا کہیں تقدیر تُو سب کی بنا
وہ سب پشیماں ہو گئے جو دین سے الگ ہوئے
ہوں گے فقط وہ کامیاب اللہ نے جن کو ہے چُنا
اذکارِ مسلسل میں ہیں یہ آبشار و کوہسار
تنکے کی حرکت آپ سے محتاج سورج آپ کا

اِنسان کی پرواز ہو جو وُسعتِ کونین میں
جس نے چُنا ہے راہِ حق محفوظ ہے از ہر بلا
تڑپے یہ روح تیرے لیے دھڑکے یہ دل تیرے لیے
اپنی کوئی ہستی نہیں ہے آرزو اپنا بَنا
مضبوط ہے میرا یقین ایمان بھی مضبوط کر
رحمت سے مالا مال کر نعمت ہی نعمت کر عطا
جو بھی قدم آگے بڑھے ، آگے بڑھے تیرے لیے
سب راستے بیکار ہیں اِک راستہ بس آپ کا
جو آپ کے آگے جھُکا پائی اُسی نے ہے نجات
تیرے ہی دم سے سانس لیں تیرے لیے ہو جان فِدا
ڈھونڈتے تجھ کو ہے جو مانگتے تجھ سے فقط
قدرت کی یہ کاریگری بے شک ہے تُو سب سے بڑا
میں ایک عاصی ہوں ضرور بندہ فقط ہوں آپ کا
شیطان کی راہ سے بچا نارِ جہنم سے بچا
کر دے مقرر راستہ میرے لیے جو ہو صحیح
سب چھوڑ کر آیا ہوں میں اپنے ہی دامن میں چھُپا
دھڑکن ہو بس تیرے لیے ہر سانس میں تُو ہی بسا
تیرے لیے ہی جو جھُکا کردار کا غازی بنا
قربت تیری پیاری لگے تڑپا ہے جب بھی دل میرا
قربان تیری راہ میں یہ مال و جان تُجھ پر فِدا
تابشؔ کی ہے اِک آرزو اللہ ہو ہر دم مہربان
جینا ہو بس تیرے لیے، ہوجاؤں اکمل مسلمان

***

تنویر پھولؔ (امریکہ)

قرآن مجید کی روشنی میں حمدِ باری تعالیٰ

تیرے لئے ہے عظمت، قرآن کہہ رہا ہے☆ ا۔ بس تیری ہے عبادت ،قرآن کہہ رہا ہے

قہّار ہے، قوی ہے لیکن لکھی ہے خود پر ۲۔ ☆ بہرِ عباد رحمت ، قرآن کہہ رہا ہے

۳۔ ایمان تجھ پہ لائیں، اعمال بھی ہوں صالح ☆ اُن کے لئے ہے جنت ،قرآن کہہ رہا ہے

بھیجا نبیؐ آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآں کے ساتھ تونے☆۴۔ اب ختم ہے نبوت ، قرآن کہہ رہا ہے

عمر اپنی مختصر ہے، برزخ میں بھی سکوں دے☆۵۔ نزدیک ہے قیامت، قرآن کہہ رہا ہے

توفیق دے ہمیں تو، منصب نبھائیں اپنا ☆۶۔ مسلم ہیں خیرِ اُمت، قرآن کہہ رہا ہے

تھامیں زمین کو سب، یہ ارض کی ہیں میخیں ۷۔ ☆ تونے بنائے پربت،قرآن کہہ رہا ہے

۸۔ خُلقِ عظیم دے کر بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تونے ☆۹۔ احساں ہے اُنؐ کی بعثت،قرآن کہہ رہا ہے

بندے ہیں تیرے ساجد، مسجود ہے تو سب کا☆۱۰۔ سجدے میں پاؤ قربت،قرآن کہہ رہا ہے

۱۱۔ تو ہے ودود و رحماں، اِس پھولؔ پر کرم کر☆ بندوں سے تجھ کو اُلفت، قرآن کہہ رہا ہے

۱۔ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۶۳۔ ۲۔ سورۃ الانعام ، آیت نمبر ۱۲۔ ۳۔ سورۃ العصر۔ ۴۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۴۰۔ ۵۔ سورۃ الانبیاء، پہلی آیت (حقیقت یہ ہے کہ انسان کے مرتے ہی اس کے لئے قیامت شروع ہوجاتی ہے)۔ ۶۔ سورہ ٔآل عمران، آیت نمبر ۱۱۰۔ ۷۔ سورۃ النباء ،آیت نمبر ۷۔ ۸۔ سورۃ القلم، آیت نمبر ۴۔ ۹۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۶۴۔ ۱۰۔ سورۃ العلق ، آخری آیت ۔ ۱۱۔ سورہ ٔ ہود ، آیت نمبر ۹۰

***

ڈاکٹر نوید عاجز
پاک پتن

قصیدہ در حمد باری تعالیٰ

تشبیب

چشمۂ شوق پڑا ہے اُبل — حمد نگاری کا ہے عمل
اُس کے قصیدہ نگاروں میں — شاہی[۱] دکنی ہے اوّل
اور پھر میر تجلی[۲] ہے — اوج پہ جس کی ہے کوشل
ہے وصّاف ولاّ[۳] بھی اک — حمد سے جس کا دل صیقل
مدح خالق باری میں — انشا[۴] بھی ہے خوب سپھل
مصحفی[۵] کی بھی آنکھ میں تھا — حمد و ثنا کا ہی کاجل
نعت شہیدی[۶] کی مقبول — حمد کو بھی وہ ہے بے کل
خانہ زاد[۷] گورنر بھی — تھا اک عاشقِ حسنِ ازل
ہے ممنون[۸] قصیدہ گو — گلشنِ حمد کا ایک کنول
مومن[۹] بھی وہ نام جپے — جس سے غم جاتے ہیں ٹل
ایک ذکی[۱۰] ہے عبد سعید — جس نے بنایا حمد محل
سالک[۱۱] اُس کا حمد سرا — جس کا ہے ثانی نہ بدل
غالب کا تلمیذ صفیر[۱۲] — وحدت کا ہے سرمنڈل
ہوش[۱۳] نیاز احمد نواب — محو ثنا ہے اک اک پل
رام پوری صفدر[۱۴] نے بھری — حمد کے پانی سے چھاگل
عشقِ خدا سے ہے سرشار — بحر سخن[۱۵] کی اک اک چھل
ڈھاکہ سے اک طیش[۱۶] بھی ہے — حمد کو جاتا ہے جو مچل
مہر نرائن[۱۷] ڈھونڈے اُسے — مار کے ’’سادھو‘‘[۱۸] کی بُگّل
شعر حضور[۱۹] کے ایسے ہیں — دل جائے سینے سے نکل

شعر تمنا[۲۰] کے عمدہ اور عمدہ ہر ایک عمل
اُس کی ''نشیدِ ایماں''[۲۱] تو حمد کی ہے پہلی کونپل
ابراہیم آزاد[۲۲] ہے وہ جس کو کبھی بھائی نہ غزل
اور ظفر[۲۳] مولانا نے حمد کی روشن کی مشعل
ایک ہے اختر جونپوری[۲۴] ڈھونڈے وحدت میں پشکل
فخر عالم صدیقی[۲۵] اُس کے شعر بھی ہیں کومل
اور بچین[۲۶] نے شعر کہے شبنم سے شیتل شیتل
شعر میں اثر زبیری[۲۷] کے حمد کی دکھتی ہے چڑھتل
عشق خدا میں ساحر[۲۸] بھی چل کر آیا سر کے بل
حمد ہے اصغر[۲۹] کی بھی خوب سُن کے دل جاتا ہے پگھل
قاضی حبیب[۳۰] کا طرزِ کلام خوب رواں ہے اور اسہل
دیکھ وفا[۳۱] کے شعروں میں شوقِ ثنا کی ہے چھل بل
چشم شعر عاجز[۳۲] بھی حمد خمار سے ہے اشہل

گریز

حمد کے جو لائق ہے سدا اُس کی حمد کا اب ہے محل
لکھ اک آج کمال گریز آئے روانی میں نہ خلل
کر اپنی آنکھیں روشن سُرمۂ حمد کی بھر مکحل

مدح

اے خامہ! تہذیب میں ڈھل چل جادۂ حمد پہ چل
اب اُس کے اوصاف سنا جس کا ہے ثانی نہ بدل
کُن کہہ کر جس نے کھینچی مصحف ہستی کی جدول
وہ ہے تنہا شرک سے پاک وہ یکتا، واحد، اکمل
وہ رحمن، رحیم، غفور رحم کی وہ بے پایاں چھل
ماں سے بڑھ کر پیار کرے ستاری کا دے کمبل
وہ باسط ارزاق کا ہے اُس سے ہیں سب اہل دول

وہ خالق ہر چیز کا ہے اُس کا عرش ہے اُس کا تل
حشر کے دن کا داور وہ قول اُس کا قولِ فیصل
ہادی ، نافع ، باعث وہ قائد ہے اور ادل
وہ قائم ، دائم ، باقی باقی سب فانی و اَبل
ظاہر وہ ہے باطن وہ آخر وہ ہے ، وہ اوّل
والی ، وارث ، مالک وہ وہ اعلیٰ ، اولیٰ ، افضل
وہ حی القیوم اَحد وہ ماجد ، واجد ، اجمل
سرچشمہ ، منبع ، مرکز ماخذ ، مرجع اور اہل
اُس کے سارے نام حسیں اُس کا ہر اک رُوپ سجل
صیغۂ حاضر میں ہو ثنا اے خامہ ! انداز بدل
لکھ مطلع اب ایسا جو عشق کی بھڑکا دے منقل

مطلع

دل تاریک ہے ربّ سچل حمد کے نور کی دے مشعل
تُو موجود ہے تُو مقصود تُو ہے مفصل ، تُو مجمل
تیرے وجودِ واجب[۳۳] سے شرک شجر ہے مستاصل
تیرا ہمسر کون ہوا تیرے آگے سب اسفل
کون مشبہ بہ ترا ہر تشبیہ سے تُو افضل
کیا تیری صنعت ہو بیاں تُو حکمت میں ہے اکمل
سات فلک ، اوپر نیچے رخنہ ہے نا کوئی خلل
چرخ پہ تارے روشن ہیں جیسے دُلہن کا آنچل
نظمِ جہاں کیا خُوب ترا آج تلک ہے مستعمل
دوزخ جنت کا نقشہ کڑوی چھال اور میٹھا پھل
تیری خوش بُو سے مہکے کیا ریحان اور کیا صندل
تیری خلق نے خلق کیے ریشم ، کستوری و عسل
آتش ، آب ، ہوا اور خاک آدم ان سب کا مجمل

احسن ہے جس کی تقویم — روح کو بخشا وہ ہیکل
خوب اُگائے مٹی سے — میوے ، گیہوں اور چاول
دی کیا دانتوں کی چکی — جس میں ہر شئے جائے کچل
آنکھوں کو منظر بخشے — منظر بھی اُجول اُجول
سننے کو تیرے نغمے — کان یہ رہتے ہیں بیکل
جیبھ بتائے اک پل میں — خربوزہ ہے یا حنظل
ناک سجھائے فوراً ہی — کیا تازہ ہے کیا سڑیل
چھُو کر ہاتھ بتاتے ہیں — یہ کھدر ہے یا مخمل
سوچ فلک سے اُونچی دی — دل بخشا مثلِ نوفل
پھر بھی تجھ کو سوچوں تو — عقل کے پر جاتے ہیں جل
تیرے نام کا آبھاری — جسم کا ہر پُرزہ ہر کل
اپنی آپ دلیل ہے تُو — اور ترا ہر ایک عمل
ہر اِعجاز کے پیچھے تُو — برحق تیرا ہر مرسل
تیرا نور یدبیضا[۳۴] — ورنہ کیا موسیٰ کی بغل
تیرا اذن اگر ہو تو — یونس کو مچھلی[۳۵] دے اُگل
پانی ، بُوٹی ، آگ ،چھری[۳۶] — سب کو تیرا حکم اٹل
تُو محبوب ہے ، تُو مطلوب — تجھ سے ہے دل میں ہلچل
حمد قصیدہ تیرے لیے — تیرے لیے ہے میری غزل

غزل

تیرا حُسن فزوں پل پل — جو دیکھے وہ جائے مچل
تجھ سے ملن کی آس میں ہوں — رُخ سے ہٹا بھی دے آنچل
ہاتھ کی ریکھاؤں میں تُو — تیری خبر دے مجھ کو رمل
تیرے حُسن کے آگے کیا — کومل کلیاں پھول کنول
صدیوں پر بھاری ٹھہرے — تیری یاد میں گزرا پل
ایسا وفا کا پیکر تُو — جس کا نہیں ہے کوئی بدل

مجھ پر گیان سمان اُتر   میری سوچ میں ہو جا حل
مجھ پر ایسا عشق اُتار   ہر سُو تُو ہو تُو سانول
دید کا پیاسا عاجزؔ بھی
تیرے ہجر میں ہے بیکل

مطلع

کلک صدف پھر موتی اُگل   پھر جادۂ حمد پہ چل
اے کہ شہ رگ سے نزدیک   اے کہ آنکھوں سے اوجھل
کیوں نہ کروں تقدیس تری   تُو سبحان ہے تُو نرمل
تُو الطاف کا مخزن ہے   تیری عطاؤں کا نہ بدل
کوئل ، بلبل اور چنڈول   جنگل میں گائیں منگل
شاہیں کو پرواز ملی   مچھلی کو بخشا ہے جل
ہر شے ہے مرزوق تری   کیا مینا ، کیا شیر ، جمل
یہ گل بوٹے پیڑ پرند   نام جپیں تیرا پل پل
تیرے نور سے روشن چاند   سورج کی تجھ سے جھل بل
تیرے جلال کے مظہر ہیں   بحر ، بیاباں ، دشت ، جبل
تجھ سے لطافت پاتے ہیں   پتی ، پھول ، ہوا ، کونپل
تُو نے خاص کیا ورنہ   میں کہ تھا لفظِ مہمل
تیرے رحم کا نام بہشت   اور دوزخ کرموں کا پھل
تیرے حکم کے تابع ہیں   لوح ، قلم ، تقدیر ، اجل
کیا منگلیک[۳۷] ترے آگے   ساڑھ ستی[۳۸] کیا ، کون زحل[۳۹]
تیرا نام شفا ٹھہرا   ہر دُکھ کا تُو واحد حل
تُو ہی دل کا چین سکون   دل تجھ نام سے جائے بہل
دل میں یاد تری اُتری   یوں جیسے وحیِ مُنزل
دھڑکن سے بھی واقف تُو   تیری ذات سے کیا اوجھل
مجھ میں رچایا تُو نے ہی   خیر و شر کا یہ دنگل

تجھ سا کوئی وکیل نہیں   گھوم پھرا ہوں سب منڈل
جس کو ڈسے حبِ دنیا   اُس کو تیری یاد کٹھل
تیرے رحم کی بارش تو   عفو گلوں سے بھر دے تھل
تیرے قہر کی سونامی   سیدھے کر دے سب اڑیل
تیرے نام سے کانپتے ہیں   کعبہ دل کے لات و ہبل
صدق و صفا اوصاف ترے   تجھ کو نہ بھائے رسم دغل
تجھ کو پسند نہیں ہرگز   جادو ، فال ، نجوم ، رمل
لا محدود تری ہستی   اور محدود مری اٹکل
باقی ہیں اوصاف ترے   خامہ حیراں ، سوچ ہے شل

دعا

کیسے ہو تعریف تری   میں عاجز ، ارذل، اجہل
تجھ سا مجیب نہیں کوئی   سُن لے ، خدائے عزوجل!
مایوسی کے صحرا میں   تُو اُمید کا ہے بادل
دین کے دشمن ہوں نابود   سر پہ پڑے اُن کے بھوبل
بھارت ، یوایس[۴۰] ، اسرائیل   اور فرانس کا نکلے بل
پھر ہے کفر چڑھائی پر   بھیج ابابیلوں کا دَل
پاک وطن محفوظ رہے   اس کا ہر دشمن دے کچل
مجھ کو ہیں ماں باپ عزیز   رحم سے کر اُن کو بھی سپھل
فائق ، سعد ، حریم ، ایجو[۴۱]   تُو جو سنبھالے جائیں سنبھل
حضرت مہدیؑ[۴۲] کی حامی   آل مری ہو وقت جدل
بھائی بہن آباد رہیں   دے اُن کو اولاد سا پھل
زوجہ اور اُس کے ماں باپ   سب کو نصیب ہو خُلد عسل
آسودہ احباب رہیں   راہِ عدم میں مثل کنول
میں اس نفس کا دھتکارا   لوٹ آیا ہوں رب سچل
کر کے توبہ دان مجھے   برسا دے نروان کا جل

مجھ کو اپنا گھر دکھلا میرا سر ہو تری سردل
شہر مدینہ بھی دیکھوں جاؤں مدینے سر کے بل
روضے کی جالی چوموں لفظ اشکوں میں جائیں ڈھل
قبر کی منزل ہو آساں ہو میزان پہ مشکل حل
مجھ سے کر ہر خوف کو دُور رحمت کی دے کر بُکل
بخشش، ہے رحمت پہ تری میں عاجزؔ کیا میرا عمل
رحم ترا گر ہو جائے اے میرے کامل اکمل!
چل جائیں کھوٹے سِکّے
بن جائے جنت مدخل

==========================

حواشی وحوالہ جات

۱۔ علی عادل شاہ ثانی بیجاپور کے آٹھویں فرماں روا گزرے ہیں ، جو شاہی تخلص کرتے تھے۔کلیات شاہی میں ۲۷ شعروں کا ایک حمد یہ قصیدہ موجود ہے جسے حمد یہ قصیدہ نگاری کی روایت میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

۲۔ اصل نام میر محسن تجلی ہے اور یہ رشتے میں میر تقی میرؔ کے بھانجے ہیں۔

۳۔ مظہر علی خاں ولاؔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں شامل ہیں۔ دیوانِ ولاؔ کے ۳۵ قصائد میں پہلا قصیدہ حمد کا ہے۔

۴۔ انشااللہ خاں انشا، مصحفی کے ہم عصر ہیں۔اُن کے ہاں ایک بھرپور حمد یہ قصیدہ موجود ہے۔

۵۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے ۸۴ قصائد میں ایک قصیدہ حمد کا بھی ہے۔

۶۔ کرامت علی شہیدی شاعری میں مصحفی کے شاگرد ہیں۔اُن کا یہ نعتیہ قصیدہ بہت مقبول ہوا:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا..... سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے..... قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

۷۔ خانہ زاد کا اصل نام محمد علی مہکری ہے اور اُن کا تعلق قاضی محمود دریائی کے خاندان سے ہے۔وہ

ٹیپو سلطان کی طرف سے مختلف ریاستوں کے گورنر تعینات کیے گئے۔اُن کے کلیاتِ قصائد ''گنجِ شائیگاں''میں ستر سے زائد قصائد موجود ہیں جن میں سے پہلا قصیدہ حمد کا ہے۔

۸۔ میر نظام الدین ممنون دہلوی اکبر شاہ ثانی کے اُستاد تھے اور ایک قادرالکلام قصیدہ گو کی حیثیت سے اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔

۹۔ حکیم مومن خاں مومنؔ کے ہاں بھی ۶۷ شعروں کا ایک حمدیہ قصیدہ موجود ہے۔

۱۰۔مہدی علی خاں ذکی تاریخ اور علم معما کے ماہر تھے۔اُن کی کلیات میں ایک حمدیہ قصیدہ شامل ہے۔

۱۱۔قربان علی بیگ سالک حمدیہ قصیدہ نگاری کی روایت کا ایک اہم نام ہیں۔اُنھوں نے مومن اور غالب سے اصلاح لی۔

۱۲۔صفیر بلگرامی غالب کے شاگرد تھے۔اُن کا اصل نام سید فرزند احمد ہے۔اُنھوں نے پانچ مطلعوں پر مبنی ایک طویل حمدیہ قصیدہ لکھا ہے جس میں تصور توحید کے علاوہ اسلامی عبادات وعقائد کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

۱۳۔نواب نیاز احمد ہوش بریلوی نجوم، طب اور تصوف سے شغف رکھتے تھے۔اُنھوں نے ۱۳شعروں کا ایک حمدیہ قصیدہ بھی لکھا ہے۔

۱۴۔صفدر علی خاں کا تعلق رام پور کے نواب خاندان سے ہے۔امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ اُنھوں نے ایک بھرپور حمدیہ قصیدہ لکھا ہے۔

۱۵۔سخن دہلوی کا اصل نام خواجہ سید محمد فخرالدین حسین ہے۔وکالت پیشہ تھے۔دیوان سخن میں ۲۷ شعروں کا ایک عمدہ حمدیہ قصیدہ موجود ہے۔

۱۶۔رحمن علی طیش کا تعلق ڈھاکہ سے ہے۔ان کا حمدیہ قصیدہ مختصر مگر جذبے کے رچاؤ سے بھرپور ہے۔

۱۷۔سورج نرائن مہر دہلوی فلسفہ ودانت یا تصوف پر چارک تھے۔اُن کے قصائد میں تصورِ خدا کی فلسفیانہ شرح وتعبیر ملتی ہے۔۱۹۳۲ء میں وفات پائی اور لاہور میں دفن ہوئے۔

۱۸۔مہر دہلوی نے اپنے فلسفیانہ نظریات کے فروغ کے لیے''سادھو''کے عنوان سے ایک رسالہ جاری کیا۔

۱۹۔ حضور عظیم آبادی کا اصل نام شیخ غلام یحییٰ ہے۔صوفی مشرب تھے۔

۲۰۔مولوی محمد حسین تمنا، مراد آباد کے رہنے والے تھے۔اُنھوں نے مذہبی شاعری کو اپنایا ہے۔

۲۱۔تمنامرادآبادی کے حمدیہ مجموعے ''نشید ایماں'' کوحمد نگاری میں اولیت کا درجہ حاصل ہے کیوں کہ یہ پہلا مجموعہ ہے جس میں صرف حمدیہ کلام شامل ہیں۔

۲۲۔محمد ابراہیم آزاد بیکانیر میں وکیل تھے۔ بے خود دہلوی سے اصلاح لی۔ وہ حافظ سید جماعت علی شاہ نقشبندی علی پوری کے خلفا میں سے تھے۔

۲۳۔مولانا ظفر علی خاں کے مجموعے ''بہارستان'' میں دو حمدیہ قصائد موجود ہیں۔

۲۴۔اختر جون پوری کے ہاں بھی ایک حمدیہ قصیدہ ملتا ہے۔

۲۵۔فخر عالم صدیقی کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ انھوں نے فخریہ تشبیب کے ساتھ ایک حمدیہ قصیدہ لکھا ہے۔

۲۶۔بیچین رجپوری نعت کا معروف حوالہ ہیں۔ اُنھوں نے حمدیہ قصیدہ بھی لکھا ہے۔

۲۷۔اثر زبیری ایک قادرالکلام شاعر ہیں اُنھوں نے ''سحر البیان'' کے عنوان سے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ۱۹۹۴ء میں کراچی میں وفات پائی۔ اُنھوں نے ایک پُرشکوہ حمدیہ قصیدہ لکھا ہے۔

۲۸۔ساحر لکھنوی کا اصل نام سید قائم مہدی ہے۔ اُن کے مجموعے ''صحیفہ مدحت'' میں چالیس اشعار کا ایک حمدیہ قصیدہ محسن کاکوروی کی زمین میں ہے۔

۲۹۔سید اصغر علی شاہ (م:۲۰۱۶ء) ملتان میں عربی کے پروفیسر تھے۔ اُن کے کلیات میں ایک خطابیہ قصیدہ موجود ہے۔

۳۰۔قاضی حبیب الرحمن کا تعلق عارف والا سے ہے۔ اُردو کے ریٹائرڈ پروفیسر ہیں۔ اُن کا ۵۹ شعروں پر مبنی ایک حمدیہ قصیدہ ماہ نامہ، بیاض، لاہور میں اکتوبر ۲۰۱۰ کے شمارے کی زینت بنا ہے۔

۳۱۔غلام علی وفا کا حمدیہ قصیدہ راقم کو جناب شاعر علی شاعر کی وساطت سے دستیاب ہوا ہے مگر افسوس کہ قصیدہ نگار کے احوال نہیں مل سکے۔

۳۲۔راقم (نوید عاجز) کا تعلق پاک پتن سے ہے۔ گورنمنٹ فریدیہ کالج پاک پتن میں اسسٹنٹ پروفیسر اُردو کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے۔ پی ایچ ڈی اُردو کا مقالہ بہ عنوان ''اردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری'' حتمی جانچ کے لیے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی میں جمع کروا چکا ہے۔

۳۳۔واجب الوجود اہلِ فلاسفہ اور صوفیا کے ہاں استعمال ہونے والی اصطلاح ہے۔ صوفیا کے نزدیک ایسا موجود جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کے سوا تمام موجودات ممکن الوجود ہیں جو فانی ہیں۔

۳۴۔ید بیضا کے معنی ہیں ''چمکتا ہوا ہاتھ''۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات میں سے ایک ہے۔وہ جب اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر باہر نکالتے تھے تو وہ روشن ہوتا تھا۔

۳۵۔حضرت یونس علیہ السلام ایک عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ جب اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تو مچھلی نے حکم ربی سے اُنھیں اُگل دیا۔

۳۶۔اس مصرع میں چار معجزات کا ذکر ہے۔ پانی کا واقعہ حضرت طالوتؑ کی قوم سے متعلق ہے اور سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۲۴۸ میں اس کا ذکر آیا ہے۔ حضرت طالوتؑ جب بنی اسرائیل کو لے کر ظالم بادشاہ جالوت سے جنگ کے لیے نکلے تو راستے میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہر پر پانی کے ذریعے اُن کی آزمائش کی اور ایک چلّو سے زیادہ پانی پینے سے منع فرمایا۔ روایات کے مطابق جن لوگوں نے زیادہ پانی پیا، اُن کی پیاس بجھنے کے بجائے مزید بھڑک اُٹھی یعنی اللہ نے پانی سے پیاس بجھانے کی صلاحیت سلب کر لی۔

بُوٹی کا معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے۔ صاحب ''جامع السعادات'' نے اسے اسرائیلی روایات میں شامل کیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیٹ درد کی شکایت ہوئی تو اُنھوں نے کوہِ طور پر اللہ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی ایک جڑی بُوٹی کی طرف رہنمائی فرمائی جس سے اُنھیں شفا ہو گئی۔ ایک مرتبہ پھر اُنھیں یہی شکایت ہوئی تو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیے بغیر بُوٹی استعمال کر لی لیکن شفا نہ ہوئی۔ جب بارگاہِ الٰہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شفا میرے دست قدرت میں ہے۔

آگ کا کام جلانا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمرود کی جلائی ہوئی آگ سرد پڑ گئی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیحہ کے موقع پر چھری کی دھار اللہ کے حکم سے کند ہو گئی۔

۳۷۔منگلیک علم نجوم کی اصطلاح ہے۔ ایسے لوگ جن کے زائچہ پیدائش میں مریخ (منگل) ایک مخصوص پوزیشن میں آ کر ناقص اثرات ڈالے تو انھیں منگلیک کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ شادی کے بعد ایسے لوگوں کے جیون ساتھی کی جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔

۳۸۔زحل سیارے کی نحوست کے اثرات کا مخصوص دورانیہ جو ساڑھے سات سال پر مبنی ہوتا ہے، ساڑھ ستی کہلاتا ہے۔

۳۹۔ایک سست رفتار سیارہ مجازاً منحوس آدمی۔

۴۰۔یو ایس اے سے مراد ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہیں جن کی تعداد پچاس ہے۔ سوویت یونین کا شیرازہ بکھرنے کے بعد پوری دنیا پر امریکہ کی عمل داری ہے اور یہ ملک بھی یورپی ممالک کی طرح

اسلام دشمنی پر ہمہ وقت مصروف کار ہے۔

۴۱۔راقم نے اپنے بچوں کے لیے دعا کی ہے جن کے نام یہ ہیں: سعد حسن، حریم فاطمہ، فائق احمد اور لویزہ فاطمہ جسے گھر میں پیار سے ''ایجو'' بلاتے ہیں۔

۴۲۔علمائے اسلام کے مطابق فتنہ دجال کو کچلنے کے لیے آخری زمانہ میں امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔اُن کا نام محمد یا احمد ہوگا، وہ سادات میں سے ہوں گے اور اس وقت کے اہلِ ایمان اُن کا ساتھ دیں گے۔

فرہنگ

الف	معانی	جدول	حاشیہ، گوشوار
اٹکل	اندازہ، قیاس	جمل	اونٹ
اجہل	جاہل	چ	
اسفل	کم تر، حقیر	چڑھتل	اُٹھان، زور
اسہل	آسان تر	چنڈول	ایک پرندہ
اشہل	آنکھ کا نیلگوں سرخ ہونا	چھاگل	مشکیزہ، پکھال
اَبل	کمزور، نحیف	د	
اُجول	اُجلا	دول	دولت کی جمع
آبھاری	احسان مند	دَل	لشکر
ب		زحل	ایک سیارہ، مجازاً منحوس آدمی
بل	غرور، طاقت	ریکھاؤں میں	ہاتھ کی لکیروں میں
بُکل	چادر، اُوڑھنی	س	
پ		ساڑھ ستی	زحل کی نحوست کے ساڑھے سات سال
پشکل	کثرت، متعدد	سپھل	کامیاب
ت		سجل	سجا ہوا، آراستہ کیا ہوا
تلمیذ	شاگرد	سردل	چوکھٹ کے اوپر والی لکڑی
ج		سرمنڈل	ایک قسم کا ساز بجانے والا

جدل — لڑائی

سیتل — ٹھنڈا، سرد (شیتل)

ش

شل

ص

صدف — سیپ

صیقل — جلا، چمک

ع

عزوجل — اُس کی عزت اور حمد ہو

عسل — شہد

ک

کٹھل — ایک درخت جس کا پھل سانپ کے کاٹے میں مفید ہوتا ہے۔

کلک — قلم

کوشل — خوش بختی

گ

گیان — علم وعرفان، دانش

م

مجمل — مختصر

مخزن — خزانہ

مدخل — داخل ہونے کی جگہ

مشبہ بہ — جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے

سان — حرف تشبیب، کی طرح

مکحل — سُرمے کی سلائی

مرجع — پناہ، ٹھکانا

منڈل — کرۂ ارض مراد دنیا

منگل گانا — مبارک باد گانا، خوشی منانا

مہمل — متروک، بے معنی

ن

نروان — نجات، مکتی

نوفل — سمندر

و

وحیِ مُنزل — نازل شدہ وحی

وجود واجب — صوفیا کے نزدیک ایسا موجود جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

وصّاف — صفت وثنا کرنے والا

ہ

ہبل — عرب مشرکین کا معبود بُت

***

شفیقؔ رائے پوری
جگدلپور بستر چھتیس گڑھ (انڈیا) رابطہ : 7974912700

حمدِ باری تعالیٰ

نہ چھوٹے مجھ سے کبھی یہ اساس یا اللہ
ہمیشہ بن کے رہوں تیرا داس یا اللہ

بتاؤں حشر میں جس کو اساس یا اللہ
عمل بھی ایسے نہیں میرے پاس یا اللہ

ترے ہی نور سے شاداب سارا گلشن ہے
تمام پھولوں میں تیری ہی باس یا اللہ

شعور و فکر سے ہے ماورئٰ مقام ترا
ہے تیری ذات بعید از قیاس یا اللہ

یہ اور بات کہ ادراک ہو نہیں پایا
مگر ہے تو مِری شہ رگ سے پاس یا اللہ

ترِی ہی راہ پہ چلتے رہیں ترے بندے
دلوں میں ہو ترا خوف و ہراس یا اللہ

چھڑا دیا مرے ہاتھوں سے میرے عصیاں نے
نہیں ہے دامنِ ہوش و حواس یا اللہ

نہال ہو جو برس جائے جم کے ابرِ شفا
بہت دنوں سے ہے یہ دل اداس یا اللہ

نبی کی دید سے سیراب کردے آنکھوں کو
ستا رہی ہے زیارت کی پیاس یا اللہ

تری عطاؤں کی طالب نہیں فقط دنیا
شفیقؔ کو بھی ہے رحمت کی آس یا اللہ

***

پروفیسر حافظ محبوب احمد
سرگودھا

(۱)

فلسفۂ ہست و بود (حمدِ باری تعالیٰ)

ہر قدم پر تری رحمت کا ہے سایہ دیکھا
موجزن تیری عطاؤں کا ہے دریا دیکھا

تیری عظمت پہ ہے جب غور کیا اس دل نے
ذرے ذرے میں ہے یا رب! کوئی صحرا دیکھا

آنکھ جب بھی ہے اٹھی تیرے مناظر کی طرف
قطرے قطرے میں ہے یا رب! کوئی دریا دیکھا

تیری قدرت کے ہی جلوے نظر آئے ہرسمت
آسماں دیکھا، زمیں دیکھی کہ ذرّہ دیکھا

تیری قدرت کا ہی غمّاز ہے عالم یہ تمام
ہر طرف ہے ترے کن کا ہی کرشمہ دیکھا

رات دیکھی ہے کہ دن دیکھا کہ دیکھے آفاق
تیری قدرت کا ہی ہنگامہ ہے برپا دیکھا

پھول گزرے ہیں نگاہوں سے کہ دیکھے کانٹے
تیری قدرت کے سفیروں کو ہی گویا دیکھا

فصل گل ہو کہ خزاں ہوکہ کوئی موسم ہو
تیری صنّاعی کا ہرسمت ہے چرچا دیکھا

شش جہت چلتی ہواؤں کی یہ تصریفِ مدام
تیرے احکام کا ہر سمت ہے شہرہ دیکھا

تو جو چاہے تو کبھی رات نہ ہو، دن بھی نہ ہو
تیرا محتاج ہے ہر ایک نظارہ دیکھا ہے

شان ہر چند کہ ہے "لیس کمثلہ " تری
ہست نے ہست میں ہے تیرا سراپا دیکھا

جو بھی موجود ہے، اس میں ہے نہاں تیراوجود
تری ہستی کا ہی ہرہست میں جلوہ دیکھا

کون ہے جو تری درگاہ سے ہو مستغنی
مہرومہ کو بھی ترے در پہ ہے جھکتا دیکھا

نیست و نابود ہے، جسکو بھی ہے دعوائے وجود
ہست اک تو ہے، یہی عقل کا فتویٰ دیکھا

***

(۲)

خزاں کے بعد چمن کو بہار دیتا ہے
وہی تو ہے جو زمیں کو نکھار دیتا ہے

وہ مینہ بن کے برستا ہے ٹہنی ٹہنی پر
ہر ایک شاخ کو کیسے سنوار دیتا ہے

اسی کے حکم سے روئیدگی ہے رو بہ عمل
چمن کو پھول تو صحرا کو خار دیتا ہے

اسی نے پیدا کئے ہیں یہ نوع نوع کے پھل
کہیں وہ سیب، کہیں وہ انار دیتا ہے

وہ کشتی جو ہو سمندر میں ڈوبنے کے قریب
وہ چاہے تو اسے پل میں ابھار دیتا ہے

اسی کے ہاتھ میں ہیں زندگی کے سب اسباب
اسی کی مرضی، جسے چاہے مار دیتا ہے

اسی کے ہاتھ میں بسط و کشاد کی ہے کلید
وہ جب بھی دیتا ہے تو بے شمار دیتا ہے

وہ آئے دینے پہ اپنے خزانوں سے تو پھر
فلک سے منّ کہ سلویٰ اتار دیتا ہے

معاملے جو سنورنے سے دور ہوجائیں
وہ ایک پل میں انہیں بھی سنوار دیتا ہے

اسی کے ذکر سے ہوتے ہیں مطمئن یہ قلوب
وہی تو ہے جو دلوں کو قرار دیتا ہے

وہی تو ہے جو دکھاتا ہے رہ مدینے کی
دلوں کو عشقِ نبی کا خمار دیتا ہے

جو اس کے پیارے ہوں حد سے زیادہ اے محجوب
انہیں وہ اپنے نبی کا جوار دیتا ہے

***

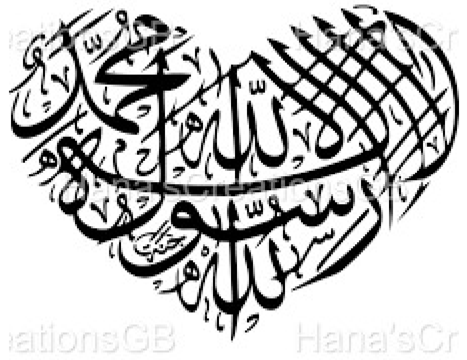

محمد صفدر سیاف

حمد باری تعالیٰ

زباں پر مری جو یہ حمد و ثناء ہے ، اُسی کا کرم ہے اُسی کی عطاء ہے
عبادت کے لائق وہ ذاتِ علیٰ ہے ، ہم اُس کے ہیں بندے وہ سب کا خُدا ہے

سبق ہم کو جس کا قرآں سے ملا ہے ، وہی انبیاء اولیاء نے کہا ہے
کوئی وقتِ مشکل اگر آپڑا ہے ، وہ حاجت روا ہے وہ مشکل کُشا ہے

ازل سے ابد تک وہ تنہا اکیلا ، مشابہ مقابل نہیں کوئی اُس کا
بجز اُس کے کوئی نہیں دوسرا ہے ، وہی ابتداء ہے وہی انتہاء ہے

کوئی اُس سے مخفی جہاں میں نہیں ہے ، زمیں میں نہیں آسماں میں نہیں ہے
وہ سب دیکھتا ہے وہ سب جانتا ہے ، بڑا با خبر وہ بڑا آشنا ہے

اُٹھی چار سُو جب نگاہِ تفکُّر ، ہوا فہم و ادراک محوِ تحیُّر
یہ کہتے ہوئے سر جُھکا یا خِرَد نے ، وہ بالا و اعلیٰ وراء الوراء ہے

یہ صحراء یہ گُلشن اُسی نے بنایا ، زمین و فلک سب اُسی نے سجایا
اگر چشمِ بینا سے دیکھو اُسے تم ، وہ ہر ذرّہ ذرّہ میں جلوہ نُما ہے

رہوں جب تلک میں سلامت خُدایا ، مرے لب پہ دائم ہو مدحت خُدایا
بجز اِس کے صفدر نہ کچھ چاہتا ہے ، یہی آرزو ہے یہی التجاء ہے

***

محمد ابراہیم خان شوق آکوٹی
Akot (Distt. Akola) Maharashtra

حمدیہ غزل

رسولِ پاک کی سیرت پہ تو فدا ہوں میں
نمونہ بن نہ سکا پورا ، بس ذرا ہوں میں

سوار سر پہ ہے باطل، یہ بوجھ اتار خدا
مرا عقیدہ بچا لینا ، بس ترا ہوں میں

مجھے تو آپ کی رحمت کا ہی سہارا ہے
وگرنہ سر سے لے کے پیر تک خطا ہوں میں

یہ بات سچ ہے کہ مجھ میں شعور تو کم ہے
مگر کسی کے بھی در پر نہیں جھکا ہوں میں

مرا یہ فکر یہ فن، سب تری نوازش ہے
قلم بھی کہتا ہے "اللہ کی عطا ہوں میں"

جو نارِ ہاویہ سے بچ گئے وہ ہیں ناجی
دعا بچانے کی تجھ سے ہی مانگتا ہوں میں

نہ ڈر اے ناخدا کشتی تری نہ ڈوبے گی
"خدا پکار رہا ہے کہ نا خدا ہوں میں"

قسم خدا کی، نہیں شوق جھوٹ کا شیدا
زمانہ جانتا ہے ، حق پہ ہی فدا ہوں میں

سید اسلم صدا آمری (چینئی)
sadaulaamiri@gmail.com

حمد باری تعالیٰ

تو وجہِ سکوں ہے مری دھڑکن کا سبب ہے
میں عبد(۱) محمد ﷺ ہوں، محمد ﷺ کا تو رب ہے

اسباب کی دنیا میں مسبب بہ سبب ہے
یا رب ترے ملنے کا یہ انداز عجب ہے

ہر طرح کی تعریف سزاوار تجھی کو
رحمان و رحیم اور تو کونین کا رب ہے

کچھ تیرے سوا مانگوں تو پھر شرک طلب ہو
تو ہی مرا مطلوب، میرا حسنِ طلب ہے

یا رب مجھے اس راہ چلا، جن سے ہے راضی
رکھ دور مجھے ان سے ترا جن پہ غضب ہے

ہر ذرے میں تیرا ہی سراپا نظر آجائے
فردوس یقیں یہ مرا صحرائے عرب ہے

(۱)عبد بمعنی : غلام

***

نعیم صدیقی مرحوم

ہے چہرہ چاند، ساری شخصیت ہے چاندنی، آہا

ہے چہرہ چاند، ساری شخصیت ہے چاندنی، آہا .... گواہی دی نگاہوں نے، تمھی یٰسیں، تمھی طاہا
بہ صد پیرایہ ہر سُو انعکاسِ حسنِ گل دیکھا....... تکلّم ہا، تبسّم ہا، تجلّی ہا، تماشا ہا!
یہ صبر و حلم و وَقر و نظم کے داعی کا مکتب ہے....... صدا اونچی نہ یاں اٹھے! خدا کے واسطے! "ہاہا"
بچارے آدمی کی آزمائش کتنی مشکل ہے....... مسلسل کشمکش ما بینِ طغواھا وَ تقوٰھا
انوکھا ہے سفر بھی، راہ بھی، اے جادہ پیماؤ!....... کہیں ہے کوئی دوراہا! کہیں آتا ہے چوراہا
حضورِ پاک ؐشاہی کو مٹانے کے لیے آئے....... ملے اذنِ تخاطب تو کہوں میں کس طرح، "شاہا"!
خرد بھٹکی نہ پھر اپنی، تمھیں جس روز سے سمجھا....... نظر بہکی نے پھر اپنی، تمھیں جس روز سے چاہا
پریشاں بھیڑیوں کے درمیاں اقوام کا ریوڑ....... تحفظ ان کا ہو کیسے، نہیں ہے کوئی چرواہا
مرے اعمال نامے سے بس اک نیکی یہی نکلی....... کہ میں نے اُن ؐ کو پورے دل سے، پوری جان سے چاہا

تنویر پھولؔ (امریکہ)

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اب روشنی نہیں کوئی اِس روشنی کے بعد☆کوئی نبی نہ آئے گا میرے نبی ﷺ کے بعد
لائے کتاب آخری، آقا ﷺ ہی رب کی ہیں☆ بھُولو نہ سیدھی راہ تم اِس آگہی کے بعد
ظلمت وہاں تھی چھائی ہوئی شرک و کفر کی☆ مہرِ عرب ﷺ کی پھیلی ضیا تیرگی کے بعد
طائف میں سنگ باری کے بدلے دعائے خیر!☆ دیتا دعا ہے کون، عدو کو بدی کے بعد
بعثت سے اُن ﷺ کی روشنی پھیلی حجاز میں ☆ آیا ہدیٰ کا نور وہاں گمرہی کے بعد
قرآں میں ہے، نبی ﷺ کا ہے اُسوہ ہی بہترین☆اب چھوڑ و تفرقے کو تم اِس کج روی کے بعد
خیر الامم ہوئے ہو تم آقا ﷺ کے فیض سے☆ کیوں جا رہے ہو نیچے اب اس برتری کے بعد
فرمانِ مصطفی ﷺ سے ملی ہے سند ہمیں☆ دل میں نہیں نفاق ہے حُبِّ علیؓ کے بعد
یہ التجا ہے تجھ سے، الٰہی! قبول کر☆ قدموں میں شہ ؐ کے، پھولؔ ہو اِس زندگی کے بعد

پروفیسر جگن ناتھ آزاد (آنجہانی)

سلام بحضور خیرالانام ﷺ

سلام اسؐ ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جسؐ کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اسؐ پر جو حامی بن کر آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا
مدد گار و معاون بے بسوں کا، زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
سلام اسؐ پر جو آیا رحمتہ للعالمینؐ بن کر
پیامِ دوست لے کر صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اسؐ پر کہ جس کے نور سے پر نور ہے دنیا
سلام اسؐ پر کہ جسؐ کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اسؐ پر جلائی شمع عرفان جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اسؐ پر بنایا جسؐ نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جسؐ نے پیمانہ
بڑے چھوٹے میں جسؐ نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانہ سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
اسلام اسؐ پر فقیری میں نہاں تھی جسؐ کی سلطانی
رہی زیرِ قدم جسؐ کے شکوہ و شانِ خاقانی
سلام اسؐ پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضریٰ
زمانہ اج بھی ہے جسؐ کے در پر ناصیہ فرسا
سلام اسؐ پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جسؐ نے کھائے پتھر، گالیاں، اس پر دعائیں دیں
سلام اس ذاتِ اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزاد کا ، آزاد کی رنگیں بیانی کا

سرفراز بزمی
سوائی مادھوپور راجستھان

وہ صبح عالم کا استعارہ --- نبی ہمارا

وہ جس کی برکت سے خاک یثرب کو مل گئی شہرت مدینہ
وہ جس کا پیغام آدمیت کو بحر ظلمات میں سفینہ
وہ مطلع نور وہ منارہ وہ صبح عالم کا استعارہ
نبی ہمارا
وہ دشمنوں میں امین ہے جو کھلی کتاب مبین ہے جو
رسول سدرہ نشین ہے جو وہ خاتم المرسلین ہے جو
جبین تاریخ آدمیت پہ صبح صادق کا وہ ستارہ
نبی ہمارا
بیان جس کا بیان رب ہے وہ مطلب وطالب وطلب ہے
وہ خاتم الانبیاء لقب ہے حبیب رب ہاشمی نسب ہے
وہ جس کی مٹھی میں بول پڑتا ہے سنگ پارہ نبی ہمارا
نبی ہمارا
وہ فخر آدم نوید عیسی لقب دعائے خلیل جس کا
جو ایک پل میں حرم سے اقصی جو ایک لمحے میں اوج سدرہ
وہ برق جیسے براق والا وہ کہکشانوں کا نور پارہ
نبی ہمارا
امامت انبیاء سے ظاہر وہ سب سے اول وہ سب سے آخر
وہ حسن تصویر کا تصور ، وہ ہادی و طاہر و مطہر
دو لخت کردے قمر کی ہستی وہ جس کی انگلی کا اک اشارا
نبی ہمار

خدائے برتر کی رحمتوں کا جہان پر اک ظہور ہے وہ
جہان کی ظلمتوں میں بزمِ ہدایت حق کا نور ہے وہ
یتیم اس کے غلام اس کے وہ بے سہاروں کا اک سہارا
نبیؐ ہمارا

***

رخسانہ جبین
سرینگر (کشمیر)

نعت بحضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دلوں میں پہلے تعظیم و خلوص و احترام آیا
پھر اس کے بعد آقا کا ھمارے لب پہ نام آیا
کریں دیدار ھم اس مسجدِ اقدس کے منبر کا
کہ جس پر اک زمانے میں دو عالم کا امامؐ آیا
بس اک نسخہ مری زنبیل میں اسم محمدؐ ھے
یہی اسمِ محمدؐ مشکلوں میں میرے کام آیا
اسی کے واسطے ھے جنت الفردوس کی نعمت
خدا کی راہ میں جو جانبِ خیر الوریٰؐ آیا
فرشتے ساتھ تھے یوں جیسے لشکر ھوں ستاروں کے
زمیں سے آسماں کی سمت جب ماہِ تمامؐ آیا
ھمارے پاس کیا تھا ، کچھ نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے
ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھی ٹھہرے تو اللہ کا کلام آیا

***

مرتضیٰ اشعر

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دھڑکنیں جب میم سے موسوم ہونے لگ گئیں
رمز ہائے کُن سبھی مرقوم ہونے لگ گئیں

دل نے دھک دھک کو درودوں سے عبارت کرلیا
خوبخود سانسیں مری منظوم ہونے لگ گئیں

کیا وظیفہ تھا بزرگوں کی جماعت کا جنہیں؟
اَن کہی باتیں بھی سب معلوم ہونے لگ گئیں

آپؐ کی آمد سے ہر ظلمت ہوئی کافور اور
ساری شر انگیزیاں معدوم ہونے لگ گئیں

جب سے سنت پر عمل پیرا ہوا ہوں مرتضیٰ
رحمتیں گھر گھر مرا مقسوم ہونے لگ گئیں

صاعقہ علی نوری

اسلام آباد

آرزو

پھول خوشبو کلی بچھائی ہے
دل نے ہر اک گلی سجائی ہے
موجِ جذبِ جگر! سلامت رہ
جو بھی کہنا ہے آج کی شب کہہ
وجد چھایا ہے ذرے ذرے پر
اذنِ طیبہ ملے، دعا یہ کر
پڑھ کے صلی علیٰ نبینا
اہتمامِ قبولیت بھی کیا
دھڑکنیں گم اک آرزو میں ہیں
نعت کہنے کی جستجو میں ہیں

***

ابوالحسن خاور
لاہور

نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شبِ تاریک میں انوار کی دستک ، ذکرک
ہے مرا دیں، مرا ایماں ، مرا مسلک، ذکرک

جیسے تپتے ہوئے صحرا پہ پڑی ہو شبنم
یوں مرے دل میں اترتی ہوئی ٹھنڈک ، ذکرک

ایک تکرار مرے دل میں رواں رہتی ہے
ورفعنا لک ذکرک، لک ذکرک، ذکرک

کہیں یٰسیں، کہیں طٰہٰ سے حسیں نقش و نگار
اوڑھ کر آیا ہے قرآن میں اجرک، ذکرک

سینۂ مصحفِ قرآن پہ تمغے ، آہا
گہے عمرک، گہے وجہک ، گہے صدرک، ذکرک

دل کے اک طاق سے چھنتی ہوئی پر نور ضیا
دل کے اس طاق پہ رکھا ہوا دیپک، ذکرک

سرحدِ شہرِ ابد تک ہو رسائی ، آقا
میں کروں وقت کی اس آخری حد تک، ذکرک

***

شفیقؔ رائے پوری
اندراوارڈ جگدلپور بستر چھتیس گڑھ

نعت

فلک کے چاند سورج ہوں کہ تارے یا رسول اللہ
تمہارے حسن کے آگے ہیں پھیکے یا رسول اللہ
سناؤں آپ کی مدحت کے نغمے یا رسول اللہ
جب آئیں قبر میں میری فرشتے یا رسول اللہ
نہیں لاتے کبھی خاطر میں شاہانِ زمانہ کو
غلاموں کے تمہارے ہیں وہ رتبے یا رسول اللہ
جبیں سائی کو مل جائے تمہارا روضۂ انور
تڑپتے ہیں جبینِ دل پہ سجدے یا رسول اللہ
نہیں ہے کوئی غم اسکا تمہاری شان و عظمت پر
چلی جائے ہماری جاں بھی چاہے یارسول اللہ
جنہیں کھا کر ہماری روح بھی سیراب ہوتی ہے
میسر ہوں وہ طیبہ کے نوالے یا رسول اللہ
کبھی آنے نہیں دیتے بلاؤں کو مِرے گھر پر
تمہارے نامِ اقدس کے ہیں طغرے یا رسول اللہ
شفیقِؔ خستہ جاں آئے تو ہو کاش انتظام ایسا
نہ آئے پھر مدینے سے پلٹ کے یا رسول اللہ

سلمان رسول
[بذریعہ : واٹس ایپ]

نعت

ہوئی ہے کائنات کی نمود آپ کے لیے
ہر ایک لمحہ جاری ہے درود آپ کے لیے
سبھی زمانے آپ کے ظہور کا حوالہ ہیں
سجی ہے بزم ہست اور بود آپ کے لیے
تصوّر حیات بھی ہے دم قدم سے آپ کے
ہے کرّۂ زمین کا وجود آپ کے لیے
حضور آپ کے لیے ہے وسعت جہات بھی
ہیں طول و عرض آپ کے، عمود آپ کے لیے
زمین سے آسمان تک سفر ہزاروں سال کا
ہوا پلک کی اک جھپک سے زود آپ کے لیے
رضائے رب ذوالجلال تھی عزیز آپ کو
کبھی زیاں اہم رہا، نہ سود آپ کے لیے
نشاط ہائے دہر سے کہیں سوا تھے لطف میں
تمام شب قیام اور سجود آپ کے لیے

***

طرحی نعتِ شریف

مشتاقؔ فریدی
ڈوڈہ(جموں وکشمیر)9596959045

”ہر شعبہ حیات میں امکان نعت ہے“
ہر عاشق رسولؐ کو عرفانِ نعت ہے
فانوس نعت سے ہوا روشن جہان ہے
گل لالہ کے ہاتھوں میں شمعدان نعت ہے
اللہ کرے نعتوں کا گلستان کھل اُٹھے
قلبِ حزیں میں خفتہ اِک دیوانِ نعت ہے
بوسے ندیم کیوں نہ دوں لطق و زبان کو
نوک قلم بھی لکھ رہی آسان نعت ہے
کس کی دعا کس کا کرم ہے کہ آج ہی
سینے میں جلوہ گر ہوئی مہمان نعت ہے
اہلِ قلم لکھتے رہے رموزِ فکر و فن
نازاں میں ہوں حاصل اک جان نعت ہے
نعتوں کی یہ سوغات، فرشتے لئے چلے
دربارِ آنجنابؐ میں کیا شانِ نعت ہے
ہے نعت گنبد خضرا کی کرتی طواف ہے
اے دیدہ ور، میرا یہی ایمانِ نعت ہے
پہچان میری کچھ نہیں بزم سخن میں تھی
مداح، حضورؐ ، کا ہوا حسان نعت ہے
روضے کی جالیوں کے جب سے لئے بو سے
تب سے میرے شعور میں ایقانِ نعت ہے
چہرے سے سیاہ کا ریوں کے سب داغ دھل گئے
سایہ فگن جب سے ہوا دامانِ نعت ہے
مدحت رسولؐ کی خیرات مل گئی
یہ نعت کا اعجاز ہے یا شانِ نعت ہے
میرے کفن میں نعت کی تحریر دیکھنا
نازاں میرے داماں پہ گریبان نعت ہے
افسوس جس کو نعت کی عظمت نہیں معلوم
محروم شفاعت یہ انجانِ نعت ہے
جس لحد میں سویا ہوا ہو عاشق رسولؐ
اُس لحد کے نصیب ہی بارانِ نعت ہے
نقط ہائے نعت بھی کہتے ہیں بہ چشم نم
اَشکوں سے نعت لکھئے کہ فرمانِ نعت ہے
عرش معلیٰ پر بھی ہے نعتوں کی نغمگی
عرشِ بریں سے دیکھئے اعلانِ نعت ہے
درود و سلام ہے میرا بس تو شۂ آخرت
یہی وجہ ہے ہر لمحہ میلان نعت ہے
مضراب نعت کی ضرب کا ہی کمال ہے
پہنچا فلک پہ سُخندانِ نعت ہے
ہر نعت ہے دستار کی جھومر بنی ہوئی
ہر پیچ وخم دستار کی قلمدانِ نعت ہے
یہ بزم نعت ہے یہاں دِل کو سنبھالئے
مَلکوں کا یہ ہجوم ہی دربانِ نعت ہے
آئے فرشتے جھوم کر پڑھتے درود ہیں
درود و سلام سے سجا ایوانِ نعت ہے
میرے صنم خانہ میں ہے آمد حضورؐ
ہر طاق پر تو ضو فشاں گلدانِ نعت ہے
اک اک کلی ہے نعت سے مہکی ہوئی یہاں
مہکی ہوئی ہے ہر طرف لوبانِ نعت ہے
اِک اِک گلاب نعت کا فصل گُلاب ہے
نِکھرا ہوا تو آج دبستانِ نعت ہے
کروں بیاں انس و جن کیا پڑھیں گے نعت ہے
خود رب ذولجلال تو سُلطانِ نعت ہے
نعتوں کی جستجو میں ہی محو سفر رہا
نہ جذبۂ بلالؓ ہے نہ سامان نعت ہے
اللہ کا کرم ہے کہ حُبِ رسولؐ سے
ذوق سخن کا میرے بھی عنوانِ نعت ہے
مشتاقؔ فریدی یہ اللہ کی دین ہے
صد شکر کر ہر نعت ہی شایانِ نعت ہے

مشتاق مہدی
سرینگر (کشمیر)

نعت شریف

جہاں بھر میں نہیں کوئی نبیؐ جیسا شہِ اولیٰ..... کتابوں میں یہی اِک پھول ہے جو سربسر مہکا
زمینوں آسمانوں میں، نہ کوئی اُنؐ کا ثانی ہے..... خدا تو وہ نہیں لیکن اُسی کا ہے حسین جلوہ
بشارت وید نے دی اُنکیؐ، بدھ نے اور عیسیٰ نے..... ثناخواں جب خدا بھی ہے پڑھوں میں کیوں نہ صل علیٰ
ہے اب کے آگئی کیسی کٹھن یہ رات اُمت پر..... ہے ارزاں خونِ مسلم ہی دہر میں کیوں مِرے شاہاؐ
اُنہیؐ کے نور سے پیدا کئے رب نے سبھی عالم..... اُنہیؐ کا سب پہ احسان ہے، یہ مہدیؔ خاک پا اُنؐ کا

اشرف عادل
حافظ باغ الٰہی باغ سرینگر کشمیر

نعت شریف

معجزوں میں بھی نہیں ہے جس کا ثانی وہ رسول..... پشت پر جس کی چمکتی ہے نشانی وہ رسول
گنبد خضرا پہ نازل ہورہی ہیں رحمتیں!..... جس کے گھر میں بس گئی ہے لامکانی وہ رسول
ہر سمندر عشق کا اس کی نگہبانی میں ہے..... کشتیاں جس کی سبھی ہیں بادبانی وہ رسول
جس کے لہجے میں خدا کی بات ابھرتی ہے سد..... رنگ جس کے قول کا ہے آسمانی وہ رسول
ادمی ہر حال میں تھا ذات سے ہارا ہوا..... کی عطا جس نے بشر کو کامرانی وہ رسول
بادشاہی کو دیا جس نے فقیری کا سبق..... آج بھی قائم ہے جس کی حکمرانی وہ رسول
انکھ کھولی تو ننگہ انسانیت کی کھل گئی..... جس کی پیدائش ہے عادل شادمانی وہ رسول

***

ڈاکٹر شکیل شفائی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر

کلی کلی تھی اُداس بیٹھی
تری سہانی نظر سے پہلے
جبینِ شب بھی سیاہ تر تھی
نوازشوں کی سحر سے پہلے

طلوعِ خورشید کا مہینہ
کہ ذرّہ ذرّہ چمک اٹھا ہے
یہ نسترن ہے وہ یاسمن ہے
گُلِ نبوّت مہک اٹھا ہے

یہ عاشقوں کی لگیں قطاریں
نیا زمانہ اُبھر رہا ہے
مزاجِ آدم بدل گیا ہے
دلوں کا آہنگ نکھر رہا ہے

صداقتوں کی بہار آئی
اُداس چہرے کِھلے ہوئے ہیں
گلی گلی ہے کلام اُن کا
دلوں سے بھی دل ملے ہوئے ہیں

یہ صنفِ نازک چہک رہی ہے
سروں پہ رحمت کا سائباں ہے
غلام قربان ہورہے ہیں
خوشی میں ڈوبا جہاں جہاں ہے

مِرے پیمبرؐ ذرا سے لمحے
میرے بھی گھر میں اُتر کے آنا
اُداسیوں کا کُہر ہے چھایا
ہوا ہے دشمن مِرا زمانہ

مِرا تعلق ہے اُس زمیں سے
کہ جس کو سینچا گیا لہو سے
جوان سوئے ہیں مقبروں میں
عدو ہمارا ہے خون چوسے

نظر نظر ہے اُداس اپنی
سحر سحر ہے غموں سے گھایل
نہ منزلوں کا پتہ ہے کوئی
برس رہا ہے ستم کا بادل

مِرے پیمبرؐ کبھی کبھی تو ستم کشوں پر ذرا نظر ہو
طویل تر ہیں غموں کی راتیں بہار آئے نئی سحر ہو

وہ جس کی آمد بہار لائے وہ رحمتوں کا بھرا خزانہ
اسی کو دیکھے نظر ہماری اسی کا ملتا ہے آب و دانہ

اُسی پہ قربان جاں ہماری وہی نظر کی ہے دید یارو
چراغِ محفل وہی ہمارا اسی سے روشن ہے عید یارو

شفائیؔ تیرا غلام کمتر حضور میں سر جھُکا رہا ہے
ہیں رحمتوں کی لگیں پھواریں وہ اپنے حصّے کو پارہا ہے

***

عمرانؔ الحق چوہان

نعت

آقا! نہیں دنیا میں کوئی اور ہمارا.....امت کو فقط آپؐ کی رحمت کا سہارا
یہ درد کا قلزم، یہ طلاطم یہ تھپیڑے.....ٹوٹی ہوئی کشتی ہے، کہیں گم ہے کنارہ
یہ جبر کے موسم کے گھٹا ٹوپ اندھیرے.....مدت سے کہیں گم ہے مری صبح کا تارا
نہ درد کا قلزم ہے، نہ جبر کا موسم.....ہو چشمِ عنایت کا اگر ایک اشارہ
مایوس نہیں آپؐ کی رحمت سے اگرچہ.....ہے دامنِ ہستی میں مرے صرف خسارہ
اس دل کو ستایا ہے غمِ دہر نے جب بھی.....آہستہ سے بس آپؐ کو اس دل نے پکارا
عمرانؔ چمک اٹھے مرے نطق و سماعت.....ہے ذکرِ نبیؐ نور کا بہتا ہوا دھارا

***

ظفر اقبال ظفرؔ
۱۷/رخیلدار، فتح پور، 210601موبائیل:7398451805

نعت

(۱)

چمک میری نظر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
مدینہ چشم تر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
قلم کاغذ سیاہی لفظ سارے نور میں ڈوبے
جلا میرے ہنر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
جو اس کے سائے میں بیٹھا مہک اٹھا بدن اس کا
جو یہ خوشبو شجر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
یقین ہے اس کی برکت سے لب ساحل میں پہنچوں گا
مری کشتی بھنور میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
نہ شدت دھوپ میں ہے اور نہ سختی راستے میں بنا
کرم ان کا سفر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
یہ سب ذکر نبی یاد نبی سے ہے مجھے حاصل
سکون قلب و نظر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں
در و دیوار آنگن میں مرے اک نور بکھرا ہے
ظفرؔ رونق جو گھر میں ہے مدینہ لکھ رہا ہوں میں

***

(۲)

امت کے سر کا سایہ ہیں بدر الدجیٰ کے ہاتھ
وجہِ سکونِ قلب ہیں خیر الوریٰ کے ہاتھ

دروازے ان کے واسطے جنت کے وا ہوئے
سایہ فگن ہوئے جو شہِ دوسرا کے ہاتھ

دنیا کی ساری آفتیں ہوجائیں گی فنا
مانگو سخا کے صدقے میں اپنے اٹھا کے ہاتھ

ہاتھوں میں جس کے خاکِ مدینہ کا لمس ہے
دل چاہتا ہے چوموں اس عبدِ خدا کے ہاتھ

مرنے سے پہلے دیکھ لیں دربارِ مصطفےٰ
مقبول کاش ہوں یہ ہماری دعا کے ہاتھ

تیری نگاہِ لطف سے ہے زندگی مری
قائم تری رضا پہ مری التجا کے ہاتھ

طیبہ کی سرزمین پہ پہنچیں ظفرؔ قدم
پیغام میں نے بھیجا ہے بادِ صبا کے ہاتھ

***

سلطان الحق شہیدیؔ
سرینگر (کشمیر)

نعت (مصرع طرح پر)

محترم ابوالحسن خاور نے فیس بک پر چلنے والے اپنے گروپ ''نعت ورثہ'' میں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کی منظوم ترجمانی کرتا ہوا مصرع طرح ''ہر شعبۂ حیات میں امکانِ نعت ہے'' پیش کیا تو آقا کریم ﷺ کی نعت گوئی کے شیدائیوں کا (دُنیا بھر میں) شوق اور ذوق دیدنی تھا۔ ہر شاعر محبت اور وفورِ عشق میں حضرتِ حسان بن ثابت ؓ کی طرح اپنی محبتِ رسول ﷺ کا قرض اتارنے اور فرض پورا کرنے کی کوشش میں لگا نظر آیا۔ یہ (آن لائن) تاریخی اور ریکارڈ ساز مشاعرہ ثابت ہوا، جس میں ۳۲۳ شعراء نے اس مصرعے ('ہر شعبۂ حیات میں اِمکانِ نعت ہے') پر اپنا کلام پیش کیا، جس کا مجموعہ 'جہانِ حمد ونعت' کے تیسرے شمارے کی حیثیت سے شائع ہوکر منظر عام پر آیا۔ کشمیر کے کئی نعت گو شعراء اس کی اطلاع وقت پر نہ پا سکے۔ بعد میں انہوں نے اپنی نعتیں پیش کیں، جن میں سے دو صاحبان (مشتاق فریدی اور سلطان الحق شہیدی) کی نعتیں زیر نظر شمارے میں شامل ہیں۔ درجِ ذیل نعت شریف مصرع طرح ''ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے'' کی پیروی میں لکھی گئی.....[مدیر]

خلّاقِ جہاں آپ قدر دان نعت ہے
قربت جو اس سے ملتی ہے احسانِ نعت ہے

دردِ جگر ہے دردِ دل ہے دردِ کائنات
ہر اس میں جس میں خاص کر میلانِ نعت ہے

فرحت ملے ہے جسم وجاں کو جس کی مہک سے
کیا کہنا اس کا وہ تو عطر دانِ نعت ہے

ہرگز نہ اس کے پھندے میں آنا مرے ندیم
ابلیسِ وقت کے یہاں بطلانِ نعت ہے

مشکل ہے ایسے وقت میں خود کو سنبھالنا
جب دل میں دفعتاً اٹھے طوفانِ نعت ہے

معزز ہے محترم ہے ہماری نگاہ میں
جس کے طفیل آج یہ رجحانِ نعت ہے

تارے میں آسمان میں درود و سلام کے
دریائے نور ایک کہکشانِ نعت ہے

مدّاح بحر زیست میں کوئی بھی ڈر نہیں
کشتی ہے اور ہاتھ میں سُکانِ نعت ہے

جوہر قدوسی پر نہ کیوں برسیں گی رحمتیں
وہ مؤلف اور ناشرِ دیوانِ نعت ہے

جو کچھ بھی میرے پاس یہ سامانِ نعت ہے
وہ سارا وقف زینت ایوانِ نعت ہے

مکّے میں ایک کعبہ ہے اور کعبے کا طواف
مسند نشیں مدینے میں سلطانِ نعت ہے

احمدؐ محمدؐ حامدؐ و محمودؐ اسم پاک
ہر اسم پاک آپ ہی عنوانِ نعت ہے

جس ذات سے انسانیت کو مل گیا عروج
معراج اس کے واسطے اک خوانِ نعت ہے

چھٹنے کے لیے اپنے گناہوں کی قید سے | وہ صدقہ گام گام اک گلدانِ نعت ہے
وہ جانور بھی روکش انسان ہوگیا | جو کندھوں پر ڈالے ہوئے پالانِ نعت ہے
درد و الم سے پاگیا ہے آپ ہی نجات | زیرک ہے اس کے ہاتھوں میں دامانِ نعت ہے
ہے کربلا میں شاہ شہیدانِ شہہ حسینؓ | اور زین العابدینؓ لیے افغانِ نعت ہے
طائف میں پتھروں سے ہوا جو لہو لہان | پھر بھی عضو پہ ڈٹ گیا رحمٰنِ نعت ہے
تج دنیا اپنی جان ہی میزان نعت ہے | میرے نصیب میں ہو تو احسانِ نعت ہے
قلب سلیم اصل میں شایانِ نعت ہے | ہو آپؐ کے دیدار تو فیضانِ نعت ہے
اندوہ و غم سے اُمتی پاتا ہے خلاصی | پیغام اسوہ حسنہ ہے بُرہانِ نعت ہے
زاغ و زغن اور بوم کو راس آئے کس طرح | کویل اور قمری کا ہی گلستانِ نعت ہے
صبح ازل سے شام ابد تک تمام تر | صلو علیہ کا ذکر ہے کیا شانِ نعت ہے
جھرنے ہوں آبشار ہو چشمے کہ ندیّاں | ان سب کا سوز و ساز ترجمان نعت ہے
جو دیدہ ور میں ان کی یہ تحقیق ہے تمام | مصحف الف سے ے تک دیوان نعت ہے
ایمان و اماں جنت و دیدار خداوند | پھل دیتا طرح طرح کے بستان نعت ہے
صد درجہ عبارات کی لذّت کے واسطے | بے جوڑ بے مثال نمکدانِ نعت ہے

❖

سرنامے پر اللہ کا اسم اعظم اور | پلٹے ورق تو دیکھا یہ دیوان نعت ہے
ہر گام احتیاط رکھ ہر سانس با ادب | پیشِ نگاہ عاشقاں سلطان نعت ہے
کس سے ہوتی تھی آتش نمرود گلفروش | کیا آپ کو خبر کہ وہ نیساں نعت ہے
جس جا خدائی جلوؤں کی ہوتی ہے بارشیں | کہتا ہوں فخر سے وہ شبستان نعت ہے
باغ جناں میں جس کو ترستی ہیں فضائیں | وہ ساقیٔ کوثر ہیں جو عنوان نعت ہے
ہم عاصیوں کے واسطے ہے ایک پناہ گاہ | لے دے کے آپ سینے وہ دامانِ نعت ہے
یہ اپنے شیخ العالمؒ اور سلطان العارفینؒ | ان کے یہاں تو بے پناہ سامان نعت ہے
کہتے ہیں اس کو یہ ہے ملائک کی سیرگاہ | اللہ کو پسند گلستان نعت ہے
تکوین کائنات کے مضمون میں ہے لکھا | ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے
ابھی دوش صبا پہ سن لو یہ اعلان نعت ہے | اعجاز ہی اعجاز گلستان نعت ہے

ممکن ہے عرش اعلیٰ تک ہو تیری رسائی
صحرا بھی ہے گلزار جو سامان نعت ہے

اللہ کی نمود اللہ کا کلام
خود اس کی ذات حق میں ہی میدان نعت ہے

کانٹے بھی پھول بن کے مہکتے ہیں یہاں پر
اعجاز ہی اعجاز گلستان نعت ہے

تم خاتمہ بالخیر جو چاہو تو پکڑ لو
دیکھو وقیع کس قدر دامان نعت ہے

عرضے پہ آکے پیش کیا میں نے جو سلام
وہ میرے لیے حاصل ایمان نعت ہے

اک ذات محمدؐ ہے جو محبوب احد ہے
مقصود مسلماں بھی بس جانان نعت ہے

خوشبو سے جس کی سارا زمانہ مہک اٹھا
ان پھولوں کا بس ایک ہی گلدان نعت ہے

رنگ و زبان و نسل جہاں مٹ گئے تمام
پیارے نبیؐ کے واسطے یکسان نعت ہے

وہ شخص جو کہ سلسلہ جنبان نعت ہے
ہر حرف اس کا لعل بدخشانِ نعت ہے

کہنے سے پہلے جس نے تڑپنا سکھادیا
وہ میرے دل میں ہے تو اک ارمان نعت ہے

بلبل نے چہک کر یہ میرے کان میں کہا
شیدا ہوں جس پہ وہ گل ریحان نعت ہے

ظلمت ہٹی اور زندگی روشن ہوئی تمام
کیا فیض بخش مہر درخشان نعت ہے

ڈھونڈا جو میں نے ہر طرف آیا یہی نظر
خود سرزمین عشق ہی میں کانِ نعت ہے

آدم کی دُعا ہوگئی کس بات سے قبول
اللہ نے پسند کیا خوان نعت ہے

جس نے رقیق قلب سے مجھ کو کیا ادا
پائے ہے مغفرت یہی فرمان نعت ہے

مخمور عشق کرتا ہے ہر لمحہ ذکر حق
حق ہے یہی کہ حامل عرفان نعت ہے

اندازہ اس کے ارتفاع کا کون کرسکے
باغِ ارم تو حاصلِ پایان نعت ہے

❀◆❀

دل میں لیے جو عہدہ و پیمان نعت ہے
وہ شاعر شریف ہے ذیشان نعت ہے

سوز و خلوص و درد و محبت کے گارے سے
ہوتا ہے جو تعمیر وہ ایوان نعت ہے

سرشاریٔ ایمان و جہاں کے لیے ندیم
رِندانِ معرفت کا خمستان نعت ہے

دھڑکن ہی جس کے دل کی درود و سلام ہو
سمجھو وہی جاں دادۂ جانان نعت ہے

راضی کس طرح بھی ہوں وہ خواجۂ افلاک
صبح و شام تلاوتِ دیوان نعت ہے

بچپن شباب اور نبوت کے کام دیکھ
دوران روزگار خود حسان نعت ہے

شمس و قمر ہو بحر و بر ہو یا ہو رنگ و بو
ہر ایک اپنی جگہ خوش الحان نعت ہے

تدریس زندگی یہاں پاتے ہیں اہل دل — کتنا وسیع تر یہ دبستان نعت ہے

مسحور آس پاس کی ساری فضا ہوئی — چوکھٹ پہ ان کی کوئی غزل خواں نعت ہے

کتنا نصیب والا سخندان نعت ہے — ممدوح اس کا آپ نگہبان نعت ہے

جن کی ایا کسی کے یہاں مل نہ سکے گی — وہ دُرج گُہر دیکھنا جُزدان نعت ہے

ہے جس کا حکم پڑھ لو درود و سلام وہ — پروردگار عالم امکان نعت ہے

عالم ہے تو ہزار طرح کی ہیں کلفتیں — عاشق ہے تو تلاوتِ فرقان نعت ہے

سب سے الگ ہے دوستی اور ان کا ارتباط — ان میں اک قدر مشترکہ عرفانِ نعت ہے

اک سوز و سازِ سرمدی گونجے ہے جہاں پر — اے دیدہ ورو یہ وہی ایوان نعت ہے

باطن کی آنکھیں ہوتی ہیں روشن انہی کے ہاں — وہ لوگ جن کے پاس اک وجدان نعت ہے

کلمے کا ایک جز ہے تو توحید اور حمد — اسم رسول پاک خود اعلان نعت ہے

ہم اس لیے عزیز اسے رکھتے ہیں جناب — سلطان الحق شہیدیؔ ثنا خوان نعت ہے

❖

ناری ہے اس کے پاس تو بطلان نعت ہے — نوری ہے رات دن کرے گردان نعت ہے

دانا ہے دیدہ ور ہے جسے عشق نبیؐ ہے — جاہل اور بے نصیب اور گردان نعت ہے

میں تو سراب زیست میں پیاسا نہیں رہا — میرے یہاں پانی بھرا کوہان نعت ہے

تحریر انعامات اور اکرام کے لیے — جس کی ضرورت ہے وہ قلمدان نعت ہے

ہر ایک سورت آپ اپنے میں ہے بے مثال — مجھ کو پسند سورۂ رحمٰن نعت ہے

اس کی عبادتوں کا شجر بے ثمر رہا — یہ وہ کہ جس کے ہاں رہا فقداں نعت ہے

دل کو طلب ہے آرزو ہے اور تمنا — جس چیز کی وہ جلوۂ جانان نعت ہے

بس ایک قطرہ پی کے میں سرشار ہوگیا — یہ قطرہ آب چشمۂ حیوان نعت ہے

وہ کیوں نہ کریں خوبیٔ قسمت پہ اپنی ناز — فیضان جن کو مل گیا دوران نعت ہے

❖

جس سرزمین میں لعل بدخشان نعت ہے — اس سرزمین کو چھوڑنا کفران نعت ہے

مکہ میں تیرے کعبہ ہے اک مرکز طواف — لیکن مدینے میں مرا سلطان نعت ہے

صحرائے دل سرسبز اور شاداب ہوگیا — یہ سب طفیلِ رحمتِ باران نعت ہے

قسمت پہ اپنی کیوں نہ کروں ناز اے ندیم　　خامہ مرا ہوا جو گُل افشانِ نعت ہے
اس رستخیز زیست میں ہے باعث سکون　　میری نظر میں چہرۂ تابان نعت ہے
ہیں خوش نصیب جن کے مقدّر میں آگیا　　علم و عمل خزینۂ میدان نعت ہے
روئے حبیب دیکھنے کی ہے مجھے تڑپ　　جس دن سے لگا سینے میں پیکان نعت ہے
ما ارسلنٰک طٰہٰ اور یاسین کو لیے　　پورا صحیفہ محور فرمان نعت ہے
اک جنبش انگشت سے یہ ہوگیا دو نیم　　یہ معجزہ بھی آپ میں اعلان نعت ہے

جامی کہ یوسف مہِ کنعان نعت ہے　　وہ سرگروہ زمہ زمہ سنجان نعت ہے
جہد و جہاد جود و سخا صبر اور عفو　　اوصاف بے شمار رکھے جان نعت ہے
جن کو صحابہ کہتے فنا فی الرسول تھے　　ان کے دلوں میں دیکھا تو طوفان نعت ہے
ظاہر کے درد کے لیے حکمت ہے دوا ہے　　باطن کے درد کے لیے درمان نعت ہے
مرکر بھی جس نے پائی ہمیشہ کی زندگی　　یعنی وہ سخندان سخندان نعت ہے
سعدی کی رباعی ہوئی مقبول بارگاہ　　اور وہ رباعی خاصۂ خاصان نعت ہے
جو بحر محبت کا شناور نہ بن سکا　　اس کے یہاں تو حسرت و حرمان نعت ہے
ان کی عطا سے ہوگا یقیناً وہ بہرہ ور　　جو شاعری میں مارتا میدان نعت ہے
خود سیرت رسول سے استاد معرفت　　طے ہوتا جس سے جادۂ عرفان نعت ہے

جو نعت، نعت، نعت فقط نعت ہی لکھے　　دُنیائے ادب میں وہی خاقان نعت ہے
تحت الثریٰ تا عرشِ معلّٰی ہے اک لکیر　　اور یہ لکیر کیا ہے ریشمان نعت ہے
اُڑتے ہیں جلتے بجھتے عقیدت کے شرارے　　اس پیڑ سے جو سر و چراغان نعت ہے
سحری کو جگانے کے لیے ڈھول بجاتا　　یاد آتا اب بھی مجھ کو سحر خوان نعت ہے
وہ میرے غوث پاک محی الدینؒ کا لکھا　　کبریت احمر بے بدل دیوان نعت ہے
کشمیر میں وہ بانیٔ اسلام میں لاریب　　میر سید علی ہمداں میران نعت ہے
ان کو بگاڑ سکتے نہیں کچھ بھی اندھیرے　　ہاتھوں میں جن کے شمع فروزان نعت ہے
ہے صاحب خشوع و خضوع کی یہی پہچان　　دل ان کا لے کے جاتا دبستان نعت ہے

ڈاکٹر محمد اقبال ناز

نعت شریف

مجھ کو جہاں جہاں سے بھی اچھے ملے ہیں لفظ
میں نے وہاں وہاں سے اکٹھے کئے ہیں لفظ

جتنے اکٹھے کر سکا ہوں نعت کے لئے
سارے کے سارے خوب عقیدت بھرے ہیں لفظ

میں تو سمجھ رہا ہوں جو ہیں سب سے بہتریں
وہ نعت کے لئے ہی بنائے گئے ہیں لفظ

سب سے جو بہترین تھے اردو لغات میں
میں نے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے سارے چنے ہیں لفظ

اپنی طرف سے تو میں نے اس نعتِ پاک میں
سب اُنؐ کی شان ہی کے مطابق لکھے ہیں لفظ

پھر بھی وہ شان آپؐ کی کر نہ سکے بیاں
شایانِ شان آپؐ کے جتنے لکھے ہیں لفظ

جو بہترین سے بھی ہوں کچھ بڑھ کے بہترین
نعتِ رسولِ ؐ کے لئے چاہے ہوئے ہیں لفظ

یارب ہمیں تو ذوق دے ہم ویسے لکھ سکیں
حسانؓ نے ہی نعتوں میں جیسے لکھے ہیں لفظ

***

پیرحسن انظر
سرینگر(کشمیر)

نعت شریف

(1)

مثال موجہ خوشبو رسول معتبر آ ئے
خدا کا شکر ہے انسانیت کے چارہ گر آ ئے

بہت مغلوب تھی مایوس تھی جب نوع انسانی
محمد نرم خو ،شیریں دہن، روشن بصر آ ئے

وہ محبوب خدا وہ باعث تز ئین دو عالم
مسلسل اک نزول نور کا منظر نظر آ ے

آمین و صادق مکہ ہی کیوں، فخر دو عالم ہیں
رسول محتشم قرآن ناطق جونظر آ ئے

حیات معتبر کا اک نمونہ بن کے دنیا میں
سراپا رشد و رحمت صاحب شق القمر آ ئے

سر محشر ہو انکا نام لیوا سرنگوں کیونکر
منادی ہو شفاعت کے لئے خیر البشر آ ئے

نوید زندگی انظر کو اک اسم محمد ہے
پڑے مشکل تو لب پر نام وہ شبنم اثر آ ئے

(2)

کلام اللہ میں موجود ہے اعلان یہ بر حق
رسول پاک کی نسبت " ورفعنالك ذكرك "

چراغ مصطفیٰ کو تا ابد گل کر نہ پائیں گے
بھلے ہی کوششیں ابلیس کے چیلے کریں ان تھک

مسلسل خاک میں ملتے رہیں گے اور جہل سارے
مجسم نور کو پہنچا نہیں سکتا ہے کوئی زک

جہاں بھر میں تقدس اس کو دلوایا ہے آقا نے
یہ عربستان تھا گمنام اک صحرائے لق ودق

کو ئی تاریخ انسانی میں ان جیسا نہیں ملتا
محمد ابن عبد اللہ شاہ ابرار ہیں بے شک

مرے آقا ! بہت محتاج ہیں نظر عنایت کے
یہ وادی یونہی نہلا تی رہے گی خون میں کب تک

***

ساغر ہاشمی

نعت شریف

باغِ ثنا کے پھول ہیں مہکے ہوئے ہیں لفظ.....دل پر وحی کی شکل میں اترے ہوئے ہیں لفظ
ہر ایک سمت نعتوں کی پھیلی ہے روشنی.....ذکرِ نبی کے نور سے چمکے ہوئے ہیں لفظ
پھولوں پہ جیسے شبنمی قطرے ہوں ضوفشاں..... نعتوں کے دل پہ اس طرح لکھے ہوئے ہیں لفظ
مہکے ہوئے یہ مشک سے عنبر سے بڑھ کے ہیں..... قرطاس جاں پہ میں نے جو رکھے ہوئے ہیں لفظ
سر کو جھکا کے نوکِ قلم بھی ہے سر بلند.....ان کی وِلا کے نور سے نکھرے ہوئے ہیں لفظ

♦♦

مدثر ثمن

نعت

ہر سو پھیلی ہوئی روشنی نعت ہے
آمدِ مصطفیٰؐ کی خوشی نعت ہے
انؐ کے نقشِ قدم پر گزاریں سبھی
ایسی گزری ہوئی زندگی نعت ہے
بے مثال و حسین اسوۂ حسنہ کے
گلستاں میں کھلی ہر کلی نعت ہے
جو دلِ بے منور کو روشن کرے
انؐ کے فرمان کی آگہی نعت ہے
جس نے بخشا ثمن کے بھی دل کو سکوں
آپؐ کی نعت ہے ، آپؐ کی نعت ہے

***

منیر احمد خاورؔ

نعت شریف

ایک صنفِ بے کراں ہے مدحتِ شاہِ امم ﷺ
باعثِ تسکینِ جاں ہے الفتِ شاہِ امم ﷺ

ہے درودِ پاک ہی میرا وظیفہ رات دن
میرے دل کا ہے سہارا چاہتِ شاہِ امم ﷺ

گرمیٔ محشر میں ہوں گے چارہ گر میرے حضور ﷺ
سائباں بخشے گی واں بھی رحمتِ شاہِ امم ﷺ

روح و جاں کو تازگی دیتا ہے خضرا کا جمال
” ہے نویدِ خُلد دیدِ تربتِ شاہِ امم ﷺ

آپ ﷺ کے نعلین سے نسبت جبیں کو ہے
مریہے مرے دل میں جذبِ طاعتِ شاہِ امم ﷺ

ہیں حبیبِ خالقِ مطلق میرے سرکار ﷺ ہی
بزمِ گیتی میں عیاں ہے عظمتِ شاہِ امم ﷺ

کھا کے پتھر بھی دعائیں ہیں لبِ سرکار ﷺ پر
اہلِ طائف پر ہے دیکھی رافتِ شاہِ امم ﷺ

میں نے یہ جانا کلام پاک کی آیات سے ہے
خدا نے خود بڑھائی رفعتِ شاہِ امم ﷺ

ہیں ضیا پاتے انہی سے مہر و مہ انجم سبھی
رکھتی ہے ان کو منور طلعتِ شاہِ امم ﷺ

ہیں فدا ناموسِ آقا ﷺ پر مرے اہل و عیال
ہے عزیز از جان مجھ کو حُرمتِ شاہِ امم ﷺ

زیست میں لیتا ضیا ہے اہلِ بیتِ پاک ؑ سے
جاں سے خاورؔ کو ہے پیاری عترتِ شاہِ امم ﷺ

ڈاکٹر ریاض احمد قادری

نعتیں

(1)

سرکارِ دوجہاں ﷺ کی ہے رحمت نگر نگر.... یادنبی ﷺ سے سجتا ہے سب عاشقوں کا گھر
ہم دیکھ پائیں گر نہ انہیں تو یہ سوچ لو....رہتی ہے سب غلاموں پہ سرکار ﷺ کی نظر
پھرتی ہیں صبح و شام فرشتوں کی ٹولیاں....جنت کا خاص ٹکڑا ہے سرکار ﷺ کا نگر
پھر دربدر پہ جانے کی حاجت نہیں رہی....میں نے بسایا آنکھوں میں آقا ﷺ کا پاک در
کیسے بھٹکنے پائیں گے منزل سے ہم کبھی....سرکارِ دوجہان ﷺ ہیں جب اپنے راہبر
جن کا کسی خزانے میں ثانی نہیں کوئی....ذرے مدینے پاک کے ہیں اس طرح کا زر
ہوتی سحر ریاضؔ ہے میری تو اس طرح.... آنکھوں میں خاکِ شہرِ مدینہ کو ڈال کر

(2)

تشکر اس خدا کا ہم پہ کی ہے یہ عطا جس نے....ثنا اس ذاتؐ کی بتلایا خالق کا پتہ جس نے
اسی کی ہم غلامی کر رہے ہیں روزِ اوّل سے....دیا آزاد ہونے کا قرینہ بھی سکھا جس نے
جسے طائف میں دیکھا تو فرشتے آگئے فوراً .... مگر مانگی ہے ان کے حق میں بھی اعلیٰ دعا جس نے
جو صادق اور امیں ٹھہرا عدو کے مال کی خاطر .... وہی اپنا نبیؐ ہے، کی ہے سب ہی سے وفا جس نے
جو یارِ غارؓ کا بھی حوصلہ ٹھہرا شبِ ہجرت.... وہی آقاؐ غلاموں کو دیا ہے مرتبہ جس نے
نبی وہ آخری ٹھہرا وہی اوّل بھی سب سے ہے....بشر سے بھی ملایا دو جہانوں کا خدا جس نے
ریاضؔ احمد توسل سے اسی کے مانگتے ہیں ہم.... دیا ہے سائلوں کو ان کے دامن سے سوا جس نے

(3)

سارا جہان پاک محمدؐ کے ساتھ ہے.... لکھا فلک پہ سنگِ زبرجد کے ساتھ ہے
وہ ابراہمیؑ آل بھی ہیں ابراہیمؑ کی.....اسلام اب بھی انؐ کے اب و جد کے ساتھ ہے
دے دوں گواہی انؐ کی لٹا کر میں اپنی جاں.....ایمان میرا سارا تشہد کے ساتھ ہے

بس ہے وہ پیارے پاک محمدؐ کے ساتھ ساتھ.....اخلاص سے جو ربِ موحد کے ساتھ ہے
ربِ رسولِ پاکؐ ہی سب کا خدا ہوا.....آزاد کے بھی ساتھ ، مقید کے ساتھ ہے
قالو بلیٰ کے ساتھ ہی صلِ علیٰ کہا ..... اور اس کا سلسلہ مرے مرقد کے ساتھ ہے
نامِ حضورؐ نبیوں میں ممتاز ہے ریاضؔ .....تاجِ حضورؐ میمِ مشدد کے ساتھ ہے

***

اشرف عادل
گرین کالونی، حافظ باغ،
الٰہی باغ، سرینگر کشمیر

نعت

پہلے
جب کُن کا ظہور
ہوگیا
کھلبلی سی
مچ گئی دور تک اندھیروں میں
ایک لاغر سی اونٹنی
کے تھنوں سے بھی دودھ کی نہریں
جاری
ہوگئیں
کچھ غلاموں
کی بھی زنجیریں
کھل گئیں
ریت
مسکرانے لگی
دشت در دشت پھول کھلنے لگے
آب زم زم
اور
بھی رواں
ہوگیا
آزروں کے
خواب بھی ٹوٹنے لگے
دشمنان
آدمیت سسک گئے
بند ہونے لگے ننھی قبروں
کے دہانے
دھوپ سایا نہیں
کرتی تو کیا
کرتی
خار خصلت نہیں بدلتے
اپنی تو اور کیا
کرتے
گمرہی کے دبیز اندھیرے
دور ہوتے نہیں تو
اور کیا ہوتا
کیونکہ
اک کرن سے نکل گئے
ماہتاب آفتاب اتنے کہ
تیرگی کا
دم
گھٹ گیا
اور منور
ہوگئی کائنات

***

ابو ضحیٰ طارق
اونتی پورہ (کشمیر)

نعت

(۱)

آپؐ محبوبِ خدا ہیں یا امام الانبیاءؐ.... آپ کی خاطر بنے ہیں دو جہاں ارض و سماء
ہو نبوّت کے فلک پر ماہِ انور یا رسولؐ.... گلستانِ زندگی میں بوئے گُل بادِ صبا
خود خدائے لم یزل بھی ہیں ثنا خواں آپ کے.... وِرد سب مخلوق کے ہر دم سدا صلّ علیٰ
رشک کھاتے ہیں پیمبر شافعِ محشر ہیں آپؐ.... "ساقیٔ کوثر" لقب بھی ہیں شہہِ ہر دو سرا
ہم بھی تو ہیں اُمّتی یا رحمۃً للعالمین ....چاہیے بس آپؐ سے ہم کو کرم کی اک نگاہ
نعت لکھتا ہے یہ طارقؔ بس یہی اُمید ہے.... روزِ محشر آپؐ کے سائے میں مِل جائے پناہ

(۲)

ہم گداگر ، آپؐ تو ہیں تاجور.... آپؐ کا در چھوڑ کر جائیں کدھر
عشق میں بس آپؐ کے گردش میں ہیں ....چاند تارے ، رات دن ، یہ بحر و بر
بھر گیا صحبت میں کیسے آپؐ کی ....برکتوں سے اس رضائی ماں کا گھر
خُلق کے ، اخلاق کے ضرب المثل ....صاحب معراج وہ خیرالبشرؐ
اِک اشارہ ہوگیا، پھر معجزہ ....چل کے آنا پیڑ کا ، شق القمر
بوجھ برداری پہ بُڑھیا نے کہا....''دیکھا نہ کردار ایسا عمر بھر''
آپؐ کے در پر جو کوئی آگیا.... آپؐ کا سایہ رہا ہر ایک پر
یوں صدا دینے لگے صل علیٰ.... بند مٹھی میں لہب کے سب پتھر
بن کے شبنم وہ پسینہ جسم کا....برگِ گل کو دے گئی مشکِ عنبر

***

سیّد شبیبؔ رضوی
سرینگر (کشمیر)

قطعۂ تاریخ بمناسبت
وفاتِ پروفیسر مرغوبؔ بانہالی (مرحوم)

(مؤسس صدر: نعت اکادمی، کشمیر؛ سرپرستِ اوّل 'جہانِ حمد و نعت')

شاعرِ نعتِ رسولؐ پُر جمال
وا دریغا کرد مرغوبؔ انتقال

از غمش ذہنِ رفیقاں منتشر
قلبِ شاگرداں بشد افسردہ حال

اقربا مصروفِ ماتم چار سو
اہل خانہ قیدئ حُزن و ملال

من نگویم حضرتِ مرغوب کیست
زندگی اش خود نماید رنگِ حال

زندگی بودش بہ فیضِ کسبِ علم
از عمل طرزِ حیاتش بے مثال

پیرو سنت ، مطیع واجبات
حسبِ فطرتِ نیک سیرت خوش خصال

قایل صدق و صفا در قولِ حق
نکتہ سنج و نکتہ رس در قیل و قال

بود در مجلس ہمیشہ خوش کلام
بلکہ مثلِ انگبیں شیریں مقال

دل رُبا اندازِ بحث و گفتگو
دل پذیر و دلکش اظہارِ خیال

شکرِ مولا ، زندگانی اش گزشت
با عروج و با کمال و بے زوال

ہاتفی فرمود سالِ رحلتش
''بلبلِ باغِ رسولؐ لایزال''

۱۴۴۲ھ

مثلِ ہجری ہست ہم در عیسوی
دو ہزار رو بست و یک سالِ وصال''

***

باب

تاثرات

جہانِ حمد و نعت

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

[صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

نامہ ہائے شوق

پروفیسر ڈاکٹر شمس کمال انجم

ایس۔ حسن انظر

پروفیسر حافظ محبوب احمد

پروفیسر ڈاکٹر بدر الدین بٹ

ڈاکٹر یحییٰ نشیط

تنویر پھول

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے

● پروفیسر ڈاکٹر شمس کمال انجم

صدر شعبۂ عربی بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری ..... رابطہ : 9086180380

حمد ونعت کے فروغ اور ان کی نشر واشاعت میں آپ کی خدمات بہت نمایاں ہے۔ یہ آنجناب کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی واضح دلیل ہے۔ 'جہان حمد ونعت' کا ایک شمارہ مجھے بھی موصول ہوا تھا۔ کل مجھے آپ کا میسیج ملا۔ اس لیے بالکل تازہ اور غیر مطبوعہ مضمون بھیج رہا ہوں۔ ایسا مضمون جسے لکھتے ہوئے کئی بار آنکھیں اس عربی سنوریا کی یاد میں چھلک چھلک اٹھی ہیں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ ایک اچھوتا مضمون ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد قاری حب رسولؐ کے ان شیریں جذبات واحساسات سے ضرور دو چار ہوگا جن سے مضمون کا راقم ہوا۔ اگر پسند آئے تو 'جہان حمد ونعت' کے آئندہ شمارے میں اسے شامل اشاعت فرما کر ماجور ہوں اور شاعر کے لیے دعائے مغفرت بھی کریں۔ [مضمون زیر نظر اشاعت میں شامل ہے.....(ادارہ)]

● ایس۔ حسن انظر، بمنہ سرینگر

'نعت اکادمی' جموں وکشمیر نے کتابی سلسلے کے تحت ''جہانِ حمد ونعت'' کا دوسرا شمارہ بھی شائع کیا ہے، جو ایک نہایت ہی مسرّت انگیز کوشش ہے۔ رواں صارفیت کے دور میں کسی ادبی یا تجارتی ادارے کا دوسری مطبوعات کے ساتھ ساتھ اس طرح کا ضخیم حمدیہ ونعتیہ مجلہ شائع کرنا بہرصورت قابلِ تعریف ہی ہے۔ میں ذاتی طور پر اس مجلّے کے مئی ۲۰۱۹ء میں پہلے شمارے کو پڑھنے کے بعد اگلے شمارے کا بڑی بے صبری سے منتظر تھا اور اب اس کے ذرا تاخیر سے شائع ہونے کی اطلاع پاتے ہی اسے خریدنے کے لیے دوڑ پڑا۔ اس بار لگا کہ یہ شمارہ محض ذاتی کتب خانے کی زینت بننے کا ہی حقدار نہیں بلکہ اس پر ایک معروضی تجزیہ بھی لکھنا چاہیے۔ پس یہ سطور پیش خدمت ہیں۔

زیرِ نظر شمارہ بھی پہلے شمارے ہی کی طرح تفکرات، تدبرات، تفہیمات، تصورات، تخیلات، تاثرات اور متفرقات جیسے کئی ہم وزن اور ثقیل عناوین کے تحت مختلف ابواب میں منقسم ہے۔ سادہ لفظوں میں کہیں تو اصل حمد یہ ونعتیہ تخلیقات کے ساتھ ساتھ عقیدتی ادب سے متعلق آداب وشرائط، روایات، تحقیقی مضامین اور تنقیدی وتاثراتی اظہارات بھی شاملِ مجلہ ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اصل عقیدتی تخلیقات تو صرف بچانوے صفحات پر ملتی ہیں جب کہ مضامین وتاثرات وغیرہ کے لیے چارسو ستائیس صفحات وقف کیے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی ایک عجیب سی بات لگی کہ اِس شمارے میں کشمیری شاعری کا باب ہی نہیں ہے اور مدیر مجلہ کا یہ کہنا کہ اس بار کشمیری کے شعراء نے تعاون ہی نہیں کیا، بھی قابلِ توجہ ہے۔ ہمارے یہاں کے شعراء بھی تو عموماً اپنی تخلیقات کے چھپوانے میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں، پھر یہ عدمِ تعاون چہ معنی دارد؟ کہیں مجلہ کے پہلے شمارے سے لوگوں میں یہ تاثر تو پیدا نہیں ہوا ہے کہ یہ کسی مخصوص نظریئے اور مسلک والے شعراء وادباء کے لیے ہی مخصوص ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ ایک سنجیدہ اور فوری توجہ کا مستحق معاملہ ہے[1]۔...اب چلیے مجلہ میں شامل نثری وشعری تخلیقات پر بھی کچھ راست گفتگو ہو جائے۔ پہلے مناسب لگتا ہے کہ حصۂ نثر پر ہی بات ہو۔ متعدد مضامین تو ایسے ہیں جو اعلیٰ درجے کا مواد پیش کرتے ہیں اور وہ بھی کسی اختلافی معاملے سے بالاتر ہو کر اور دلچسپ انداز میں۔ لیکن وہیں کچھ مضامین ایسے بھی ہیں کہ جو یا تو محض مجلّے کا حجم بڑھانے کے لیے شامل ہوئے ہیں ورنہ کوئی مسلکی تنازعہ کھڑا کرنے کے لیے۔ جو مضامین مجلّے کے شایانِ شان اور ہر اعتبار سے قابلِ تعریف لگے، اُن میں تنویر پھول کا ''حمد ونعت میں الفاظ کا مناسب استعمال''؛ علیم صبا نویدی کے دو مضامین ''محمد علی اثر کی حمد یہ ونعتیہ رباعیات'' اور ''جنوبی ہند کی دو خواتین نعت نگار''، امیر حمزہ کا ''اردو رباعی میں حمد نگاری کے نقوش''، فیض احمد فیض کے نعتیہ اشعار کو سامنے لانا والا ڈاکٹر محمد معروف شاہ کا ''نعت نغمۂ زندگی ہے''؛ پروفیسر شفیق کھوکھر کا ''لالۂ صحرائی کی منفرد نعت گوئی''، ڈاکٹر غفور شاہ قاسم کا ''حفظ الرحمٰن احسن کی حمد یہ ونعتیہ شاعری'' اور مفتی محمد اسحٰق نازکی کا لکھا ہوا مضمون ''کشمیر کے سات عربی نعت گو شعراء'' خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ حمد ونعت لکھنے کے آداب اور شرائط وغیرہ سے متعلق بھی ایک آدھ نہیں، بلکہ بہت سے اور شاید ضرورت سے بھی زیادہ مضامین شاملِ مجلہ ہیں، جن میں سید عرفان اللہ، جاوید حسن، ڈاکٹر تابش مہدی، ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری، عبداللہ سلمان ریاض، رضوان احمد، ڈاکٹر محمد حسین مشاہد،

---

[1]۔ مکتوب نگار کو جاننا چاہیے کہ ادارہ 'الحیاۃ' (جس کا ذیلی ادارہ 'جہانِ حمد ونعت' ہے)، الحمدللہ برصغیر میں مسلکی عصبیت سے بالاتر ادارے کی منفرد پہچان رکھتا ہے، لہٰذا ان کا خیال محض ظن وقیاس پر مبنی ہے...(ادارہ)

مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی، علی محمد عاجز اور حافظ مقصود احمد ضیائی شامل ہیں۔ نقد و نظر سے متعلق بے حد اہم باب میں چھ مضامین موجود ہیں۔ کاش یہی تفہیمات و توضیحات والا باب ہی ذرا اور زیادہ پھیلا ہوا ہوتو تو عملی طور پر حمد و نعت لکھنے والوں کی راہنمائی بھی ہوئی اور مجموعی طور پر اُردو دنیا میں خوب سے خوب تر عقیدتی کلام تخلیق کرنے میں بھی تحریک و ترغیب ملتی۔ نعت کیا ہے، شرعی حدود کا پاس ولحاظ رکھنا کتنا ضروری ہے، وغیرہ سے متعلق مواد بھی اپنی جگہ پر بے شک اہم اور مفید ہے لیکن ان کی وجہ سے ایسا بھی نہیں لگنا چاہیے کہ حمد و نعت لکھنے والے شاعر کے سامنے ڈنڈا لئے کوئی ڈراونا مولوی کھڑا ہے۔ اللہ تو رحیم و رحمٰن ہے اور رسول اکرم ﷺ بھی رؤف و رحیم ہیں، تو مولوی صاحبان کو بھی شفیق و رحیم ہی ہونا چاہیے۔ شعراء تو بہت ہی حساس اور نرم مزاج کے ہوتے ہیں۔ اُنہیں پیار سے اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آگے بڑھنے میں مدد کرنی چاہیے۔ عمومی بیانات اور فتاویٰ جاری کرنے کے بجائے شمارے میں شامل کسی حمد و نعت یا باہر کی کسی عقیدتی تخلیق پر عملی تنقید کر کے ٹھوس رہنمائی کی جانی چاہیے، جس طرح کہ تنویر پھول نے خوبصورت مضمون ''حمد و نعت میں الفاظ کا مناسب استعمال'' لکھ کر کیا ہے یا جس طرح پہلے والے شمارے میں ڈاکٹر عزیز احسنؔ نے اپنے بے حد کارآمد مضمون ''نقدِ نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی'' میں کیا تھا۔

اب آیئے تنویر پھول کے اُسی مضمون پر کچھ روشنی ڈالتے چلیں۔ انہوں نے اس مضمون میں ایک بہت ہی بنیادی اور اہم معاملے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کئی پیشرو اور معاصر شعراء کے کلام میں پائی گئی فنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اسقام کی طرف بھی مناسب اشارے کئے ہیں۔ مثلاً معروف عالم اور شاعر مولانا ظفر علی خان کی ایک مشہور نعت کے اس مطلع پر کھل کر بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں .... اک روز جھلکنے والی تھی، سب دنیا کے درباروں میں

جس کو پڑھتے ہوئے تو یہی تاثر اُبھرتا ہے کہ گویا حضور ﷺ چالیس برس تک مسلسل غاروں کے اندر رہتے ہوئے مراقبے میں مصروف رہے ہوں جو کہ ایک تاریخی حقیقت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے تو واقعی غارِ حرا میں ایک مختصر سی مدت کے لیے ہی قیام فرمایا تھا، چالیس برس تک نہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے غارِ ثور میں بھی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ہجرت کے موقعے پر ایک مختصر عرصے کے لیے ہی قیام فرمایا تھا۔ تنویر پھولؔ نے اسی طرح شعراء کے ''خیر الامم'' لکھنے کو غلط بتلاتے ہوئے مشورہ دیا ہے کہ اس کی جگہ ''شاہِ امم'' یا ''فخرِ اُمم'' لکھنا چاہیے۔ فاضل مضمون نگار نے اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ذاتِ پاک کے لیے شعراء کا ''تم''، ''تو'' یا ''اُس'' جیسے ضمائر کا استعمال بھی جائز قرار دیا ہے۔ ایسے

ضمائر و الفاظ پر اعتراضات اور طعن و تشنیع سے بچنے کی بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل دارومدار تو نیتوں پر ہوتا ہے۔شعری ضرورتوں یا رعایتوں کے پیش نظر ایسا کرنا اس لیے بھی جائز ٹھہرا دیا ہے کیونکہ شمس تبریزی، علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان جیسے اکابرین نے بھی اپنے اشعار میں ایسے ضمائر برتے ہیں۔تینوں کا ایک ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔تنویر پھولؔ نے حمد و نعت میں لفظ 'عشق' کے استعمال کو بھی قابلِ اعتراض نہیں مانا ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں اس لفظ کے نہ ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ یہ قبیح و مردود ہے۔اس مضمون کو پڑھنے کے بعد شاید کوئی بھی نعت گو اطمینان و اعتماد کے ساتھ اپنے نعتیہ کلام میں ان الفاظ کو برت پائے گا۔یہ الگ بات ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر کسی محترم شخصیت کے لیے بھی جہاں تک ممکن ہو، اردو تہذیب کے مطابق ''تم'' اور ''تو'' کی جگہ ''آپ'' ہی کا استعمال کیا جائے گا اور اسی طرح ''عشق'' کے اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہونے کے سبب اکثر لوگ اس سے عموماً اجتناب کرنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

مفتی محمد اسحٰق نازکی کا لکھا ہوا مضمون ''کشمیر کے سات عربی نعت گو شعراء'' بھی بہت ہی کارآمد اور دلچسپ مضمون ہے۔موصوف نے پہلے شمارے کے لیے بھی ''علامہ انور شاہ کشمیری کا قصیدۂ معراجیہ'' مع ترجمے کے پیش کیا تھا۔ مجھے ذاتی طور پر اُن کے یہ مضامین دیکھ کر بڑی حیرت آمیز مسرّت ہوتی ہے کیونکہ اُن کی ایک کتاب ''موسیقی: ایک میٹھا زہر'' پڑھ کر تو یہی لگتا تھا کہ وہ شاید شعر و سخن سے بھی یکسر متنفر ہوں گے، مگر ایسا نہیں تھا۔مفتی صاحب نے ان مضامین میں عربی اشعار کے ساتھ ساتھ اُن کا خوبصورت اُردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے، جب کہ اس کے برعکس مجلّے میں شامل پروفیسر حمید نسیم رفیع آبادی نے اپنے مضمون ''نعتِ رسول: ایک مختصر جائزہ'' میں عربی اشعار و عبارات کا اُردو ترجمہ پیش کرنے کی زحمت گوارا ہی نہیں کی ہے۔ پروفیسر موصوف کو گویا یہ خیال ہی نہیں کہ یہ رسالہ اُردو کا ہے اور اس کے قارئین عربی یا انگریزی وغیرہ بغیر ترجمے کے سمجھ ہی نہیں سکتے۔قارئین کا یوں خیال نہ رکھنا یا اُن پر اپنی عربی دانی کا رعب جمانا کسی بھی صورت میں روا نہیں ہے۔

علی محمد عاجزؔ نے پہلے شمارے میں شامل نعتیہ کلام کا ایک مختصر سا جائزہ لکھ کر اخلاقی جرأت اور ادبی ایمانداری کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔انہوں نے بجا طور پر علیم صبا نویدی، سید شبیب رضوی، سید محمد رضا، رخسانہ جبین اور ذوالفقار نقوی جیسے معروف شعراء کے اشعار میں اسقام یا کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔ایسی عملی تنقید کی ہمیں سخت ضرورت بھی ہے۔

بعض مضامین عجلت پسندی یا مجلہ کے تقاضے کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے بھی لکھے گئے ہیں مثلاً قلندر

صفت دوست پروفیسر حیات عامر حسینی کے مضمون ''کشمیری شاعری میں نعتیہ عناصر'' کو ہی لیجئے۔ اس میں حضرتِ شیخ نورالدین نورانیؒ کے حوالے سے بہت ہی معیاری اور سنجیدہ گفتگو کا آغاز تو ملتا ہے مگر پھر کشمیری شاعری کے کسی بھی دوسرے معتبر شاعر کا کوئی ذکر تک نہیں ملتا۔ یہ تشنگی نہ رہتی تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔
کچھ اسی طرح کی عدم توجہی یا عجلت پسندی پروفیسر اسد اللہ وانی کے مضمون ''رسا جاودانی کی نعتیہ شاعری'' میں بھی نظر آتی ہے۔ اس مضمون کا آغاز بھی بہت ہی اچھا ہے اور مجموعی طور پر مضمون ہے بھی بہت ہی معلومات سے مزین مگر ایک بہت ہی معروف اور مقبول شاعر کے کلام میں سے کمزور قسم کے چند اشعار سہواً یا چُن چُن کر سامنے لانا سب مزا خراب کر گیا۔ ابتداء میں ہی رسؔا جاودانی کا جو شعر پیش کیا گیا ہے، اُسے پہلے ہی کیا، بعد میں بھی پیش نہ کیا جاتا، تو مناسب رہتا۔ شعر یوں ہے ؎

دِلچ صافی ژےٚ نو چھےٚ ورد خوانو......... خدایس خوش پیا پھِسرائے چائنی

اب شعر پر ذرا غور کیجئے تو ''وِردخوان'' کی ترکیب کتنی عجیب لگتی ہے کیونکہ وِرد کرنا بھی پڑھنا یا قرأت ہی ہوتا ہے۔ یوں ''وِردخوانی'' میں ایک ہی معنی کے لیے دولفظوں کا بلاضرورت تکرار پایا جاتا ہے جو غلط ہے۔ ہم درودخوانی یا وعظ خوانی کو کہتے ہیں 'وردخوانی' نہیں۔ اسی طرح ایک اور کمزور سا شعر بھی نمونے کے شعر کے طور پر پیش کیا گیا ہے ؎ سرِ عرشِ اعظم ہے پرواز تیرا......... اُٹھاتا ہے ناز آفریں ناز تیرا

اس شعر میں لفظ ''پرواز'' کو مؤنث کی جگہ مذکر کے طور پر برتا گیا ہے۔ اگرچہ رسؔا ایک بہت ہی لفظ شناس شاعر گذرے ہیں مگر اُردو اُن کی بہرحال مادری زبان تو نہیں تھی؛ سو اس طرح کی کوئی غلطی سہواً رہ بھی گئی ہو تو اُسے اُن کے کلام کی بے شمار خوبیوں کے مقابلے میں اُچھالنا کسی بھی طور صحیح نہیں ہوگا۔
شمس الدین شمیؔم کا ''مشتاق فریدی کی نعت گوئی'' والا مضمون بھی کسی طرح کی خاص بات سامنے نہیں لاتا ہے۔ کسی ٹیلی ویژن انٹرویو کا حوالہ دے کر اور شاعر کے کلام کا کوئی نمونہ پیش کئے بغیر ہی تعریفوں کے پُل باندھنا مستحسن نہیں کہلا سکتا۔ ایسی کھوکھلی نگارشات کو شاملِ اشاعت کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ کچھ اسی طرح کی تحریر حافظ مقصود احمد ضیائی سے بھی منسوب ہے۔ حافظ صاحب نے ''نعت گوئی کے آداب'' کے ضمن میں عمومی بیانات اور ہدایت نامے کے سوا کوئی خاص بات پیش نہیں کی ہے۔ مدیر مجلہ اور اُن کے معاونین ڈاکٹر شکیل شفائی اور علی محمد عاجز کے دونوں شماروں میں شامل درجن بھر مضامین میں سے بھی کچھ ایک اگر حذف ہی کئے گئے ہوتے تو شاید بہتر رہتا۔[۱] اس طرح سے نثر و نظم ابواب میں ایک تناسب بھی قائم کیا جا سکتا تھا۔

۱: یہ مسئلہ اگر مدیر کی صواب دید پر ہی چھوڑا جائے تو بہتر ہے۔ مجلّے میں کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے، اگر اس کا فیصلہ قارئین ہی کریں گے تو مدیر کا کیا کام ہے؟ (ادارہ)

بعض حضرات نے ماضی میں بھی شرعی احکامات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے نعت گوئی کے سلسلے میں آداب وشرائط پیش کئے ہیں اور عملی تنقید کرتے ہوئے علامہ اقبال، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا احمد رضا خان بریلوی یا مولانا عبدالرحمٰن جامی، حضرت امیر خسروؒ وغیرہ کے نعتیہ کلام پر انگلی اٹھائی ہے اور اُن کو معقول جوابات بھی ملتے رہے ہیں۔ اُن ہی مباحث کو از سرِ نو اٹھانا بظاہر غیر ضروری اور تکلیف دہ ہی ہے۔ اس سلسلے کے مضامین کو تناسب سے زیادہ شاملِ مجلہ رکھنا ضروری بھی نہیں ہے۔ اور خاص طور سے اُن مضامین کو تو بالکل ہی شامل نہیں رہنا چاہیے جو کسی خاص مسلک اور نظریئے کو دیگر مسالک و مکاتب فکر پر ترجیح دینے کی کوشش میں لکھے گئے ہوں۔ زیرِ نظر شمارے میں بعض اصحاب نے اس سلسلے میں بجا طور پر خبردار بھی کیا ہے مثلاً صفحہ ۴۵۶ پر پروفیسر حیات عامر حسینی نے برملا لکھا ہے کہ:

''مجلہ کا معیار اور مضامین آنے والے وقت میں اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش ہو۔ حمد و نعت و مناقب کا انتخاب اعلیٰ ہو۔ ان حسین و روح افزا موضوعات پر وُسعتِ علم اور تفقہ کے ساتھ لکھنے والے صاحبانِ علم و فن سے ہی درخواست کی جائے''۔

ملک نواز احمد اعوان نے بھی ''نعت رنگ شمارہ ۲۸'' کے حوالے سے سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی کے کسی مضمون سے یہ خوب صورت الفاظ مجلہ کے صفحہ ۳۱۳ پر درج کروائے ہیں کہ:

''ادبی تنقید اور خصوصاً نعت میں یہ بات لازماً یاد رکھنی چاہیے کہ تنقید کو فتوے کا انداز ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی صرف استرداد کا رویہ اختیار کرتا ہے اور شدّت پسندی کے ساتھ رائے دیتا ہے اور عمومی انداز میں بیانات جاری کرتا ہے تو چاہے وہ کتنا ہی عالم فاضل کیوں نہ ہو، ادب و نقد میں اُس کی بات کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ ادبی تقاضے پورے نہ ہوں تو کوئی خیال، کوئی نظریہ، کوئی تصور اور کوئی فکر ادب و نقد میں جگہ ہی نہیں پا سکتی''۔

اس حقیقت کا بہر حال سب کو ادراک ہونا ہی چاہیے کہ موجودہ لادینیت اور مادیت کے زمانے میں اگر کوئی شخص مسلسل حمد و نعت لکھتا رہتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ اِن اشعار کو راتوں کی تاریکیوں میں اشک بہاتے ہوئے لکھتا ہو، تو ہر کس و ناکس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی عقیدت کو مجروح کرتا پھرے۔ یقین رکھیے کہ ایسے افراد کی گہری نظر قرآنِ پاک اور اسوۂ رسولِ کریم ﷺ پر بھی رہتی ہوگی، ورنہ ایسی سعادتیں ہر کسی کو نصیب ہی کہاں ہوتی ہیں۔ لہٰذا غنیمت ہے کہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھنے والا مسلمان حمد و نعت لکھتا ہوا اور جامی کی طرح بصدق وصفا جسم و جان ہی نہیں بلکہ جملہ فرزندان بھی خدا اور اس کے محبوبؐ پر قربان کرنے والا ہو۔ سب

کو ساتھ لے کر چلنے اور اتحاد کی سخت ضرورت ہے، تفرقہ بازی اور نفرتیں بانٹنے کی نہیں۔[1]

اب جہاں تک شعری تخلیقات کا تعلق ہے ان میں حامدی کاشمیری، لالہ صحرائی، اشفاق انجم، حافظ محبوب، سرفراز بزمی، سلطان الحق شہیدی، انور مسعود، ریاض مجید، خورشید بسمل، ابن نشاط کشتواڑی، تابش مہدی، فاضل میسوری، علیم صبا نویدی اور عاشق کاشمیری وغیرہ کا کلام تو یقیناً معیاری اور بے عیب ہے۔ مگر ساتھ ہی بعض دیگر حضرات کے کلام میں کہیں کہیں چھوٹے بڑے معائب یا اسقام بھی ملتے ہیں۔

مدیر مجلہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ کسی ماہر سے مشورہ کر کے فنی طور کمزور یا غیر موزوں اشعار کو شائع ہی نہ کریں یا شاعر کو کلام واپس بھیج کر خود ہی اسے درست کر کے دوبارہ بھیجنے کو کہیں۔ ساتھ ہی کمپیوٹر کمپوزنگ کے دوران بھی احتیاط برتی جائے، تاکہ کسی شاعر کے کلام کو بلا وجہ غلط ڈھنگ سے پیش نہ کیا جائے۔ یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ کسی شاعر کا کلام محض اس وجہ سے شاملِ مجلہ کیا جائے کہ وہ کہنہ مشق ہیں یا کافی بزرگ ہیں۔ اس سلسلے میں مشتاق کاشمیری (جو یہ سطور لکھنے کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے) اور اسیر کشتواڑی کا مطبوعہ کلام قابلِ ذکر ہے۔............. غزل گوئی کے میدان میں ایک معتبر نام کمانے والے شفق سوپوری نے بھی کچھ اسی طرح عقیدتی ادب میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اُن کے یہ دو حمدیہ اشعار خاص طور سے توجہ طلب ہیں ؎

گرچہ ہر سُو نظر آتا ہے سراپا تیرا　　میری آنکھوں میں سماتا نہیں جلوہ تیرا
یہ ساز و برگ، یہ رختِ سفر تمہیں سے ہے　　خدایا! بے ہنری میں ہنر تمہیں سے ہے

پہلے شعر میں یہ کہنا کہ ''خدا کا سراپا نظر آتا ہے'' قرآن کی رو سے بھی اور عام انسانی عقل کی رو سے بھی غلط ہے۔ ''سرتاپا'' تو کسی مخلوق کے لیے استعمال ہوتا ہے، خدا کے لیے نہیں اور پھر ایک محدود بصارت اور علم و عقل والا انسان لامحدود اللہ کو مکمل طور دیکھ ہی کیسے سکتا ہے۔ بعض متکلمین تو رویتِ باری تعالیٰ کو دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی ناممکن قرار دیتے ہیں۔ پھر شفق سوپوری مستثنیٰ کیسے ہو سکتے ہیں۔ دوسرے شعر میں ''خدایا'' کا آخری حرف ''الف'' گر جاتا ہے یعنی ''خدایا'' کی جگہ ''خدایہ'' پڑھنا پڑتا ہے تاکہ وزن برابر ہو جائے۔ دیگر کئی شعراء کا کلام بھی یہاں وہاں توجہ طلب بلکہ اصلاح کا بھی متقاضی ہے۔

راقم الحروف کی نعت شریف (اُردو) کا مطلع بھی بظاہر غیر موزون ہے، حالانکہ اسے صحیح حالت میں بھیجا گیا تھا، جو اس طرح ہے ؎

---

[1]: ایسا قبیح کام کس نے کیا؟ مکتوب نگار اگر ایسی تحریر کی نشاندہی فرماتے، تو اُن کی بات میں وزن رہتا۔ (ادارہ)

کوئی حاکم ہوں نہ گنج بے بہا رکھتا ہوں میں
خاص لیکن اک رسولؐ و رہنما رکھتا ہوں میں

نہ جانے مدیران کرام نے اسے کیونکر (اور بلاضرورت) بدل کر یوں چھاپ دیا ہے ؎

کوئی حاکم ہوں نہ گنج بے بہا رکھتا ہوں میں
پر منفرد اک رسول و رہنما رکھتا ہوں میں

اُمید ہے کہ آئندہ شعری تخلیقات کو فنی کسوٹی پر جانچنے کے بعد ہی شائع کیا جائے گا۔

پروفیسر حافظ محبوب احمد، سرگودھا، پنجاب

یوں تو سلسلۂ حمد باری تعالیٰ اور سلسلۂ نعتِ مصطفیٰ ازل سے ہی جاری وساری ہے۔ابھی کن کے زیر اثر اس کائنات کو وجود بھی نہ ملا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام ہنوز پانی اور مٹی میں تھے کہ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عہدۂ نبوت پر فائز فرمادیا گیا تھا اور یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت کے ترانے جاری ہو گئے تھے اور رب تو پھر رب ہے۔اسکی حمد وثنا تو ازلی وابدی ہے ہی۔اور پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہی چلا گیا؛ چاہے انبیا سے لئے گئے عہد کی صورت ہوئی، چاہے آسانی کتابوں میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارتیں دی گئیں۔اور پھر قرآن نازل ہوا جس میں آیت آیت جہاں خدا کی قدرتوں اور کارناموں کا بیان ہے اور قدم قدم پر اس کے محامد ہیں، وہیں "کان خلقه القرآن " کے جلوے بھی دکھائی دیتے ہیں بلکہ سارا قرآن ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت دکھائی دیتا ہے۔

پھر جب اہل عرب کے ابتدائی کلام پر نظر ڈالی جائے تو چاہے حضرت ابوطالب کا اظہار عقیدت ہو یا حضرت حسّانؓ کی ثنا گوئی، ہمیں عربی لٹریچر بکثرت حمد ونعت سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔

پھر اگر تھوڑی اور ورق گردانی کریں تو حضرت بوصیری ہوں یا جامی، شیخ سعدی ہوں یا علامہ اقبال --الغرض سبھی اللہ والے، سبھی عاشقینِ رسولؐ، ہر طرف حمد وثنا کی بہاریں بکھیرتے نظر آتے ہیں اور ان بہاروں میں آئے روز اضافہ ہی اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور چمنِ حمد ونعت میں نت نئے پھول کھل رہے ہیں۔کچھ اللہ والے ایسے بھی ہیں جو شب وروز ان پھولوں کی مالا بننے میں مصروف ہیں۔اس تقدیسی لٹریچر،اس قدسی ادب کو اس طرح محفوظ فرمارہے ہیں کہ اس کا صلہ سوائے خداوندِ قدوس اور کوئی نہیں دے سکتا۔

انہی مؤخر الذکر اللہ والوں میں سے ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب بھی ہیں، جو ارض جموں وکشمیر

کے قلب یعنی سری نگر میں بیٹھ کر" جہانِ حمد و نعت" کی صورت میں شب وروز اس تقدیسی ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ بخدا وہ ایسا کام کررہے ہیں کہ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ مجھ ایسے سیکڑوں حمد و نعت سے وابستہ وہ گمنام لکھاری کہ جنھیں گلی محلے میں بھی کوئی نہیں جانتا، انہیں بھی وہ عالمی سطح پر متعارف کروا رہے ہیں۔ جناب قبلہ قدوسی صاحب شب وروز سوشل میڈیا پر موجود اس تقدیسی ادب کی ورق گردانی فرماتے ہیں اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسے جواہر پارے اپنے جرائد کی زینت بناتے ہیں کہ کیا کہنے! ایک سے ایک بڑھ کر ہوتا ہے۔ بخدا انکی اس محنت کا صلہ خدا ہی دے سکتا ہے۔ اس تقدیسی ادب سے جڑے لاکھوں اہل حمد و نعت کو" جہانِ حمد و نعت" کی صورت میں ایسے شمارے اور جرائد میسر آتے ہیں کہ انکی ورق گردانی قارئین کو گھر بیٹھے بٹھائے تازہ ترین حمدوں اور نعتوں سے روشناس کرادیتی ہے۔

میں تمام اہل حمد و نعت سے درخواست کروں گا کہ وہ ڈاکٹر قدوسی صاحب سے دامے، درمے، سخنے ہر اعتبار سے تعاون فرمائیں اور انکی ان مساعی میں اپنا حصہ ڈال کر اپنا زادِ آخرت یقینی بنائیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العلمین ڈاکٹر صاحب کی یہ مساعئ جمیلہ قبول فرمائے اور انکی ان مقدس کاوشوں کے صدقے ہم ایسے عاصیوں کی بھی مغفرت ہو، آمین۔

● پروفیسر ڈاکٹر بدرالدین بٹ، سرینگر، کشمیر

" جہان حمد و نعت" کی دوسری جلد باصرہ نواز ہوئی۔ اس کے مدیر محترم لایق صد ستائش و تحسین ہیں جن کی صبر آزما کاوشوں سے ایسا ضخیم مجموعہ معرض وجود میں آیا ہے۔

اس مجموعہ کے امتیازات میں یہ ہے کہ اسمیں نہ صرف فن نعت نگاری کے مختلف پہلوؤں، اس کے آداب و حدود اور تقاضوں پر مقالات درج ہیں بلکہ اردو، کشمیری وغیرہ کے سر برآوردہ نعت نگاروں کی خدمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مزید برآں اسمیں نمایندہ نعت نگار شعراء حضرات کے نعت پاروں سے راحتِ دل و جان کا سامان کیا گیا ہے۔

اللہ کرے کہ یہ کاوش بارگاہِ ایزدی میں قبول ہو اور اسے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہو۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

● **ڈاکٹر یحییٰ نشیط** 24, Kashana KALGAON, Dist. Yavatmal 445203 (MS)

'جہان حمد و نعت' کا دوسرا شمارہ ملا۔ شکریہ۔ آپ کا اداریہ نپا تلا ہے۔ صرف اتنا عرض ہے کہ نعتیہ شاعری پر اوّلین تحقیق پروفیسر رفیع الدین (مرحوم) کی ہے۔ اس کے بعد نعت پر جتنے بھی مقالے لکھے گئے، وہ مرحوم سے خوشہ چینی کا نتیجہ ہیں۔

باب تفکرات میں حمدیہ شاعری پر تینوں مضامین اچھے ہیں۔ حمد کی تعریف کرتے وقت بالعموم اس کے عربی صرفی نکتے پر کبھی غور نہیں کیا گیا، جس کی وجہ سے متبحر علماء و ادباء حمد کی جمع محامد بتادیتے ہیں۔ جبکہ جس طرح اللہ کی جمع نہیں، اسی طرح حمد کی بھی جمع نہیں ہے اور حمد صرف اللہ ہی کی تعریف کے لیے مختص ہے۔ رہا جمع کا صیغہ "محامد" تو اس کا واحد "محمدۃ" ہے۔ حمد کی جمع محامد قطعی نہیں۔

تنویر پھول کا مضمون قاری کو متاثر کرتا ہے۔ انھوں نے تقدیسی شاعری میں مناسب ادبیات کے استعمال پر زور دیا ہے اور جو مثالیں پیش کی ہیں، وہ زبردست دلیلیں فراہم کرتی ہیں۔

نعت کے آداب و اسالیب اور تقاضوں پر اب جو کچھ لکھا جا رہا ہے، اس پر اعادے کا شائبہ ہو رہا ہے۔ علیم صبا نویدی تو مدراس میں نعتیہ شاعری پر ایک مضبوط مقالہ لکھ چکے ہیں۔

مشاہد رضوی کا مضمون نہایت اہم ہے۔ اگر وہ کوشش کرتے تو ادبی کتابوں میں بھی انھیں نظری صنعتیں مل جاتیں۔ بہر حال! ان کے مضمون کی اوّلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دیگر مضامین ابھی پڑھ نہیں پایا۔

● **تنویر پھول**، نیویارک، امریکہ

واٹس ایپ پر آپ کا پیغام نظر نواز ہُوا۔ حسب الارشاد "جہان حمد و نعت" کے تیسرے شمارے کے لئے تخلیقات منسلک ہیں، موصول ہونے پر اطلاع دیجئے گا۔ سب کو سلام کہئے اور ہمیشہ اپنی خصوصی دعا میں یاد رکھئے..... جزاک اللہ فی الدارین خیرا

نوٹ : ادارے کو حسبِ سابق خاصی تعداد میں مکاتیب موصول ہوئے ہیں۔ تنگیٔ صفحات کے باعث بعض احباب کے مکاتیب یہاں پر شامل نہیں کیے جا سکے۔ اب وہ اِن شاءاللہ شمارہ نمبر ۵ کی زینت بن رہے ہیں، جو زیر نظر شمارے کے ساتھ ہی منظر عام پر آ رہا ہے، اِن شاءاللہ۔ [مدیر]

❄❄❄

باب

متفرقات

گوشۂ پروفیسر مرغوب بانہالیؒ

نعت اکادمی کشمیر کے بانی صدر؛"جہانِ حمدونعت"کے سرپرست

محقق وشاعر : پروفیسر مرغوب بانہالیؒ

از : آسی غلام نبی وانی فتح گڈھی (سرپرست رسالہ"راہِ نجات"و"مؤسس مجلس علمی جموں وکشمیر")

'نعت اکادمی' کشمیر کے بانی صدر؛''جہانِ حمدونعت'' کے سرپرست، شاعرِ توحید، پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی صاحب کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔وہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔راقم کا اُن کے ساتھ قریبی تعلق تھا، جو زیادہ تر 'نعت اکادمی' اور 'جہانِ حمدونعت' کے حوالے سے استوار تھا۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین۔اُن کا تذکرہ جاری ہے۔ذیل میں آسی فتح گڑھی کی تحریر ملاحظہ فرمائیں.....مدیر

پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب کشمیر کے ایک ایسے صاحب علم و صاحب قلم محقق وشاعر تھے، جنہوں نے دورِ غلامی میں آنکھیں کھولیں اور اپنی ابتدائی تعلیم بھی اسی دور میں شروع کی۔ 1937ء میں پیدا ہوئے اور 1954ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے محکمہ تعلیم میں ایک استاد کی حیثیت سے تعینات کئے گئے۔پھر پرائیویٹ سطح پر رفتہ رفتہ پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور کشمیر یونیورسٹی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔اسی دانشگاہ سے اپنی سرکاری خدمات انجام دینے کے بعد 1997ء میں سبکدوش ہوئے۔اور رمضان کے متبرک مہینے میں رحمتِ حق ہوئے۔

یوں تو اس دور میں ڈگری یافتہ مسلمان فضلاء کی کمی نہیں ہے۔ملک کی آزادی کے بعد

ہزاروں لوگوں نے اعلیٰ قسم کی ڈگریاں حاصل کیں، لیکن بد قسمتی سے اکثر فضلاء اپنے دینی عقائد اور اعمال پر کاربند نہ رہ سکے۔ باقی چال ڈھال اور لباس کے معاملے میں اگر اسلامی میٹر لگا کر تجزیہ کیا جائے تو سوائے دکھ اور افسوس کے اور کچھ نہیں ملتا ہے۔ یہ غلامی کی ایک خاص نشانی ہے کہ عوام اپنی تہذیب و ثِقافت کو بھول کر غیروں کے نقال بن جاتے ہیں اور اس کو فاتح قوم کی ہر ادا پسند آتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ کھانے پینے اور نشست و برخاست میں بھی غیروں کے مقلد بن جاتے ہیں، لیکن اللہ اگر کسی کو نوازنا چاہے تو وہ زمانہ سازی کے برعکس زمانہ ستیز بن کر پہاڑ کی طرح اپنے مؤقف پر قائم رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیتا ہے۔ مرغوبؔ صاحب بھی ان ہی خوش قسمت انسانوں میں سے تھے، جنھوں نے اس دورِ الحاد میں اپنے آپ کو اسلامی افکار و اعمال کے ساتھ مربوط رکھا، اپنے فکر و عمل کو کام میں لا کر زندگی کا صحیح استعمال کیا اور اسی سرکاری ملازمت کی زندگی میں اپنے منصبی فرائض کے عِلاوہ اپنی دینی خدمات کے ذریعے کشمیر کے علم دوست اور ادب نواز لوگوں کے لیے ایک وسیع علمی ذخیرہ مرتب کیا حتیٰ کہ پچاس سے زائد علمی اور دینی کتب تصنیف فرمائی۔ اپنی شاعرانہ مہارت کو استعمال میں لا کر ایک دردمند صاحبِ دل اور صوفی بزرگ کی طرح علم و عرفان کے جوہر بکھیرے۔ وہ مادی علوم کے پرستار بننے کے برعکس علم کے ایک باکردار داعی بن کر ابھرے۔ یہ اللہ کا ان کے ساتھ ایک خاص معاملہ تھا۔

احقر نے کشمیر میں جب رسالہ ''راہِ نجات'' جاری کیا تو موصوف نے اس کو بہت ہی سراہا اور فرمایا کہ مجھے اس رسالہ کے ذریعے شمالی کشمیر میں ایک نور کی کرن نظر آتی ہے۔ ایک دفعہ احقر نے ایک نظم بعنوانِ ''تہذیب نو شیطان ہے'' رسالہ راہِ نجات کے ایک شمارے میں شائع کی، تو فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ نظم ہر گھر کی دیوار پر ایک ''مانوگراف'' کی حیثیت سے آویزاں رہے۔ احقر اپنی کوئی بھی نظم شائع کرنے سے پہلے موصوف کو فون پر سناتا تھا اور موصوف اپنی علمی بینائی اور فکری بلندی کے تحت اس میں کبھی کبھی اصلاح بھی فرماتے تھے۔ اور مجموعی طور سے تمام نظموں کو بہت ہی پسند فرماتے تھے۔ اپنے مضامین ''راہِ نجات'' میں شائع ہونے کو پسند کرتے تھے، چنانچہ اُن کا ایک بہت ہی قیمتی مضمون بعنوانِ ''مقصد تخلیق کائنات'' اُن کے اپنے قلم سے میرے پاس اس وقت بھی غیر شائع شدہ موجود ہے۔ راہِ نجات کا داعی توحید نمبر شائع ہونے کے بعد مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے متعلق ایک نظم تحریر فرما کر ارسال کی اور ہم نے اس کو راہِ نجات میں فوراً شائع کیا۔ ایک دفعہ اپنے تاثرات میں اہل ثروت لوگوں سے استدعا کی کہ کاش کوئی صاحب اس کے نسخے خرید کر کشمیر یونیورسٹی میں تقسیم کرے تو بہت فائدہ ہوتا۔ تو

ایک دیندار صاحب ثروت نے سینکڑوں نسخے اس غرض کے لیے خرید کر یونیورٹی میں برائے تقسیم روانہ کئے۔ راہِ نجات کے لیے انہوں نے اپنے چند اشعار روانہ فرمائے تو ہم نے راہِ نجات کے ٹائٹل پیج پر اُن کا یہ مشہور شعر دائمی اشاعت کے لیے لگایا ؎

وقت کے پھسلن بھرے موڑوں میں اب ہم پھنس گئے
حیف چھوٹی ہم سے کیوں اصحابؓ کی راہِ نجات

موصوف یقیناً شاعرِ توحید تھے، کشمیر میں جب احقر نے "مجلس علمی" قائم کی تو موصوفؒ نے اس کی دعوتی اور علمی خدمات کے ساتھ پورا اتفاق کیا اور ہمیشہ اپنی دعاؤں کے ذریعے سے ہماری مدد کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ" افسوس آپ جیسا دوست مجھے بڑھاپے میں مل گیا''۔ کئی دفعہ فرمایا کہ "ڈاکٹروں نے مشورے کے تحت مجھے لمبے اسفار سے منع کیا ہے ورنہ مجالس میں ضرور شریک ہوتا''۔

جموں و کشمیر کلچرل اکاڈمی نے جب اپنا خصوصی شمارہ "مرغوب بانہالی نمبر" شائع کیا تو موصوف نے خواہش ظاہر کی کہ میرا بھی ایک مضمون اس میں شائع ہو تو احقر نے اس نمبر کیلئے "سہل اردو نور نامہ" عنوان کے تحت مضمون لکھا اور فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز فرزند "مشتاق مرغوب" کے مضمون "مرغوب صابی ستھ اہم ترجمہ" کے ساتھ ہی آپ کا مضمون چھاپنے کی اکاڈمی والوں سے گذارش کی ہے۔ اس کتاب میں غالباً یہ سب سے طویل مضمون ہے جس کو موصوف نے بہت ہی سراہا۔ یہ سب کچھ "مرغوب صاحب" صرف دینی جذبے کے تحت کرتے تھے، ورنہ وہ ظاہر داری سے کوسوں دور تھے۔ جب بھی احقر ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا تو اُن کی مہمان نوازی کا پورا اندازہ ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ موصوف دین پسند، دین پرور اور مخلص داعی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم دینی عالم بھی تھے۔ انہوں نے اپنا سارا زورِ قلم اشاعتِ دین کے سلسلے میں خرچ کیا۔ اللہ اُن کی حسنات کو قبول فرمائے، اُن کی قبر کو نور سے بھر دے اور اُن کے علوم سے اہالیان کشمیر کو زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

❋❋❋

ڈاکٹر نثار احمد

تیسری عالمی حمد ونعت کانفرنس ومشاعرہ

’ادارۂ چمنستان حمد ونعت ویلفیئر ٹرسٹ‘ کراچی کے زیر اہتمام ’آرٹس کونسل کراچی‘ کے تعاون سے تیسری ’عالمی حمد ونعت کانفرنس ومشاعرہ‘ منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام کے پہلے روز مقالے پیش کیے گئے۔ اس پروگرام کی مجلس صدارت میں ڈاکٹر ریاض مجید‘ نسیم سحر‘ پروفیسر خیال آفاقی‘ ڈاکٹر عزیز احسن اور فیروز ناطق خسرو شامل تھے۔ سید سمیع اللہ حسینی نے ’ادارۂ چمنستانِ حمد ونعت‘ کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ہم خلوصِ دل سے حمد ونعت کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں۔ ہم 1998ء سے طرحی حمدیہ اور نعتیہ مشاعرے بھی کرا رہے ہیں‘ اس کے علاوہ دیگر اسلامی پروگرام بھی ترتیب دے رہے ہیں۔ حمدیہ مقالہ جات کے سب سے پہلے مقرر ڈاکٹر محمد سہیل شفیق نے کہا کہ حمد ایک وسیع موضوعاتی صنف سخن ہے؛ اردو ادب میں مسلم شعرا کے علاوہ غیر مسلم شعرا نے بھی حمد کہی ہیں۔ ڈاکٹر عرفان احمد بیگ نے کہا کہ بلوچی زبان میں حمدیہ شاعری کی روایت اسلام کے آغاز کے 90 سال بعد شروع ہوئی اور اب پورے بلوچستان میں حمدیہ شاعری کی کتابیں تواتر سے شائع ہو رہی ہیں۔ پروفیسر طاہر صدیقی کے مقالے کا موضوع تھا ”پنجابی زبان میں حمد نگاری کی روایت“۔ اس سلسلے میں انہوں نے کہا کہ پنجابی زبان میں حمد کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ نسیم سحر نے کہا کہ کائنات کا سب سے بڑا موضوعِ گفتگو ”حمد“ ہے۔ ڈاکٹر وسیم الدین‘ اشفاق احمد غوری‘ ڈاکٹر مجید اللہ قادری‘ ڈاکٹر عزیز احسن‘ معین اثر چشتی اور پروفیسر خیال آفاقی نے بھی حمدیہ مقالہ جات پیش کیے۔ پہلے دن کے اجلاس میں جن مفکرین نے نعتیہ مقالہ جات پیش کیے ان میں ڈاکٹر ریاض مجید‘ سید بدیع الدین سہروردی‘ علامہ فیصل عزیز بندگی‘ علامہ سید بسم اللہ شاہ‘ علامہ پروفیسر شیخ انوار الحق‘ ڈاکٹر آفتاب مضطر‘ علی حسن ساجد‘ طاہر سلطانی اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری شامل تھے۔ کانفرنس کے دوسرے دن حمدیہ ونعتیہ مشاعرے کا اہتمام تھا جس کی مجلس صدارت میں ڈاکٹر ریاض مجید‘ مختار حیات‘ ظفر محمد خان ظفر‘ پروفیسر خیال آفاقی‘ فیروز خسرو‘ نسیم سحر‘ حیات رضوی امروہوی‘ خالد عرفان‘ اشفاق غوری اور ڈاکٹر فرحت عباس شامل تھے۔ حمد پڑھنے والے شعرا میں ڈاکٹر ریاض مجید‘ حیات رضوی امروہوی‘ ظفر محمد خان ظفر‘ پروفیسر خیال آفاقی‘ نسیم سحر‘ ڈاکٹر فرحت عباس‘ ڈاکٹر آفتاب مضطر‘ ڈاکٹر عتیق جیلانی‘ عبید اللہ ساگر‘ رانا خالد محمود‘ عزیز الدین خاکی‘ نعیم انصاری‘ آسی سلطانی‘ محمد علی گوہر‘ شجاع الزماں شاد‘ شارق رشید‘ عرفان بیگ اور طاہر سلطانی شامل تھے۔ ❋ ❋